کتاب کے بارے میں کچھ تفصیل :

پیش لفظ

میرے لئے وجہ جوش ... ولولہ ... تحریک اور خوشی ہے کہ میں اپنے خاوند کی خود نوشت سوانح عمری کا پیش لفظ تحریر کر رہی ہوں ... جو اس نے بیان کی ہے ... اس امر کے لئے اسے برسوں سے راغب کر رہی تھی ... اس نے یہ سوانح عمری میری قریبی دوست ادایا ترانیر کو بیان کی ہے۔ یہ ہمیشہ ایک سخت مشکل اور دقت طلب کام رہا ہے کہ اسے اپنی بابت ... اپنی زندگی کی بابت اور اپنی کامیابیوں کی بابت بات کرنے پر راغب کیا جائے۔ میں سمجھتی ہوں کہ میرے لئے یہ مناسب نہیں ہے اور نہ ہی میرے لئے یہ درست ہے کہ میں اس کتاب کی خصوصیات بیان کروں جو آپ اپنے ہاتھوں میں تھامے ہوئے ہیں اگرچہ ایسا کرنے کی جانب میں راغب ہوں ... اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ میں اپنے خاوند کی بے حد تعریف کرتی ہوں اور یہ بات آپ سب کے علم میں بھی ہے اور میں اس پر بے حد فخر وناز بھی کرتی ہوں اور ہم نے کئی عشرے بطور ایک جوڑا باہم اکٹھے گزارے ہیں۔ الفاظ اور زبان پر خواہ یہ انگریزی ہو یا اردو اس کی گرفت اس قدر مضبوط ہے ... اور مجھے کوئی شک نہیں کہ جب میں یہ کہتی ہوں تب میں اکیلی نہیں ہوں۔

###

جب ایک پٹھان پھلوں کے سوداگر کا ایک 22 سالہ شرمیلا سا بیٹا انڈین سینما کے لئے منتخب ہوا ... اور

اسے دیوا نے منتخب کیا... دویکارانی ... اس نے اسے بمبئی ٹاکیز کی فلم "جوار بھاٹا" (1944ء میں نمائش کے لئے پیش کی گئی) میں کام کے لئے منتخب کیا تھا... اس نوجوان کے نام میں کسی قدر تبدیلی کی گئی تھی۔ یوسف خان دلیپ کمار بن گیا تھا۔

یہ انڈین سینما میں ایک افسانوی داستان کا آغاز تھا اور ہندی سینما کے پہلے فیصلہ کن اداکار نے جنم لیا تھا۔ دلیپ کمار نے یکے بعد دیگرے کئی کامیاب فلموں میں اپنی اداکاری کے جوہر دکھائے۔ ان میں درج ذیل فلمیں بھی شامل تھیں:...

شہید (1948ء) # انداز (1949ء)

دیوداس (1955ء) # نیا دور (1957ء)

گنگا جمنا (1961ء) # آزاد (1955ء)

کوہ نور (1960ء) # مغل اعظم (1960ء)

رام اور شیام (1967ء) # گوپی (1970ء)

کرانتی (1970ء) # شکتی (1982ء)

مشعل (1984ء) # سوداگر (1991ء)

دلیپ کمار صاحب نے اپنے کیریئر کے دوران عمدہ اور شاندار اداکاری پیش کی اور ہر ایک نمایاں اداکار نے ان کی نہ صرف عزت کی بلکہ ان کی اداکاری کو اپنے لئے تقلید کا ایک نمونہ بنایا... انھوں نے کسی بھی اداکاری اسکول کا منہ تک نہ دیکھا تھا بلکہ اداکاری کا اپنا ہی طریقہ ایجاد کیا تھا۔

###

دلیپ صاحب کی بے ساختہ تعریف کی جاتی رہی ہے اور دیگر اداکار اُن کی اداکاری سے تحریک پاتے رہے ہیں۔ اُن کی اداکاری کے علاوہ ان کی آواز کا اتار چڑھاؤ ہم سب اداکاروں کے لئے تقلید کا ایک نمونہ بن چکا ہے۔

ان کے بے شمار مداحوں اور پیروکاروں میں سے محض چند ایک ہی اس حقیقت سے واقف ہیں کہ دلیپ ہمیشہ مطالعہ کے شیدائی رہے ہیں خواہ یہ ناول ہوں ... ڈرامے ہوں ... یا سوانح عمریاں ہوں ...

کلاسیک ادب کے لئے ان کی محبت بے پایاں رہی ہے۔ اُردو... فارسی... اور انگریزی ادب ہمارے گھر کی الماریوں کی زینت بنا ہوا ہے... میں نے ان کے ساتھ زندگی کے جتنے برس گزارے ہیں میں نے رات کے اندھیرے میں انہیں ٹیبل لیمپ کی روشنی میں اکثر مطالعہ میں غرق دیکھا ہے۔ یہ مطالعہ صبح سویرے تک جاری رہتا ہے... خواہ ہم بمبئی میں اپنے گھر میں موجود ہوں... یا جموں اور کشمیر کے کسی دور دراز کے ڈاک بنگلے میں مقیم ہوں... سوئٹزرلینڈ میں مقیم ہوں یا دنیا کے کسی بھی حصے میں مقیم ہوں... جب وہ مطالعہ کرتے ہیں... وہ اس طرح اپنے مطالعہ میں غرق ہوتے جیسے ایک بچہ اپنی دل پسند گیم میں غرق ہوتا ہے... میں ان سے بار بار درخواست کرتی ہوں کہ اب آرام بھی کرلیں۔ اگر مطالعہ جان چھوڑتا ہے تو وہ ایک اسکرپٹ یا ایک سین تحریر کرنے بیٹھ جاتے ہیں جو اگلی صبح فلمایا جانا ہوتا ہے۔

###

انہوں نے ایک وقت میں ایک فلم میں کام کیا اور اسی فلم پر اپنی توجہ مرکوز رکھی اور پوری لگن سے اس میں کام کیا۔

مجھے یاد ہے ایک مرتبہ وہ سوداگر نامی فلم کی آؤٹ ڈور شوٹنگ کے دوران کولو میں خون تک منجمد کردینے والی سردی میں رات گئے تک پروڈیوسر۔ ڈائریکٹر شبھاش غائی کے ساتھ سین تحریر کر رہے تھے اور انہیں زیر بحث لا رہے تھے... بالآخر انہوں نے شبھاش کو ان کے کمرے میں آرام کرنے کے لئے بھیج دیا... اور بذات خود ذوق وشوق اور جذبے کے ساتھ سین کا معائنہ کرتے رہے۔ تقریباً ساڑھے چار بجے صبح دلیپ صاحب کے ذہن میں ایک آئیڈیا لپکا جو ایک شاندار آئیڈیا تھا اور انہوں نے شبھاش کو ان کی نیند سے بیدار نہ کیا تاکہ ان کے ساتھ اپنے آئیڈیا پر تبادلہ خیال کرسکیں! تب وہ دونوں سینوں (مناظر) پر اس طرح کام کرنے میں مصروف تھے جس طرح شہد کی مکھیاں اپنا کام کرنے میں مصروف ہوتی ہیں اور حتیٰ کہ انہوں نے سین (منظر) فائینل کرلیا اور خوشی خوشی صبح کے وقت آؤٹ ڈور شیڈول کا آغاز کردیا۔

ان کی خود نوشت سوانح عمری کی تکمیل کے ساتھ ہی میری خوشی اس طرح دوبالا ہوگئی ہے جس طرح میرا کوئی خواب شرمندہ تعبیر ہوگیا ہے... اس کتاب کا حصہ اوّل آپ کو ان کے سفر کا حصہ بنائے گا۔ وہ اپنے جو تجربات بیان کرتے ہیں وہ آپ کو بتائیں گے کہ وہ ہستی کیسے منظر عام پر آئی جو دلیپ کمار کہلاتی ہے۔ اور یوسف خان نے دلیپ کمار تک کا سفر کیسے طے کیا۔

###

درحقیقت ... اس غیر روایتی پیش لفظ میں جو میں شیئر کر سکتی ہوں یا جو کچھ شیئر کرنا پسند کرتی ہوں وہ اس شخص اور اداکار کے ان دیکھے اور انجانے پہلو ہیں جو میں خوش قسمتی سے جانتی ہوں اور 12 برس کی عمر سے دل کی گہرائیوں سے اس وقت سے محبت کرتی ہوں جب میں نے پہلی مرتبہ انہیں دیکھا تھا۔

میں وہ دینا چاہتی ہوں جو ان کے سراہنے والوں اور تعریف کرنے والوں سے بھرپور ہے ... کتاب میں درج واقعات اور اقساط کے ذریعے ... دلیپ صاحب کی خلقی سادگی کے ساتھ ... سچے اور کھرے پن کے ساتھ اور دل کی بے پناہ اچھائی کے ساتھ۔

میں نے اپنی زندگی کا آغاز ایک تعریف کرنے والے پرستار کی حیثیت سے کیا ... اور یہ میری خوش قسمتی ہے کہ میں نے ان کے ساتھ شادی کی اور اس عظیم بنی نوع انسان کی خصوصیات اور مختلف پہلو دیکھے جو ان لوگوں میں سے کسی بھی ایسے لوگ کی مانند نہ تھا جن سے میں نے ملاقات کی اور بات چیت کی ... اور ان سفروں کا آغاز میں نے سات برس کی عمر سے کیا جو مابعد عمر میں بھی جاری وساری رہے ... اس قسم کا شخص ... جیسے دلیپ کمار صاحب ... میں کہوں گی ... شاذونادر ہی اسے روئے زمین پر چلتا ہے۔

بطور ایک اداکار ہم سب ان کی برتری سے آشنا ہیں اور ان کی ذہانت کے بھی قائل ہیں ... لیکن ان کی شخصیت کی برتری بھی واضح ہے۔ وہ معصوم اور بھولے بھالے ہیں ... ان کی آنکھیں بہتی ندی کے صاف شفاف پانی جیسی پاکیزگی اور دیانت داری کی حامل ہیں۔ وہ کسی بھی فرد کے منفی پہلو زیر غور لانے سے سختی کے ساتھ انکار کر دیتے ہیں ... یا کسی بھی صورت حال کے منفی پہلو ان کی توجہ کا مرکز نہیں بنتے ... وہ مجھے بھی ایسے لوگوں کی خامیاں نظر انداز کر دینے کی تلقین کرتے رہتے ہیں جنہیں وہ پسند کرتے ہیں اور جن پر وہ اعتماد کرتے ہیں ... وہ اس کی بجائے مثبت خصوصیات پر اپنی توجہ مرکوز رکھتے ہیں اور ان کی منفی خصوصیات سے چشم پوشی اختیار کرتے ہیں۔

ان کے ساتھ اپنی اولین ملاقات سے ہی جبکہ میں ایک شرمیلی لڑکی تھی ... میں نے انہیں ایک مختلف اور دیگر لوگوں سے برتر پایا۔ وہ ایسی عظمت کے حامل ہیں جو کسی بھی اجتماع میں انہیں نمایاں اور ممتاز بناتی ہے ... خواہ یہ خاندانی پارٹی کی تقریب ہو یا کوئی فلمی تقریب ہو یا کسی شاہی محل میں اعلیٰ حسب ونسب کے حامل لوگوں کی تقریب ہو۔

ان کے سیکولر اعتقادات کے شگوفے سیدھے ان کے دل سے پھوٹتے ہیں اور تمام تر مذاہب کے لئے ذاتوں ... برادریوں اور مسلکوں کے لئے اُن کے احترام سے پھوٹتے ہیں۔

مثال کے طور پر ... حیران کن جین برادری کے بچے جو کبھی کبھار تیس دنوں تک روزے رکھتے ہیں یا کبھی کبھار آٹھ دنوں تک روزے رکھتے ہیں ایک مرتبہ ان کی خواہش تھی کہ وہ بھی ان کے درمیان موجود ہوں اور گنے کے جوس کے قطرے نوش کریں جس کے ساتھ وہ اپنا روزہ کھولتے ہیں (1980ء میں جب وہ بمبئی کے شیرف تھے) ... انہوں نے بخوشی یہ دعوت قبول کرلی ... انہیں بچپن سے ہی قرآن کی کچھ آیات یاد ہیں اور وہ انہیں زبانی یاد ہیں اور وہ اکثر ان کی تلاوت کرتے رہتے ہیں۔ انہیں بھگوت گیتا کی سنسکرت آیات پڑھنے کا بھی شوق ہے۔ وہ دیوالی کا تہوار بھی شوق سے مناتے ہیں اور اس سے اسی طرح لطف اندوز ہوتے ہیں جس طرح عید کے تہوار پر خوش ہوتے ہیں اور اسے اپنے اہل خانہ اور دوستوں کے ساتھ مناتے ہیں۔ وہ اذان بھی پڑھتے ہیں اور نماز کی ادائیگی کا اہتمام بھی کرتے ہیں۔

جب وہ "بھجن" گاتے ہیں (جیسا کہ 1970ء کی فلم "گوپی" میں ....) ... کوئی ہندو یقین نہیں کرسکتا کہ دلیپ کمار ایک مسلمان ہے یا یہ کہ یہ یوسف خان ہے جو یہ "بھجن" گا رہا ہے اس قدر ادب واحترام کے ساتھ مثال کے طور پر ... لکھنؤ میں ایک مشہور پان والا ہے ... اُس نے اپنی دوکان دلیپ صاحب کی تصاویر کے ساتھ سجا رکھی ہے ... اس کی دکان دلیپ صاحب کی تصاویر سے ڈھکی ہوئی ہے ... وہ یہ یقین کرنے پر تیار ہی نہیں ہے کہ دلیپ صاحب ایک ہندو نہیں ہیں۔

میرے خاوند کے قریبی دوستوں میں پارسی بھی شامل ہیں اور وہ پارسی گجراتی اس انداز سے بولتے ہیں جس انداز سے محض پارسی بولتے ہیں ان کے دوستوں میں بہت سے سردار دوست بھی شامل ہیں یعنی سکھ دوست بھی شامل ہیں ... ان میں کچھ ان کے خالصہ کالج کے ایام کے قریبی دوست بھی ہیں۔ یہ کہنا کہ وہ دنیا کے شہری ہیں ایک غلط دعویٰ ہرگز نہ ہوگا۔

میں چاہتی ہوں کہ لوگوں کے علم میں یہ بات بھی آجائے کہ دلیپ کمار صاحب زندگی کی زندہ دلی سے معمور ایک شخص ہیں۔ وہ بچوں کی مانند شرارتی بھی ہیں ... وہ میری نقالی بھی کرتے ہیں اور مجھ جیسا لباس زیب تن کرکے خود بھی محظوظ ہوتے ہیں اور ہمیں بھی محظوظ کرتے ہیں۔

وہ کوئین ہیلن جی کے رقص کی نقالی بھی کرتے ہیں ... "ان کی مونیکا کی نقالی اوہ مالی ڈارلنگ" کمال کی

jitsurdu.blogspot.com

تھی ... میں حیران تھی ... انہوں نے ہیلن جی کی نقالی کس قدر خوبصورت انداز سے کی تھی۔ میری خواہش تھی کہ میں آپ سب کو یہ سب کچھ دکھانے کے لئے اسے فلما لیتی۔

اس طرح انہوں نے ایک مرتبہ مشہور ومعروف خٹک ڈانسر گوپی کرشنا کی نقالی سنت رام جی کی "جھنک جھنک باجے پائل" (1955ء) سے کی اور گوپی جی کے معروف لیکن مشکل اسٹپ (STEPS) کا مظاہرہ کیا۔

میرے پاس دلیپ صاحب کے مداحوں سے متعارف کروانے کے لئے ان کی بے شمار "خصوصیات" موجود ہیں ... اس کے لئے مجھے اپنی کتاب تحریر کرنا ہوگی ... ان کے ساتھ اپنی زندگی کے تجربات بیان کرتے ہوئے جو چار سے زائد عشروں پر محیط ہیں جو میں نے اللہ کی مہربانی سے ان کے ساتھ گزارے ہیں۔

###

دلیپ کمار ... جنہیں دنیا ایک عظیم اداکار کے طور پر جانتی ہے اور ان کی تعریف کرتی ہے وہ ایک شاندار خوش بیان مقرر اور ذی فہم بھی ہیں ... اگرچہ وہ ذہن لڑانے والی گیمیں مثلاً شطرنج اور برج نہیں کھیلتے ... لیکن وہ اپنے کنبے کے ساتھ ایک بچے کی مانند کھیلتے ہیں۔

###

انہوں نے ہمیشہ ایک بھرپور زندگی گزارنے کی خواہش کی ہے ... وہ شاندار فطری حسن سے لطف اندوز ہونا کبھی فراموش نہیں کرتے۔ وہ سورج غروب ہونے کا نظارہ کرتے ہیں اور اس نظارے سے محروم رہنے سے نفرت کرتے ہیں۔

وہ اپنے سادہ سفید کاٹن کے لباس کو پسند کرتے ہیں ... لیکن وہ اپنے سوٹوں ... ٹائیوں اور جوتوں کو بھی پسند کرتے ہیں ... میں نے ان چیزوں کو سنبھال کر اور قرینے اور سلیقے سے رکھنے کا ہنر اُن سے سیکھا ہے ... وہ اپنے ملبوسات قرینے اور سلیقے سے ان کے رنگوں کے حساب سے رکھتے ہیں ... ان کا دھوبی پیارے لعل جس کی بابت آپ زیر نظر کتاب میں پڑھیں گے ان کے ملبوسات کی دھلائی کسی بھی بین الاقوامی لانڈری سے بڑھ کر کرتا ہے اور دلیپ صاحب اسے اس وقت سے جانتے ہیں جب وہ ایک نو عمر لڑکے تھے۔

###

عاجزی اور انکساری وہ چیزیں ہیں جو میں نے دلیپ صاحب سے سیکھی ہیں۔ اگر میری کبھی اپنی والدہ کے ساتھ ان بن اور اختلاف رائے ہوجاتی ہے ... دلیپ صاحب میری سرزنش کرتے ہیں اور مجھے تلقین کرتے ہیں کہ میں اپنی والدہ سے معذرت کروں ... وہ کہتے ہیں:...

"تم کبھی اپنی ماں کا قرض نہیں چکا سکتی جس نے تمہیں جنم دیا اور اس بڑی دنیا میں تمہیں پروان چڑھایا اس قدر محبت اور قربانی کے ساتھ۔"

###

پالی ہل ممبئی میں واقع اپنے گھروں میں ہم ہمیشہ پرانے فیشن سے سوتے ہیں یعنی ہم اپنے بستروں پر مچھر دانیاں لگا کر سوتے ہیں تاکہ ہمارے باغیچے کے مچھر ہمیں کاٹ نہ سکیں اور ہم ان کا نشانہ بننے سے محفوظ رہ سکیں ... میں ہمیشہ شرارت کرتے ہوئے ان سے درخواست کرتی تھی کہ وہ بیڈ کی دوسری جانب رکھا ہوا پانی کا گلاس مجھے پکڑائیں۔ اپنے لاڈ میں ... میں انہیں مچھر دانی سے باہر نکلتے اور مجھے پانی پلاتے ہوئے دیکھنا پسند کرتی تھی۔ انہوں نے میری اس حرکت پر کبھی منہ نہ بنایا تھا اور نہ ہی کبھی غصہ کیا تھا بلکہ ہمیشہ پیار اور محبت بھرے انداز سے میرے پاس بیٹھے رہتے تھے حتیٰ کہ میں پانی نوش کرنے کے بعد خالی گلاس ان کے ہاتھ میں تھما دیتی تھی۔ ان تمام برسوں کے دوران ہمارے ساتھ یہ معاملہ باقاعدہ طور پر چلتا رہا اور ان کی کشادہ پیشانی پر کبھی شکن تک نہ آتی تھی اور وہ پیار و محبت کا ایک عظیم پیکر بنے رہتے تھے۔

ایک موقع پر ... ایک نیا ریفریجریٹر ہمارے گھر میں آیا ... میں نے خوشی خوشی اسے کھولا ... میں نے دیکھا کہ دروازے کے اندر ایک ریک ٹوٹا ہوا تھا۔ میں رونے لگی کہ نئے فرج کا ایک ریک ٹوٹا ہوا تھا۔ دلیپ نے مجھے تسلی دی اور پرسکون رہنے کی تلقین بھی کی اور فوراً ہی کپڑے لٹکانے والے ایک دھاتی ہینگر کو ریک کی شکل وصورت عطا کرتے ہوئے اسے ٹوٹے ہوئے ریک کی جگہ فٹ کردیا اور بے حد خوبصورتی کے ساتھ اسے فٹ کیا ... اس طرح وہ ایک معاون خاوند ثابت ہوتے تھے جو اپنی بیوی کو کسی بھی وجہ سے آنسو بہانے نہیں دیتے تھے اور اس کے آنسو بہانے کے عمل سے نفرت کرتے تھے۔ درحقیقت وہ اپنی بیوی کی آنکھوں میں آنسو برداشت ہی نہیں کرسکتے۔ میں حیران ہوں کہ کس قدر اس اسٹار خاوند یا اس حوالے سے کس قدر خاوند ایسے ہیں جو اپنی آنسو بہاتی ہوئی بیوی کے لبوں پر مسکراہٹ

بکھیرنے کی کوشش کرتے ہیں! حقیقت میں ... دلیپ صاحب کی عظمت ان کی سادگی اور انا کی عدم موجودگی میں پنہاں ہے۔

###

سرِشام وہ پتنگیں اڑانا پسند کرتے تھے اور وہ ساری فیملی کے ساتھ پتنگیں اڑانے سے لطف اندوز ہوتے تھے۔ ہمارے پاس چرخی (ڈور کی ریل) موجود ہوتی تھی۔ ہم تمام تر انڈیا سے پتنگیں اور چرخیاں اکٹھی کرتے تھے اور انہیں ایک بڑے ٹرنک میں محفوظ کر لیتے تھے ... ہمارے پاس پتنگوں اور مانجھا کا بہت بڑا ذخیرہ موجود ہوتا تھا۔

پتنگوں اور مانجھے کو محتاط انداز سے کاغذ میں لپیٹا جاتا تھا کہ وہ نمی وغیرہ سے محفوظ رہ سکے۔

اردگرد کی عمارات سے دوست وغیرہ دلیپ کی پتنگ کاٹنے کی کوشش کرتے تھے ... ایک میلے کی مانند سماں ہوتا تھا۔ دوستوں کے علاوہ مہمان بھی پتنگ بازی میں شرکت کرتے تھے جب کہ ماہرین کھانا اور مزیدار ہلکے پھلکے کھانے تیار کرتے تھے۔

مجھے آج بھی یاد ہے کہ پروڈیوسر، ڈائریکٹر، ایکٹر (اداکار) منوج کمار دلیپ کمار کے ساتھ پتنگ بازی کرنے کے لئے اُس وقت آتے تھے جب وہ اپنی فلم کرانتی (1981ء میں نمائش کے لئے پیش کی گئی) کے لئے تجویز پیش کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے ہمیں خصوصی اپار آملیٹ کی ریسپی بھی دی ... جسے دلیپ صاحب نے بے حد پسند کیا اور اس سے بے حساب لطف اندوز ہوئے۔

دلیپ صاحب برسوں سے نصف سر کی درد میں مبتلا تھے وہ حصول سکون کی خاطر اپنے سر پر وہ پردہ باندھ لیتے تھے جو کمرے میں تاریکی مہیا کرنے کے لئے لٹکایا گیا ہوتا تھا ... حیرانی کی بات ہے ... آسمان پر تیرتی ہوئی رنگدار پتنگیں ان کے سر درد کو کافی حد تک افاقہ پہنچاتی تھیں اور انہیں سکون فراہم کرتی تھیں ...پتنگ بازی کے دوران ہم مہمانوں کی تواضع گرم گرم بھاجی اور آملیٹوں سے کرتے تھے تاکہ وہ پتنگ بازی کے دوران زیادہ سے زیادہ لطف اندوز ہو سکیں۔

###

زمانہ قدیم سے ... میری اپنی فیملی اچھی شاعری ... کلاسیکل موسیقی اور رقص وغیرہ کو نہ صرف پسند کرتی تھی بلکہ اس سے قرار واقعی محبت بھی کرتی تھی اور یہ میری خوش قسمتی ہے کہ دلیپ صاحب بھی ہم جیسے ذہن کے حامل ہیں اور وہ بھی فنون لطیفہ میں گراں قدر دلچسپی رکھتے ہیں ... ہمارے گھر میں موسیقی کے عظیم فنکاروں کی آواز گونجتی رہتی تھی۔ ان میں درج ذیل عظیم فنکار شامل ہوتے تھے:...

غلام علی خان صاحب ... جو میری دادی ... بیگم شمشاد عبدالوحید کماں (اماں جی) کے ساتھی فنکار تھے۔

ولایت خان صاحب ... جو غلام علی خان صاحب کی مانند قابل ذکر موسیقار اور گلوکار تھے۔

استاد مہدی حسن صاحب

صابری برادرز (معروف قوال)

ریشماں

خنک کونین ستارہ دیوی اور میرے گرو

#پدمشری روشن کماری ... جنھوں نے بڑے پیار بھرے اور محبت بھرے انداز میں مجھے کلاسیکل رقص کی تربیت دی۔

اس کے علاوہ کئی نمایاں پرفارمر ہمارے گھر میں پرفام کر چکے ہیں۔

ایک دن جب کہ اماں جی ریاض (کلاسیکل گلوکاری کی پریکٹس) کر رہی تھیں۔ وہ ہماری رہائش گاہ کی پہلی منزل پر ریاض کر رہی تھیں ... دربان ان کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ ایک "قوال" فقیر آیا ہے اور اماں جی کے درشن کرنے کے علاوہ ان سے آشیرباد لینے کا بھی متمنی ہے۔ دربان نے مزید کہا کہ وہ اپنے پیٹی باجا (ہارمونیم) کے ساتھ آیا ہے۔

کاٹن کا ایک سادہ ایپرل اور گامچا (ایک قسم کا اسکارف) اپنی پیشانی پر باندھے ہوئے ... دلیپ صاحب نے اپنے پیٹی باجے کے ہمراہ جب آہستہ آہستہ سیڑھیاں چڑھیں اور گانا شروع کر دیا ... اماں جی کو محظوظ کرتے ہوئے جو اس قدر ہنسیں کہ ان کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو بہنے لگے! اس قدر حیران کن ہیں میرے دلیپ صاحب! میرے بیش قیمت ہیرے! میرے کوہ نور!

###

اب میں آپ سے اجازت چاہتی ہوں اور آپ کو اس حیران کن اور غیر پیچیدہ شخص کی زندگی کی داستان کا مطالعہ کرنے کے لئے تنہا چھوڑتی ہوں جسے ایسے لوگ ایک معمہ یا پہیلی کہتے ہیں جو اسے اس قدر نہیں جانتے جس قدر قریبی دوست اور ساتھی اہلکار جانتے ہیں۔

اس کتاب کے اس حصے میں جہاں اس کے ساتھی اسٹاروں (ساتھی فنکاروں) اور اس کے مداحوں نے اپنے بیانات میں دلیپ صاحب کی تصویر کشی کی ہے ... کچھ انجانے پہلو اور معاشرے کے ساتھ ان کا دست تعاون دراز کرنے کے علاوہ ان کی کچھ ایسی کامیابیاں بھی منظر عام پر لائی گئی ہیں جن کے بارے میں پہلے لکھی بات نہیں کی گئی تھی ... لہذا قارئین کے جاننے کے لئے ایسا مواد موجود ہے جو ان کی شخصیت کا احاطہ کرتا ہے۔

سائرہ بانو

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com
allurdupdfnovels.blogspot.com

ہم چاہتے ہیں کہ اردو کا ہر ناول ہر کتاب ہر افسانہ اور ہر تحریر آپ کی دسترس میں ہو-اس کے لئے ہمیں آپ کی ضرورت ہے- آپ کچھ بھی لکھیں ہمیں بھیجیں ہم اسے اپنے بلوگ پر اپ لوڈ کر دیں گے۔ کچھ بھی ہوکسی بھی فارمیٹ میں ہو، ہم اسےخود پی ڈی ایف میں کنورٹ کر کے کتابی شکل میں ڈھال لیں گے۔الحمداللہ ہمارے بلوگ پر ۳۰۰۰ سے زائد بکس کے ایکٹو لنک موجود ہیں، اور ہماری سائٹ ڈیلی آپ ڈیٹ ہوتی ہے۔ تو چلئیے پھر قلم اٹھائیں اور شروع ہو جائیں، اپنی تحریر نیچے دئے گئے ای میل اڈریس پر بھجیں۔ کیونکہ ہم دیر نہیں کرتے،

khalidjee@hotmail.com

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

پیدائش

''یہ بچہ عظیم شہرت اور بے نظیر کامیابیاں سمیٹنے کے لئے بنایا گیا ہے۔اس لڑکے کی حفاظت اور نگہداش کریں.....اسے دنیا کی نظر بد سے محفوظ رکھیں.....حتیٰ کہ یہ بڑھاپے میں بھی خوبصورت ہوگا اگر آپ اس کی حفاظت کرتے ہیں اور اسے دنیا کی نظر بد سے بچاتے ہیں.....سیاہ سوت کے ساتھ اسے بدنما بنائیں کیونکہ اگر آپ ایسا نہیں کرتے آپ اسے جلد کھو سکتے ہیں.....اللہ کا نور اس کے چہرے کو ہمیشہ روشن رکھے گا۔''

تاریخ بہت سے ایسے ناموں کا تذکرہ کرتی ہے جو پشاور کو دیے گئے تھے.....شمال مغربی سرحدی صوبے کا بڑا شہر.....جہاں میں پیدا ہوا تھا.....یہ پھولوں کا شہر کہلاتا تھا۔میں نے جس پشاور میں جنم لیا تھا وہ انڈیا کا ایک حصہ تھا.....جس طرح میرے بہت دوستوں نے جن کا تعلق زندگی کے مختلف شعبوں اور مختلف برادریوں سے تھا.....جنہوں نے بھی غیر منقسم انڈیا کے شہر پشاور میں جنم لیا تھا.....مجھے اس وقت کے انڈین شہر کی شہریت پر فخر ہے.....وہ شہر جو وسطی ایشیا اور جنوبی ایشیا کے درمیان میں واقع ہے اور جو انڈیا کا دروازہ کہلاتا تھا.....

مجھے بھڑکدار اور زندہ دل رنگ یاد ہیں.....میرے مادر وطن کی خوشبوئیں اور موسم.....موسم خزاں کی آمد باغوں میں بخوبی دیکھی جاسکتی تھی جہاں پر خوبانی کے درخت چمکدار سرخ اور نج ہو جایا کرتے تھے.....جب شام کا دھندلکا پھیل جاتا تھا.....پہاڑ کسی نہ کسی طرح بلند تر دکھائی دیتے تھے اور مجھے دہشت زدہ کرتے تھے اور مجھے اپنے پاؤں کی وہ درد ہنوز یاد ہے جس کا شکار میں اپنی تیز رفتاری کی بنا پر ہوا تھا.....میں جلدی سے گھر جانا چاہتا تھا.....ایسے لوگ بھی موجود تھے جو میرے والدین کو جانتے تھے اور وہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے اپنے گھروں کو سدھار رہے تھے.....خوبصورت مرد جو داڑھیوں کے حامل تھے.....ٹوپیاں پہنے ہوئے یا پگڑیاں باندھے ہوئے.....وہ مجھے گھورتے تھے اور حیران تھے کہ میں کیوں اس طرح دوڑ رہا تھا۔

ہمارا گھر شہر کے دل میں واقع تھا.....قصہ خوانی بازار میں.....اس بازار کا نام قصہ خوانی بازار اس لئے مشہور ہوا تھا کہ گھوم پھر کر تجارت کرنے والے تجار وہاں پر رکتے تھے یا تو اپنی داستانیں سنانے کے لئے یا پھر مقامی مکینوں کی داستانیں سننے کے لئے۔مہابت خان مسجد کے عکس.....چھاؤنی.....وہ بازار جہاں میں گھر کے خواتین کے ساتھ گھومتا پھرتا تھا وہ گلی جہاں پر سرخ اور گلابی گلاب برطانوی لوگوں کے ہاتھ فروخت کئے جاتے تھے.....وہ انہیں خرید کر گھر لے جاتے تھے اور اپنی خواتین کو پیش کرتے تھے.....اکثر میری آنکھوں کے سامنے ایک موشن تصویر کی مانند ظاہر ہوتا ہے جب میں پُرسوچ موڈ میں ہوتا ہوں۔

پشاور کے شمال مشرقی سرحدی علاقے میں موسم سرما اس کے مکینوں کے لئے ناقابل برداشت ہوتا تھا.....تاہم وہ موسم سرما کی شدت کا مقابلہ کرنے کے عادی تھے۔موسم سرما کے دوران.....صبح سویرے کا اعلان سورج کی آنکھ کھلنے کے بغیر ہی ہو جاتا تھا اور اس بابت جانا نہیں جاسکتا تھا کہ کیا یہ رات تھی یا دن اگر کسی کے علم میں یہ نہ ہو کہ وقت کیا ہوا تھا.....پہاڑ اور پہاڑیاں جو بڑی شان و شوکت سے سر اٹھائے کھڑی ہوتی تھیں محض اسی وقت دکھائی دیتی تھیں جب صبح سویرے کا ایک بڑا حصہ رخصت

itsurdu.blogspot.com

ہو چکا ہوتا تھا۔

موسم سرما کے مہینوں کے دوران وہ لوگ جو نماز فجر کی ادائیگی کے لئے بیدار ہوتے تھے ان کی ٹینکیوں کا پانی برف بن کر جم چکا ہو جاتا تھا اور انہیں وضو کرنے کے لئے برف کی قلمیں توڑنا پڑتی تھیں۔ برف کی مانند ٹھنڈا پانی جب وہ جسم کی چھیلی ہوئی جلد کو چھوتا تھا..... اس کا احساس ہنوز میری یادداشت میں محفوظ ہے..... سخت سردی اور یخ بستہ ہواؤں کے چلنے کی وجہ سے کھیتوں کھلیانوں میں کام کرنے والے لوگوں کو سخت دقت کا سامنا کرنا پڑتا تھا..... جس طرح سردی کی شدت ان کے لئے دشواری پیدا کرتی تھی اسی طرح گرمی کی شدت بھی ان کے لئے دشواری کا باعث بنتی تھی۔

چاچا عمر بھی میری یادداشت میں محفوظ ہیں..... میرے چچا جو کہ ہمارے قریب ہی رہائش پذیر تھے..... لیکن بیداری کے زیادہ تر گھنٹے ہمارے ہی گھر میں گزارتے تھے اور آغا جی کے ساتھ باہر نکلتے تھے..... ہم اپنے والد صاحب کو آغا جی کہتے تھے..... اور باغات سے پکے ہوئے پھلوں کا ذخیرہ سمیٹ کر لاتے تھے..... وہ موسم سرما میں بھی موسم کی شکایت کرتے تھے اور موسم گرما میں بھی موسم کی شکایت کرتے تھے..... وہ گھر میں پڑا رہنا زیادہ پسند کرتے تھے..... لیکن ان کے کرنے کے لئے بہت سے کام ہوتے تھے۔ لہٰذا وہ تمام موسموں کا بخوبی مقابلہ کرتے تھے اور میرے والدین اور ان کے والدین یعنی میرے دادا دادی ان کی تمام ضروریات پوری کرتے تھے اور بوقت ضرورت ان پر توجہ کرتے تھے..... وہ آغا جی کے کزن تھے اور میرا خیال ہے وہ اپنے اُس مقام سے بے حد لطف اندوز ہوتے تھے جو انہوں نے خاندان بھر میں حاصل کر رکھا تھا کیونکہ وہ تمام مقاصد کی تکمیل کے لئے ناگزیر شخص تھے۔

چاچا عمر سناروں کی گلی کی بات کرنے سے کبھی نہیں رکتے تھے..... جہاں پر سناروں کی دوکانیں اور ورکشاپیں موجود تھیں..... اور اس آگ کی بابت جو اس رات انہیں اپنے گھیرے میں لے چکی جس رات میں نے جنم لیا تھا..... وہ گلی جس میں ہمارا گھر واقع تھا وہ قصہ خوانی بازار کے زیادہ مصروف حصوں میں سے ایک تھی..... چونکہ اس گلی میں زیادہ تر سنار آباد تھے اور وہ خوشحال بھی تھے اور یہاں پر سناروں کا کام بھی سرانجام دیا جاتا تھا لہٰذا یہاں پر دن رات لوگوں کا رش لگا رہتا تھا اور کاروباری سرگرمیاں اپنے جوبن پر رہتی تھیں..... رات کو جب بقایا بازار کی دوکانیں بند ہو جاتا کرتی تھیں لیکن سناروں کی دوکانوں پر کاروبار جاری وساری رہتا تھا..... اس رات ایک ورکشاپ میں اچانک آگ کے شعلے بھڑک اٹھے۔ یہ وہ وقت تھا جب دوکاندار دن بھر کے کاروبار سے فراغت پانے کے بعد اپنی دوکانیں بند کر رہے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے آگ چاروں طرف پھیل چکی تھی اور لوگ آگ پر قابو پانے کے لئے اس پر پانی کی بالٹیاں پھینک رہے تھے..... یہ کام خاصا مشکل تھا کیونکہ پانی کے ذخیرے کے بالائی حصے کا پانی جم کر برف بن چکا تھا اور کئی طاقتور اور مضبوط پٹھانوں نے اس برف کو توڑ کر ٹینکیوں کے زیریں حصے سے پانی کی بالٹیاں نکالیں۔

چونکہ ہمارے گھر کے مرد بھی بھاگ کر گلی میں پہنچ چکے تھے اور آگ بجھانے کے عمل میں مدد کر رہے تھے اور چاچا عمر کو گھر میں چھوڑ گئے تھے اور اس ہدایت کے ساتھ کہ گھر میں خواتین اکیلی تھیں اور وہ ان کی حفاظت کریں گے..... یہ چاچا عمر ہی تھے جو اس وقت ایک دایہ کی تلاش کے لئے نکلے تھے جب میری ماں (جنہیں میں اماں کہتا تھا) نے مجھے اس دنیا میں لانے کی نوید دی..... انہیں بحفاظت دایہ کو لانا تھا اور اس کام سے فارغ ہونے کے بعد وہ آغا کو گھر میں جنم لینے والے اس واقعہ کی اطلاع دینے کے لئے بھاگے۔

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

اس حوالے سے ایک مرتبہ انہوں نے میرے ساتھ تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ:.....

''تم جانتے ہو.....اس رات میں سخت غصے میں تھا اور اپنے آپ کو لعن طعن کر رہا تھا کیونکہ اس قدر سردی تھی اور یخ بستہ ہوا پوری شدت کے ساتھ چل رہی تھی ..... یہ ایک سزا کی مانند تھا کہ تن تنہا باہر نکلنا اور ایک زندگی بچانے کی ذمہ داری اپنے کندھوں پر اٹھانا.....لیکن جس لمحے دایہ نے اپنا کام پایہ تکمیل کو پہنچایا اور ہم نے تمہیں دیکھا..... گول مٹول صحت مند تندرست وتوانا بچہ..... میں نے محسوس کیا کہ مجھے میرا انعام مل چکا تھا اور میں بے حد خوش تھا۔''

چاچا عمر ہمیشہ بڑی خوشی کے ساتھ میرا رونا دھونا اور مبارکبادوں کا تبادلہ بیان کرتے تھے جیسا کہ خاندان والوں نے محمد سرور اور عائشہ بی بی کے چوتھے بچے کی آمد کو خوش آمدید کہا تھا جس نے اس وقت جنم لیا تھا جب ہمسایہ گلی ابتری اور افراتفری کا شکار تھی۔

بطور ایک بچہ موسم سرما کے مہینوں کی واحد خوشی میرے لئے یہ تھی کہ میں آتش دان کے سامنے بیٹھ کر بڑوں کی گفت وشنید ان کے درمیان بیٹھ کر بخوبی سنا کرتا تھا اور وہ اس امر کی بالکل بھی خبر نہ لیتے تھے.....ان کی گفتگو کبھی کبھار ہی مختصر ہوتی تھی ..... وہ یا تو بازاری داستانیں بیان کرتے تھے جو انہوں نے سنی ہوتی تھیں یا ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی پیدا کرنے والے وہ واقعات بیان کرتے تھے جو انہوں نے دیکھے ہوتے تھے.....میں بخوبی کان لگا کر سنا کرتا تھا.....بالخصوص اس وقت جب وہ دھیمی آواز میں اپنے خوفناک خواب ایک دوسرے کو سنا رہے ہوتے تھے.....ایسے ہی ایک موقع ..... پر میں نے سنا کہ میری دادی نے میری اماں کا نام لیا.....عائشہ.....انہوں نے ایک دھیمی سی سرگوشی میں میری اماں کا نام لیا..... وہ نہیں جانتی تھیں کہ میں بھی وہاں پر موجود تھا.....میں نے اپنا سانس روک لیا اور سننے لگا۔ وہ پشتو میں بات کر رہی تھیں اور ان کی سرگوشی اگرچہ دھیمی تھی لیکن وہ سنائی دے رہی تھی.....ان کی آنکھیں اس قدر پھیل چکی تھیں جس قدر وہ پھیل سکتی تھیں۔

انگریزی میں ترجمے کے مطابق وہ کوئی خوفزدہ کر دینے والی چیز کہہ رہی تھیں جیسے یہ کہ:.....

''بیچاری عائشہ اس منجمد کر دینے والی رات وہ مرسکتی تھی .....گھر کے مردوں نے کئی مرتبہ دروازہ کھولا اور بند کیا جب کہ بیچاری عائشہ اپنے ہونٹ کاٹ رہی تھی اور شدید درد میں مبتلا تھی..... باہر برفانی طوفان تھا.....اور جو کچھ بدتر تھا.....سناروں کی گلی میں آگ کے شعلے بھڑک رہے تھے.....اور معمول کی آمدورفت کا راستہ بند تھا۔''

وہ اپنے متجسس سامعین کے ساتھ دھیمی آواز میں بات کر رہی تھیں.....میری ریڑھ کی ہڈی میں ایک سرد لہر دوڑ گئی.....کیا عجیب وغریب واقعہ رونما ہوا تھا! ایک برفانی طوفان اور ایک آگ! اور میری پیاری اماں.....وہ درد میں کیوں مبتلا تھیں؟

تب فولادی خاتون ..... دادی اسی نام سے جانی پہچانی جاتی تھی .....آنسو بہانے لگی ..... چھت کی جانب دیکھا اور اللہ کی حمد بیان کی ..... دایہ کو بحفاظت بروقت لایا گیا.....انہوں نے اپنے مشتاق سامعین کو مطلع کیا.....جو تب پرسکون ہوئے اور سکون کا سانس لیا.....

''اور عائشہ کا سونا بیٹا یوسف تشریف لایا۔''

©جملہ حقوق بحق ادارہ اُردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

انہوں نے اب اپنی نارمل آواز میں اعلان کیا..... قوی ہیکل آواز میں جس نے اجتماع میں شریک ہر ایک کو چونکا دیا..... میرا چھوٹا سا جبڑا گر پڑا..... وہ ایک فرد تھیں جو میری پیدائش کی بابت بات کر رہی تھیں۔

محض دادی ہی نہیں ..... بلکہ محمد سرور خان اور عائشہ بیگم کے خاندان کے ہر رکن نے میری عظیم آمد کی داستان ہر موقع پر بے تھکان سنائی جیسے یہ ایک غیر معمولی واقعہ تھا..... تاریخ 11 دسمبر 1922ء تھی..... مجھے شک ہے کہ یہ تاریخ پشاور کی تاریخ میں کہیں نہ کہیں درج ہے اس وجہ سے نہیں کہ اس ڈرامائی دن میں نے جنم لیا تھا بلکہ اس وجہ سے کہ سنار کی ورکشاپ میں آگ بھڑک اٹھی تھی۔ اس سے قبل اور اس کے بعد اس قدر یخ بستہ دن نہ آیا تھا اور نہ ہی اس قسم کا کوئی سانحہ منظر عام پر آیا تھا جس نے قصہ خوانی بازار کو اس طرح ہلا کر رکھ دیا تھا جس طرح سناروں کی گلی کی آگ نے ہلا کر رکھ دیا تھا۔

دادی کی رائے میں..... برفانی طوفان اور آتشزدگی کے عین درمیان میری آمد کسی اہم چیز کی جانب اشارہ کرتی تھی.....

میرے والدین نے ان کے اعتقاد کو ہرگز سنجیدگی کے ساتھ نہ لیا حتیٰ کہ ایک عام دن..... جب میں اپنے گھر کے سامنے والے کمرے میں کھیل رہا تھا..... ایک فقیر دروازے پر آیا اس نے روٹی اور کچھ پیسے طلب کئے۔ گھر میں یہ عام رواج پایا جاتا تھا کہ جب کبھی فقیر دروازے پر آتے تھے یا اپنی زبان میں جذباتی گیت گا کر خیرات مانگنے والے دروازے پر آتے تھے انہیں روٹی اور کچھ پیسے خیرات میں دے دلا کر رخصت کر دیا جاتا تھا..... لہٰذا اماں جلدی سے اندر آئیں اور اس کے لئے کھانا نکالنے لگیں جب کہ دادی آرام کے ساتھ اپنی آرام کرسی پر براجمان رہیں۔

میں نے کھیل کود ترک کر دی کیونکہ میں اس شخص کی نظریں اپنے آپ پر مرکوز محسوس کر سکتا تھا ..... اونچی آواز میں ..... جسے سن کر دادی اٹھ بیٹھی اور سننے لگی۔ اُس نے ان سے کہا کہ مجھے اس کے سامنے لایا جائے..... انہوں نے ایک لمحے کے لئے ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کیا لیکن وہ شخص اصرار کر رہا تھا ..... لہٰذا اب میں اُس کے سامنے کھڑا تھا..... میں سہما ہوا تھا اور میرے پانچ سالہ ذہن میں تجسس اپنا سر ابھار رہا تھا..... اس نے یہ دعویٰ کیا کہ میں ایک عام بچہ ہرگز نہ تھا..... میں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور یہ ظاہر کیا کہ میں نے اسے سنا نہ تھا..... پہلے ڈرامائی آگ اور برفانی طوفان..... میری پیدائش کے موقع پر اور اب یہ تذکرہ کہ میں ایک عام بچہ نہ تھا! میں حیران تھا کہ اس کے بعد وہ کیا کہنے جا رہا تھا۔

اس نے اپنی نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز کر دیں اور دادی سے کہا کہ:.....

"یہ بچہ عظیم شہرت اور بے نظیر کامیابیاں سمیٹنے کے لئے بنایا گیا ہے..... اس لڑکے کی حفاظت اور نگہداشت کریں..... اسے دنیا کی نظر بد سے محفوظ رکھیں..... حتیٰ کہ یہ بڑھاپے میں بھی خوبصورت ہوگا اور اگر آپ اس کی حفاظت کرتے ہیں اور اسے دنیا کی نظر بد سے بچاتے ہیں سیاہ سوت کے ساتھ اسے بدنما بنائیں کیونکہ اگر آپ ایسا نہیں کرتے آپ اسے جلد کھو سکتے ہیں..... اللہ کا نور اس کے چہرے کو ہمیشہ روشن رکھے گا۔"

میں نے اپنی آنکھیں کھول دیں..... میں پرسکون ہو چکا تھا کہ اس نے کوئی بے تکی بات نہ کی تھی..... اب میں اس کی جانب دیکھ رہا تھا اور وہ پیار بھری مسکراہٹ بکھیر رہا تھا..... دادی نے مجھے اپنے بازوؤں میں سما لیا اس خدشے کے زیر اثر کہ اگر انہوں نے مجھے اپنے بازوؤں میں نہ سمیٹا تو وہ مجھے کھو بیٹھیں گی..... اماں اس شخص کے لئے جو کھانا اور اسے دینے کیلئے جو پیسے لائی تھی وہ انہیں لے کر چلتا بنا۔

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

اس کے چلے جانے کے بعد..... میں گھر سے باہر بھاگ آیا تا کہ اپنے کزنوں کے ساتھ کھیل سکوں جو پہلے ہی سے کھیل کود میں مصروف تھے اور نہیں جانتے تھے کہ کیا رونما ہو چکا تھا..... اور اگلے دن سے جو کچھ شروع ہوا مجھے اس کا ادراک ہے..... دادی نے مجھے دنیا کی نظر بد سے بچانے کی ذمہ داری اپنے سر لے لی..... انہوں نے میرے سر کی شیو کروادی اور روزانہ..... جب میں نے اسکول جانے کا آغاز کیا وہ سوت کے ساتھ میری پیشانی پر دھاریاں (لکیریں) بنا دیتیں تا کہ میں بدصورت دکھائی دوں ..... اماں دادی کو سمجھانے کی پوری پوری کوشش کرتیں کہ بچے کو اس قدر بدصورت نہ بنایا جائے کہ دوسرے بچے اس کا مذاق اڑائیں اور وہ احساس کمتری میں مبتلا ہو جائے..... آغا جی بھی اپنی ضدی اور ہٹ دھرم ماں کو سمجھانے کی کوشش کرتے اور وہ جو کچھ کر رہی تھیں اس کا نتائج سے انہیں آگاہ کرتے رہتے تھے..... لیکن دادی نہ مانیں..... وہ میری محبت اور حفاظت کے حوالے سے اس قدر دیوانہ تھیں کہ انہوں نے سب کی آراء کو مسترد کر دیا۔

یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ ہر صبح جب میں اسکول پہنچتا تھا تو ایک خاص نمونہ بنا ہوا ہوتا تھا..... پہلے ہی دن میں نے جو سرگوشیاں سنیں وہ میرے شعور میں ثبت ہو گئیں اور اگلے دن سے میں نے اسکول جانے سے انکار کر دیا کیونکہ میرے ہم جماعتی اور اسکول کے بڑے لڑکے جو ہمیشہ کسی کا مذاق اڑانے کے موقع کی تلاش میں رہتے تھے اور اپنے جونیئر کا مذاق اڑانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتے تھے میں بھی ان کے مذاق کا نشانہ بنا۔

اماں جو پہلے ہی اپنی ساس کے ساتھ بحث مباحثہ کرتی رہتی تھی..... وہ بے انتہا دکھی دکھائی دیتی تھی..... انہوں نے مجھے کھینچ کر اپنے سینے کے ساتھ لگا لیا اور دادی سے کہا کہ:.....

''آپ میرے بیٹے کے ساتھ یہ سب کچھ نہیں کر سکتیں..... دیکھیں اس کی حالت کس قدر قابل رحم ہو رہی ہے۔''

www.UrduPoint.com

دادی ششدر رہ گئیں.....

''عائشہ میں نے کیا غلط کیا ہے؟ تم نے بھی سنا تھا جو کچھ فقیر نے کہا تھا..... اس نے صرف یوسف کی کچھ بات کی تھی..... ہمارے گھر کے سب بچے اس کے سامنے تھے۔''

وہ تقریباً چلا رہی تھیں..... صاف ظاہر تھا کہ انہیں یقین تھا کہ وہ درست تھیں..... انہوں نے مجھے اپنے قریب کھینچنے کی کوشش کی تا کہ مجھے آرام اور سکون فراہم کر سکیں اور مجھے بتایا کہ وہ مجھے کیوں بدصورت بنا رہی تھیں..... میں اس قدر ناراض اور آزردہ تھا کہ میں نے انہیں پرے دھکیل دیا اور اپنا سر اماں کی گود میں گھسا دیا اور دبی دبی سسکیاں لینے لگا اور ساتھ ہی ساتھ یہ کوشش بھی جاری تھی کہ میرے کزن میری سسکیاں نہ سن سکیں اسی لئے میں دبی دبی سسکیاں لے رہا تھا ورنہ انہیں بھی مذاق اڑانے کا موقع مل جاتا۔

پٹھان لڑکوں کو ان کے بچپن کے آغاز سے ہی باور کروایا جاتا ہے کہ رونا دھونا مردانگی ہرگز نہیں ہے..... حتیٰ کہ کھیل کود کے دوران جب چوٹ لگتی تھی اور ہمارے گھٹنے اور کہنیاں زخمی ہو جاتی تھیں اور ان زخموں پر دوائی لگائی جاتی تھی..... ہمیں درد برداشت کرنے کی تلقین کی جاتی تھی اور کہا جاتا تھا کہ مردوں کی طرح درد کو برداشت کرو اور عورتوں کی طرح واویلا مت کرو..... رخساروں پر بہنے والے آنسو قابل قبول تھے لیکن بہ آواز بلند رونا دھونا قابل قبول تصور نہ کیا جاتا تھا..... اگرچہ اگلے دن میری پیشانی پر دھاریاں یا لکیریں کم نمایاں تھیں..... لیکن روٹین میں کوئی فرق نہ پڑا تھا..... میں اسکول میں تنہا رہ گیا تھا

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

اور کھیل کود میں بہت کم حصہ لیتا تھا..... میں نے خاموش رہنے کا انتخاب کیا تھا اور رنگ کرنے والی کتب کے ساتھ کھیلتا رہتا تھا جو اسکول کی چھوٹی سی لائبریری میں دستیاب تھیں۔

چند ایک مہربان اساتذہ نے مجھ پر زور ڈالا کہ میں بھی باہر جا کر کھیلوں لیکن میں نے اُن کی سنی ان سنی کر دی اور تصویروں کی حامل کتب میں اپنی دلچسپی میں اضافہ کر دیا..... اس وقت میری عمر پانچ برس سے زائد نہ تھی.....

میری پھوپھیاں..... چچیاں اور چچے دو وجوہات کی بنا پر مجھ سے پیار کرتے تھے.....

اوّل..... میں ایک صحت منداور تر و تازہ بچہ تھا.....

دوم..... میں نے اپنی اماں کو بہت کم تکلیف دی تھی اور اس کی وجہ میری دوستانہ فطرت تھی اور میری آمادگی تھی کہ میں ایک آنٹی سے دوسری آنٹی کے پاس اس وقت بخوشی چلا جاتا تھا جب کہ اماں گھریلو کام کاج میں مصروف ہوتی تھیں..... جیسے ہی میں قدرے بڑا ہوا اور جو گفت و شنید میں سنتا تھا اسے کسی قدر سمجھنے بھی لگا..... میرا چھوٹا سا ذہن اکثر اماں کے لئے تشویش میں مبتلا رہنے لگا جنہیں دادی بلکہ ظالم دادی حکم پر حکم صادر کرتی رہتی تھی اور انہیں گھریلو کاموں میں الجھائے رکھتی تھی جبکہ ان کی اپنی بیٹیاں کوئی کام کاج نہ کرتی تھیں بلکہ آرام کرتی رہتی تھیں۔

www.UrduPoint.com

مجھے یاد ہے ایک مرتبہ آغا جی ایک صبح اماں سے دریافت کر رہے تھے وہ کچن میں کیوں اکیلی کام کر رہی ہیں جب کہ گھر میں دیگر خواتین بھی موجود ہیں جو کام کاج میں ان کا ہاتھ بٹا سکتی ہیں۔

میں ہنوز اپنی ماں کی نرم اور حلیم آواز کی صدائے بازگشت سن سکتا ہوں جیسا کہ انہوں نے میرے والد کو دھیما اور ٹھنڈا کرنے کے لیے وضاحت پیش کرتے ہوئے کہا کہ انہیں کچن کے کام اس لئے تفویض کئے تھے کہ یہ ان کی اپنی خواہش تھی اور وہ خوش تھیں کہ انہیں چائے کی نہ ختم ہونے والی چائے دانیاں بنانے اور دیگر پکوان پکانے کی ذمہ داری سونپی گئی تھی کیونکہ اس کارگزاری کی سرانجام دہی میں کوئی اور خاتون ان کی برابری نہ کر سکتی تھی..... پھوپھی باب جان (آغا جی کی ہمشیرہ) ان کی اس وضاحت کو سننے کے بعد سرخ پڑ گئی اور وہ میری ماں کو ایک جانب لے گئیں تا کہ اس پردہ داری پر اُن کی سرزنش کر سکیں۔

©جملہ حقوق بحق ادارہ اُردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔

(C)-www.UrduPoint.com itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

حکمران عورت اور اُن کی اولاد

(THE MATRIACH AND HER BROOD)

''اس میں ایک رحمانی مقصد پنہاں تھا کہ دادی نے فقیر کی باتوں پر اندھا دھند یقین کر لیا تھا اور مجھے بدصورت بنا دیا تھا جس کی وجہ سے مجھے اسکول میں ناخوشگوار تبصرے سننے پڑتے تھے..... یہ ایک درد تھا جو میں نے برداشت کیا تھا جیسا کہ میں اسکول میں تنہا رہ گیا تھا..... یہ اس وقت میرے شعور میں ابھرا جب میں اپنے کیریئر میں ابتدائی المیہ کردار ادا کر رہا تھا اور میں نے ان کرداروں کی گہری ذہنی اذیت کی عکاسی کرنا تھی۔''

دادی کو ''فولادی خاتون'' کہنا بے جا نہ تھا.....ان کا یہ تحکمانہ کردار میری بڑی بہن سکینہ آپا کو ورثے میں ملا تھا.....

دادی اپنی تمام تر سوچیں آغا جی کے ساتھ شیئر کرتی تھیں اور اکثر ان کے تذکرے سنا کرتی تھیں کہ ملک کیا ہو رہا تھا اور اس دوران ان کی نظریں اپنے خوبرو بیٹے کے چہرے کا طواف کرتی رہتی تھیں.....

یہ روزمرہ کی روٹین تھی جب وہ مارکیٹ سے گھر واپس آتے تھے.....اکثر نماز مغرب کے بعد ان کی گھر واپسی ہوتی تھی ..... وہ ہمیشہ سیدھے دادی کے پاس جاتے تھے ..... جو اپنے کمرے میں براجمان ان کے انتظار میں مصروف ہوتی تھیں.....وہ لکڑی سے بنائی گئی ایک آرام کرسی پر براجمان ہوتی تھیں جو اکثر ان کے استعمال کے لئے محفوظ رہتی تھی.....وہ اس کرسی پر بڑی شان و شوکت کے ساتھ براجمان ہوتی تھیں.....ان کے ہونٹ ہل رہے ہوتے تھے اور ہم جانتے تھے وہ اپنی تسبیح پڑھ رہی ہوتی تھیں.....

وہ دراز قد تھیں اور چوڑے شانوں کی حامل تھیں اور انہوں نے وہ آرام کرسی پوری کی پوری گھیری ہوتی تھی جس پر وہ براجمان ہوتی تھیں۔

وہ ڈھیلی ڈھالی پٹھان شلوار پہنتی تھیں اور دراز قمیض زیب تن کرتی تھیں جس کی وجہ سے وہ ایک عورت سے زیادہ مرد دکھائی دیتی تھیں.....وہ ہمیشہ اپنے سر کو دوپٹے کے ساتھ ڈھانپ کر رکھتی تھیں .....وہ ہمیشہ اپنے اردگرد ایک بڑی شال لپیٹے رکھتی تھیں جس کا سائز تقریباً سنگل بیڈ شیٹ (بستر کی چادر) جتنا ہوتا تھا.....

میں جب کوئی شرارت کرنے کے بعد آغا جی یا اماں سے چھپنے کی کوشش میں مصروف ہوتا تھا .....میں یقیناً ان کی شال کی تہوں میں پناہ حاصل کرتا تھا.....جو وہ میرے لئے ایک طلسماتی خیمے کی مانند کھول دیتی تھیں جو مجھے اپنے حصار میں لے لیتا تھا اور مجھے اس سے چھپا لیتا تھا جو میری تلاش میں ہوتا تھا .....اہل خانہ تجسس میں مبتلا ہوتے تھے اور اس اسرار اور بھید کو جاننے کی کوشش کرتے تھے کہ یوسف کہاں غائب ہو گیا ہے.....اس بڑے گھرانے میں محض چند افراد ہی یہ قیاس کر سکتے تھے کہ میں دادی کی شال میں چھپا ہوا ہوں ..... دادی اپنی آنکھیں بند کئے بیٹھی رہتی تھیں جب کہ اماں اور پھوپھی باب جان کئی مرتبہ کمرے کی تلاشی لے لیتی تھیں اور بڑبڑاتی جاتی تھیں کہ یوسف کہاں غائب ہو گیا ہے۔

دادی ایک سے زائد وجوہات کی بنا پر مجھ سے محبت کرتی تھیں.....فقیر کی پیشین گوئی ایک وجہ

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

تھی لیکن زیادہ اہم وجہ یہ بھی تھی کہ میں نور بھائی سے بے حد مختلف واقع ہوا تھا..... میرا بڑا بھائی..... وہ مسائل کھڑے کرنے کے حوالے سے مشہور تھے وہ اپنے کزنوں اور ہمسایہ لڑکوں کے ساتھ برسر پیکار رہتے تھے۔ اگرچہ ان کی یہ کارروائیاں سنجیدہ نوعیت کی حامل نہ ہوتی تھیں لیکن محلے کے لڑکوں کے والدین کی جانب سے دادی کو شکایات موصول ہوتی رہتی تھیں..... تاہم نور بھائی کو گھر کی خواتین کی آشیر باد حاصل تھی اور وہ بڑے ہی فنکارانہ انداز میں تمام تر الزام ان لڑکوں کے سر پر منڈھ دیتے تھے جو ان کی شکایات لے کر آتے تھے..... اگرچہ دادی ان کے چکمے میں نہیں آتی تھیں لیکن انہوں نے محلے کے لڑکوں یا ان کے والدین کی موجودگی میں نور میاں کی کبھی سرزنش نہ کی تھی..... وہ ان کے جانے کے بعد ان کی خبر لیتی تھیں اور اُن کا رونا دھونا محض ہمارے ہی کانوں میں پڑتا تھا۔

سکینہ آپا دادی کے راستے سے دور ہی رہیں اور حکمران عورت گھر میں سکینہ آپا اور دیگران کے دوران بحث مباحثے میں مداخلت نہ کرتی تھیں..... میرا خیال ہے وہ جانتی تھیں کہ سکینہ آپا کا ضدی پن اور جھگڑالو اور لڑاکا پن کہاں سے آیا تھا۔

ایوب..... جو مجھ سے محض ڈیڑھ برس بڑا تھا..... وہ ایک خاموش ساتھی تھا اور گھر میں اس کی موجودگی محض اسی وقت محسوس کی جاتی تھی جب وہ اور میں باہم اکٹھے کھیلتے تھے اور سیڑھیوں میں سے ایک دوسرے کا تعاقب کرتے تھے یا شور شرابے کے ساتھ گھر کے آنگن میں کھیلتے تھے۔ وہ واحد ہستی تھی جو ایک راز میں شریک راز تھی جسے میں نے ایک طویل عرصے تک راز ہی رکھا تھا حتیٰ کہ پشاور سے ہمارے منتقل ہونے کے بعد بھی..... ایک مرتبہ دادا نے مجھے بتایا تھا کہ میں وہ سکے ایک شگاف یا دراڑ میں رکھ سکتا تھا جن کی میں بچت کرنا چاہتا تھا اور یہ شگاف یا دراڑ زینے کے نیچے ایک ٹائل جزوی طور پر باہر نکل آنے کی وجہ سے منظر عام پر آئی تھی..... دادا نے طلسماتی کہانی سنائی تھی کہ شگاف یا دراڑ طلسماتی طاقت کی حامل تھی اور وہ سکوں کو دوگنا کر دیتی تھی اور اس کے لئے ایک خزانہ تخلیق کرتی تھی جو اسے خفیہ رکھتا تھا اور ٹائل واپس شگاف یا دراڑ پر رکھ دیتا تھا اور اس خواہش کے ساتھ کہ انہیں بڑھنے دیا جائے..... میں نے خوف اور سنسنی کے ساتھ دادا کی کہانی سنی اور یہی حال ایوب کا بھی تھا..... ہم دونوں نے باہم اکٹھے ایک ٹائل کو باہر کھینچا اور یہ کام اس وقت کیا جب کہ کوئی بھی ہمارے اردگرد موجود نہ تھا اور میں نے اس شگاف یا دراڑ میں دو عدد سکے دفن کر دیے۔ دادا نے ہمیں بتایا تھا کہ ہم جتنی دیر تک سکے وہاں پر چھوڑ سکتے تھے اتنی دیر تک انہیں وہاں پر ہی چھوڑ دینا چاہیے تاکہ ان میں اضافہ ہوتا ہے۔

''اگر تم اسے کھلا رکھو گے تو طلسم غائب ہو جائے گا۔''

انہوں نے ہمیں رازدارانہ انداز میں بتایا تھا..... آنکھ جھپکے بغیر..... سرگوشی کے انداز میں..... ان کے چہرے پر سنجیدہ تأثرات عیاں تھے.....

درحقیقت..... بمبئی (اب ممبئی) منتقل ہونے کے بعد میں شگاف یا دراڑ اور سکولوں کی بابت سب کچھ فراموش کر چکا تھا حتیٰ کہ اسکول کی چھٹیوں کے درمیان پشاور کے ہمارے ایک دورے کے دوران ایوب نے مجھے یاددہانی کروائی..... سنسنی خیز کہانی ہنوز اپنے معتبر پن کی حامل تھی اگرچہ اس وقت تک دادا اب حیات نہ تھے اور نہ زینے کے نیچے والا حصہ غیر ضروری اشیاء کے ڈھیروں اور گردوغبار سے ڈھکا پڑا تھا..... ایوب اور میں نے ایک رات کے اندھیرے میں مخفی سکوں کو ڈھونڈ نکالا اور ہمیں احساس ہوا کہ یہ دادا کی من گھڑت کہانی تھی جو انہوں نے ہماری تفریح طبع کے لیے گھڑی تھی اور اس کے علاوہ کچھ بھی نہ تھا..... ہم نے دکھ محسوس کیا اس وجہ سے نہیں کہ سکے دوگنا ہوئے تھے بلکہ اس وجہ سے کہ دادا

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

ہمارے ساتھ ہنسنے کے لئے حیات نہ تھے۔

پھوپھی باب جان خاندان میں اماں کی واحد دوست تھیں اور وہ بھی حقیقت میں اپنے بھائی کی محبوب بیوی کی دیوانی تھیں..... وہ ہمارے گھر کے عقب میں رہائش پذیر تھیں جس کے قریب ہی ایک نہر بہتی تھی جو بہتے ہوئے پانی سے لبریز تھی..... پھوپھی باب جان ان مکانوں میں سے ایک مکان میں رہائش پذیر تھیں جو نہر کے قریب واقع تھے..... جب کہ چاچا عمر بھی نہر کے قریب واقع ایک مکان میں رہائش پذیر تھے جو ایک ندی کی شکل وصورت کی حامل تھی جب اسے ایک فاصلے سے دیکھا جاتا تھا..... اگر چہ وہ اپنی رہائش گاہوں کے حامل تھے..... لیکن وہ تقریباً ہمیشہ ہی ہمارے گھر میں پائے جاتے تھے ..... جو ایک بڑا دو منزلہ مکان تھا جو بخوبی تعمیر کیا گیا تھا۔

سچائی یہ تھی کہ میری دادی اپنے آمرانہ طور طریقوں کے حوالے سے جانی جاتی تھی اور لوگ اس سے خائف رہتے تھے اور یہ یقین دہانی حاصل کرتی تھی کہ گھر کی بھاری تر ذمہ داریاں ان کی بیٹیوں کو شیئر نہیں کرنی چاہیے..... میری دادی جانتی تھیں کہ پھوپھی باب جان اماں کی دیوانی تھیں اور کئی مواقع پر یہ بے باک اور منہ پھٹ بیٹی اپنی ماں کو کنبے کے اراکین کی موجودگی میں شرم بھی دلاتی تھی جس سے اگر چہ کنبے کے اراکین کو دھچکا لگتا تھا لیکن وہ اندرون خانہ خوش بھی ہوتے تھے۔

مجھے یہ اعتراف کرنا چاہیے کہ میں نے سکول میں جس تنہائی کا عذاب جھیلا اس نے گھر میں میری کارگزاریوں کو متاثر نہ کیا۔

میری بڑی بہن..... لڑکیوں کے اسکول میں گئیں..... سب سے بڑی ہونے کے ناطے وہ اماں کی معاون بھی تھیں اور میں انہیں زیادہ تر اماں یا آنٹیوں کے ساتھ ہی دیکھتا تھا..... وہ سب سے بڑی ہونے کے ناطے اپنے اختیارات استعمال کرتی تھیں اور میں اپنے بڑے بھائیوں نور اور ایوب کو ان کی پیٹھ پیچھے معصوم شرارتیں کرتے ہوئے دیکھتا تھا..... وہ انہیں مکڑی اور ان کیڑوں مکوڑوں سے خائف کرنے کی کوشش کرتے تھے جن سے لڑکیاں اکثر خائف رہتی ہیں لیکن ان کی یہ کوشش کوئی رنگ نہ لاتی تھی اور بیکار ہی جاتی تھی۔

سکینہ آپا بڑی سخت ہڈی تھیں..... ان کا خمیر سخت تر مواد سے اٹھا تھا اگر چہ ان کی عمر محض 12 برس تھی اور انہوں نے انہیں پکڑ کر اور ہمارے کزنوں کو پکڑ کر دادی کے سامنے پیش کرنے کا کوئی موقع ضائع نہ ہونے دیا تھا اور وہ اس وقت معاملہ دادی کی عدالت میں پیش کرتی تھیں جب وہ شرارتیں کرتے تھے..... واضح رہے کہ دادی ہمارے گھر کی تسلیم شدہ حکمران تھیں

سکینہ آپا مجھے نظر انداز کر دیا کرتی تھیں اور میرے خلاف کوئی کارروائی نہ کرتی تھیں کیونکہ وہ اس قدر عقلمند تھیں کہ وہ جانتی تھیں کہ میں اپنے دادا اور دادی کا دل پسند بچہ ہوں اور ان کے خلاف سازشوں میں ہرگز شامل نہیں ہوں اور کیونکہ میری دلچسپیاں مختلف نوعیت کی حامل تھیں۔

©جملہ حقوق بحق ادارہ اُردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

جہاں تک میرا تعلق تھا..... میں اماں کا دم چھلا بننے میں خوشی محسوس کرتا تھا..... میں ان کا دوپٹہ تھامے ان کے پیچھے پیچھے ہوتا تھا..... وہ دوپٹہ جس کے ساتھ وہ ہر وقت اپنا سر ڈھانپے رکھتی تھیں ..... وہ بڑی پھرتی اور تیزی کے ساتھ کام کاج کے سلسلے میں گھر کے ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں جاتی تھیں۔ انہوں نے دادی کے بلاوے سے کبھی تھکن محسوس نہ کی تھی..... دادی انہیں جہاں کہیں سے بھی پکارتی تھی وہ ان کا بلاوا سن کر فوراً ان کے پاس پہنچ جاتی تھیں اور سمجھ جاتی تھیں کہ دادی نے اڑتی اڑتی کوئی بات سنی ہے اور دادی وہ بات ان کے کانوں تک پہنچانا چاہتی ہے..... میں ان کے پیچھے چھپا ہوتا تھا اور وہ اس وقت شاذ و نادر ہی میری موجودگی کی خبر لیتی تھیں جب محلے میں رونما ہونے والے واقعات پر تبصرہ کر رہی ہوتی تھیں جو کبھی کبھار احمقانہ قسم کے ہوتے تھے۔

ایک صبح دادی نے اماں کو فوری طور پر بلایا اور حسب معمول میں اماں کے پیچھے پیچھے بھاگ رہا تھا اور انہیں اس کی کوئی خبر نہ تھی..... دادی غیر معمولی طور پر سنجیدہ تھیں اور وہ سرگوشی کے موڈ میں دکھائی نہ دیتی تھیں..... میں نے دیکھا کہ وہ پر ملال اور بے چین تھیں۔

وہ با آواز بلند اماں سے کہہ رہی تھیں:.....

"فی الفور جاؤ..... لاشیں وہاں زیادہ دیر تک نہیں موجود رہ سکتیں..... یہ پولیس کیس ہے اور پولیس نے تفتیش شروع کر دی ہے..... تم جانتی ہو، بیچارے والدین..... اللہ انہیں طاقت عطا فرمائے ..... جلد واپس آ جانا۔"

پشاور میں مکانات اس انداز سے تعمیر کیے گئے تھے کہ ان کے ٹیرس آپس میں باہم منسلک تھے..... اگر خواتین ہمسایوں سے ملاقات کرنے کی متمنی ہوتی تھیں..... انہیں محض ایک یا دو ٹیرس عبور کرنے پڑتے تھے۔ عمارات اس طور پر ڈیزائن کی گئی تھیں کہ وہ خواتین جو ان دنوں پردہ کرتی تھیں انہیں اپنے اپنے گھروں سے باہر نکلے بغیر اور گلیاں عبور کیے بغیر نقل و حرکت کی سہولت تھی وہ جس گھر میں جانا چاہتی تھیں جا سکتی تھیں۔

فوری طور پر..... اماں نے ہمارے گھر اور ایک دوسرے گھر کا منسلک کرنے والا راستہ عبور کیا ..... انہیں خبر نہ تھی کہ میں خاموشی کے ساتھ ان کا پیچھا کر رہا تھا..... وہ مطلوبہ مکان تک جا پہنچیں جہاں پر خاموشی طاری تھی..... وہ ایک خاتون کے پاس کھڑی ہو گئیں جو رو رہی تھی اور اسے اپنے نرم اور مہربان الفاظ کے ساتھ تسلی دینے کی ناکام کوشش کی..... اس کے بعد..... وہ اس کمرے میں داخل ہوئیں جہاں پر تین لاشیں ایک قطار میں پڑی تھیں اور انہیں سفید کپڑے کے ساتھ ڈھانپ دیا گیا تھا اور اطراف سے خون بہہ رہا تھا..... کپڑے پر داغ لگانے کے بعد فرش پر ایک سرخ ربن کی مانند بہہ رہا تھا..... تعفن اور بدبو قابل برداشت تھی..... اماں نے اپنے ہاتھ سے اپنے ناک کو ڈھانپ رکھا تھا..... اگرچہ وہ پردہ میں تھیں لیکن میں آنسوؤں سے لبریز اِن کی آنکھیں دیکھ سکتا تھا.....

اماں کے علم میں یہ بات ہرگز نہ تھی کہ میں ان کا پیچھا کرتے ہوئے اس گھر تک چلا آیا تھا اور اس کمرے تک بھی جا پہنچا تھا جہاں پر ہنوز لاشیں پڑی ہوئی تھیں تفتیشی افسران آپس میں پشتو میں باتیں کرتے ہوئے اندر اور باہر آ اور جا رہے تھے اور ان میں سے ایک کے پاس رائٹنگ بورڈ بھی تھا اور وہ اس پر وہ سب احوال درج کر رہا تھا جو اس کے افسران اسے درج کرنے کا حکم دیتے تھے..... صاف ظاہر تھا کہ وہ اپنی تفتیش میں اس قدر محو تھے کہ انہوں نے اماں کی کوئی خبر نہ لی۔

اچانک..... ایک انگریز نے دھکیل کر دونوں دروازے کھولے اور اپنے بے تحاشہ شور مچائے

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

ہوئے بوٹوں کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا۔ اس دوران وہ مقامی پولیس افسران کے ساتھ باآواز بلند گفت وشنید بھی کرتا چلا جارہا تھا.....

بالخصوص وہ انداز جس سے وہ چلتے پھرتے تھے..... باتیں کرتے تھے اور لاشیں دیکھ کر مضحکہ خیز شکلیں بناتے تھے..... میں نے اماں کی غیر حاضری محسوس نہ کی اور مجھے خبر ہی نہ ہوئی کہ وہ کب کمرے سے رخصت ہوگئی تھیں.....

انگریز افسر کمرے سے باہر نکل گیا اور مقامی پولیس کے لوگ بھی اس کے پیچھے پیچھے کمرے سے باہر نکل گئے اور اچانک دروازہ بند کردیا گیا اور میں کمرے میں تنہا رہ گیا..... میں ایک میز کے پیچھے کھڑا تھا جو لاشوں سے زیادہ دور نہ تھی.....

میں خوف اور دہشت کے عالم میں تھا اور میرے ذہن میں یہ سوچیں سما رہی تھیں کہ ایسی صورت میں میرا کیا بنے گا اگر مجھے رات اس کمرے میں گزارنی پڑے گی اگر کسی کے علم میں یہ بات نہ آئی کہ میں کمرے کے اندر بند تھا..... میں نے اپنے آپ کو یہ دلیل پیش کی اگر کسی اور کو میری گمشدگی کی خبر نہ بھی ہوئی..... یقیناً دادا اور دادی میری گمشدگی کو اس وقت ضرور محسوس کریں گے جب سب لوگ شام کی چائے نوش کرنے کے لئے رہائشی کمرے میں اکٹھے ہوں گے۔

روزانہ رہائشی کمرے میں شام کی چائے نوش کرنا ایک معمول بن چکا تھا..... اور جیسے ہی شام گزرتی..... میں دادا کی پشت پر سواری کرنے کا اپنا موقع کبھی ضائع نہ ہونے دیتا تھا..... دادا گھوڑا بنتے تھے اور میں ان پر سواری کرتا تھا..... اپنے پوتوں اور پوتیوں کو تفریح مہیا کرنے کا یہ ان کا اپنا مخصوص طریقہ تھا اور چونکہ میں ان کا دل پسند اور محبوب پوتا تھا..... اس لئے میں ایک طویل سواری کرتا تھا اور اپنے دونوں ہاتھوں سے ان کی داڑھی بھی تھام لیا کرتا تھا اور وہ بالکل بھی برا نہ مناتے تھے.....

یہ مجھے آرام وسکون پہنچانے والی سوچ تھی (میری گمشدگی کے حوالے سے) لیکن اس کے ساتھ ہی میرے ذہن میں ایک اور سوچ ابھری..... میں نے سوچا ہوسکتا ہے چائے کے اجتماع کے موقع پر دادا گھر میں موجود نہ ہوں اور دادی بھی کسی نہ کسی وجہ سے کمرے میں موجود نہ ہو..... تب میری کمی کو کون محسوس کرے گا؟ یقیناً اماں نہیں..... کیونکہ وہ کچن میں چائے اور لوازمات بنانے میں بے حد مصروف ہوں گی.....

میرا ذہن جس قدر زیادہ کام کررہا تھا..... میں اسی قدر زیادہ خوفزدہ ہورہا تھا..... اور اگرچہ کمرہ اس قدر سرد نہ تھا..... میں نے اپنے آپ کو خفیف سا کانپتا ہوا محسوس کیا..... کمرے کی کھڑکی کھلی تھی اور ہوا غیر متوقع طور پر ایک مقتول کے منہ سے سفید کپڑا ہٹا رہی تھی..... ایک لمحے کے لئے میں نے محسوس کیا کہ اس کے پپوٹوں نے حرکت کی تھی اور میری چیخ نکل جاتی اگر میرا گلا خشک نہ ہوگیا ہوتا اور میری آواز بھی گلا خشک ہونے کی بنا پر متاثر نہ ہوئی ہوتی.....

واحد کام جو میں کرسکتا تھا وہ دعا مانگنا تھا اور اس قدر دعا مانگنا جس قدر میں مانگ سکتا تھا.....

عین اس لمحے دروازہ کسی قدر شدت کے ساتھ کھلا اور وہی انگریز افسر کمرے میں داخل ہوا..... اب اس کی نظر مجھ پر پڑی..... اس نے مجھے گھورا اور مابعد چلایا:.....

''یہ لڑکا کون ہے؟ یہ یہاں کیا کررہا ہے؟''

اب میں خوف سے کانپ رہا تھا..... دو سپاہی میرے پاس آئے اور مجھے اٹھا کر باہر لے گئے..... باہر ہنوز روشنی تھی اور میں نے سکون محسوس کیا..... برآمدے میں کچھ لوگ کھڑے تھے انہوں نے مجھے

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

پہچان لیا کہ میں سرور خان کا بیٹا ہوں..... افسر نے مجھ سے پوچھا.....

''میرے بیٹے تم اندر کیسے داخل ہوئے؟''

اب میں کمرے سے باہر تھا اور آزادانہ طور پر تازہ ہوا میں سانس لے رہا تھا اور میری آواز بھی بحال ہو چکی تھی اور میں نے پولیس کے لوگوں کو بتایا کہ میں کیسے اماں کا پیچھا کرتے ہوئے یہاں تک پہنچا اور حادثاتی طور پر کمرے کے اندر بند ہو گیا..... وہاں پر مزید سویلین لوگ موجود تھے جنہوں نے مجھے پہچان لیا اور انگریز افسر بھی میری وضاحت سے مطمئن ہو چکا تھا لہٰذا اس نے مجھے جانے کی اجازت دے دی..... میں اس قدر تیزی کے ساتھ وہاں سے نکلا جس قدر تیزی کے ساتھ نکلنا میرے لئے ممکن تھا.....

گھر پر خاندان کے چائے کے اجتماع کے لئے میز سجائی جا رہی تھی..... سب سے پہلے میری دادی نے مجھے دیکھا اور انہوں نے میرے چہرے کے تاثرات اور اس حقیقت سے اندازہ لگایا کہ میں نے نہ ہی غسل کیا تھا اور نہ ہی ٹی ٹائم کے لئے لباس تبدیل کیا تھا اور یہ کہ میں کافی دیر سے گھر سے باہر رہا تھا..... انہیں یہ جاننے کا تجسس تھا کہ میں تمام تر دوپہر کے دوران کیا کرتا رہا تھا..... میں سچ بولنے سے گریز کر رہا تھا لیکن دادی کو جل نہیں دیا جا سکتا تھا..... وہ گھر میں رونما ہونے والے غیر معمولی واقعہ کی تہہ تک جانے کی اہلیت رکھتی تھیں..... جب انہوں نے وہ کچھ سنا جس کے تجربے سے میں دوچار ہوا تھا انہوں نے فوراً اماں کو بلا لیا اور میرا دھیان نہ رکھنے کی پاداش میں انہیں کوسنے لگیں..... خوش قسمتی سے آغا جی آن پہنچے اور ان کی آمد پر معاملہ رفع دفع ہو گیا.....

چائے پر..... بات چیت ان بھائیوں کی بابت تھی جو اپنے حریف خاندان کے لوگوں کے ساتھ جا ٹکرائے تھے اور نوبت قتل و غارت تک جا پہنچی تھی..... حریف خاندانوں کے لئے ایک دوسرے کا خون بہانا کوئی غیر معمولی بات نہ تھی لیکن خون بہانے کا یہ سلسلہ ایک یا دو لوگوں کو قتل کرنے کے بعد اپنے اختتام کو نہیں جا پہنچتا تھا..... ایک عام پٹھان خاندان کم از کم ایک درجن بچوں پر مشتمل ہوتا تھا اور یہ کوئی بڑا نقصان تصور نہ کیا جاتا تھا اگر ایک یا دو بیٹے اس قسم کے مقابلے میں مر جاتے تھے..... والدین یہ سوچ کر اپنے آپ کو تسلی دے لیتے تھے کہ ان کے مزید بیٹے موجود ہیں جو بدلہ لیں گے اور یہی وجہ تھی کہ مسلمان پٹھان خاندان میں دو برس کے وقفے کے بعد اولاد پیدا کرنے کا رواج عام تھا۔

اکثر اوقات جب خاندان چائے کی میز پر اکٹھا ہوتا تھا..... یہ ایک خوشگوار اجتماع ہوتا تھا خواتین کو باہم اکٹھا بیٹھنے کا موقع ملتا تھا اور وہ آپس میں بے معنی باتیں کرتی رہتی تھیں اور لطف اندوز ہوتی تھیں جب کہ مرد حضرات سنجیدہ گفتگو میں مصروف رہتے تھے..... دادی صدارت سرانجام دیتی تھیں اور وہ اپنے ملکہ جیسے مقام سے بخوبی لطف اندوز ہوتی تھیں اور یہ ایک حقیقت تھی کہ ان کی بیٹیاں ماسوائے پھوپھی باب جان اور ان کے بیٹے ان سے سوال کرنے کی جرأت نہ کرتے تھے یا ان کی اس وقت مخالفت کرنے کی جرأت نہ کرتے تھے جب وہ گھریلو امور پر بات کرتی تھیں یا کوئی بھی کام جس کا تعلق خاندان سے ہوتا تھا..... مجھے یہ دیکھ کر دکھ اور تکلیف ہوتی تھی کہ اماں چائے کی میز پر موجود نہ ہوتی تھی بلکہ کچن میں مصروف ہوتی تھی اور مٹی کے چولہے پر چائے بنا کر چائے دانیوں میں بھرنے میں مصروف رہتی تھیں اور چولہے کی آگ اور دھوئیں کے باعث کبھی کبھار ان کی حالت ایسی ہو جاتی تھی کہ ان کے لئے سانس لینا بھی دوبھر ہو جاتا تھا.....

©جملہ حقوق بحق ادارہ اُردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

اگر چہ ان کے کھانوں کی مسلسل تعریف کی جاتی تھی اور ان کے ذائقہ دار ہونے کا بھی بخوبی پرچار کیا جاتا تھا..... اور ان کے ہاتھ کے بنائے گئے چائے کے ساتھ پیش کئے جانے والے لوازمات اور ہلکے پھلکے کھانوں کی بھی دل کھول کر تعریف کی جاتی تھی لیکن ان کی نندوں اور ساس کو کبھی یہ توفیق نہ ہوتی تھی کہ وہ کچن کے کام میں ان کا ہاتھ بٹا سکیں..... ہاں البتہ کبھی کبھار پھوپھی باب جان کچن کے کاموں میں ان کا ہاتھ بٹا دیتی تھیں۔

مجھے اپنے بچپن کے برسوں میں اماں سے متعلق جو کچھ یاد ہے وہ گھر میں ان کی بے پناہ مصروفیت تھی..... ایسا نہیں تھا کہ ان کی مدد کے لئے گھر میں ملازمین موجود نہ ہوتے تھے لیکن اماں اپنے آپ کو تفویض کردہ کام اپنے ہاتھوں سے اور اپنے انداز سے کرنے کی عادی تھیں..... جو کوئی بھی ان سے یہ پوچھتا تھا کہ آپ کام نوکروں کے رحم و کرم پر کیوں نہیں چھوڑ سکتیں وہ ہمیشہ ایسے لوگوں کو یہ بتاتی تھی کہ وہ جو کچھ بھی کر رہی تھیں وہ اسے کرنا پسند کرتی تھیں اور یہ کہ دادی نے انہیں ذمہ داری سونپ رکھی تھی اور یہ ان کے لئے مقام فخر تھا..... وہ ہر وقت مطمئن اور پرسکون اور آسودہ رہتی تھیں اور اس نے آغا جی کے لئے زندگی آسان بنا دی تھی کیونکہ انہیں کبھی بھی اپنی نوجوان بیوی کی شکایات نہیں سننی پڑتی تھیں اور نہ ہی انہیں ان مسائل کا سامنا کرنا پڑتا تھا جو اکثر ایسے مشترکہ خاندانوں میں سر اٹھاتے ہیں جو لاتعداد اراکین کے حامل ہوتے ہیں۔

اماں کا تعلق نواب خاندان سے تھا..... ان کے والدین اور بہنیں جب ہماری ملاقات کے لئے آتے تھے تب انہوں نے عمدہ ملبوسات زیب تن کئے ہوتے تھے اور بخوبی سجے سوزے ہوتے تھے ..... وہ گھوڑا گاڑیوں میں سوار ہو کر آتے تھے اور ان کے ہمراہ ایک یا دو ملازمین بھی ہوتے تھے جو ریشمی کپڑے کے بیگ یا مٹھائیاں یا وہ جو کچھ بھی نیک خواہشات کے اظہار کے لئے اپنے ہمراہ لاتے تھے اٹھائے ہوئے ہوتے تھے..... وہ جانتے تھے کہ ہمارے گھر میں مچھلی اور خشک میوہ جات کی کوئی کمی نہ تھی ..... لہٰذا وہ تازہ بنائی گئی مٹھائیاں اور نمکین ہمارے لئے لاتے تھے.....

اماں ان کے ساتھ بیٹھ کر گپ شپ لگاتی تھیں..... بالخصوص ان کی بہنیں بے حد خوبصورت اور نازک اندام تھیں جب کہ آغا جی کی بہنیں چوڑے کندھوں کی حامل اور مضبوط اور دبنگ تھیں.....

جب اماں نے ہمارے گھر کے کام کاج سے وقفہ لیا (غالباً محض ایک مرتبہ) تا کہ وہ کچھ وقت اپنے والدین کے ساتھ گزار سکیں..... یہ وقفہ ان کی ایک بہن کی شادی کی تقریب میں شمولیت کے لئے لیا گیا تھا..... مجھے ان کے ساتھ ان کے میکے جانے کے بارے میں علم نہ تھا حتیٰ کہ میں اسکول سے واپس آیا اور میں نے سنا دادی آغا جی کو بتا رہی تھیں کہ انہیں اور اماں کو میری فاضل دیکھ بھال اور نگہداشت کرنی چاہیے اور مجھے دیگر بچوں کے ساتھ باہر نہیں جانے دینا چاہیے..... انہوں نے انہیں فقیر کے الفاظ کی یاد دہانی کروائی..... اس میں کوئی شک نہیں کہ میں اس موقع سے خوش تھا جو مجھے اماں اور آغا جی کے ساتھ ایک مختصر سفر طے کرنے کے حوالے سے میسر آ رہا تھا لیکن اس سوچ نے مجھے پر ملال کر دیا کہ میں مجمع میں اس حالت میں پایا جاؤں گا کہ میری پیشانی سوت کے ساتھ ڈھکی ہوئی ہوگی.....

یہ پھوپھی باب جان تھیں جو میری مدد کو آن پہنچیں اور اماں کو مشورہ دیا کہ کم از کم اس وقت تک وہ میری تذلیل سے باز رہیں جب تک میں ان کے والدین کی سلطنت میں موجود تھا۔

میں نے ایک حیران کن وقت گزارا کیونکہ یہاں پر میری زیادہ روک ٹوک نہ ہو رہی تھی اور گھر ان خواتین سے بھرا پڑا تھا جو شادی کی تقریب میں شرکت کے لئے آئی تھیں اور اس کے علاوہ گھر کی

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

بہو بیٹیاں بھی موجود تھیں..... یہ اس آمریت سے بالکل مختلف ماحول تھا جس سے میں اس گھر میں آشنا تھا جس گھر میں سے آیا تھا..... میری نانی اور نانا بہت اچھے تھے..... اور پہلی مرتبہ..... میں دیکھ رہا تھا کہ اماں کی خوب آؤ بھگت کی جارہی تھی اور انہیں کھانوں کے اوقات کے دوران کھانے کی میز پر ان کا جائزہ مقام دیا گیا تھا..... مجھے اماں کو ہنستے مسکراتے اور شادی کے ہنگاموں میں حصہ لیتے ہوئے دیکھ کر بے حد خوشی ہورہی تھی اور یہ ہنگامے رات گئے تک جاری رہتے تھے حتیٰ کہ ہم ریشم سے تیار کردہ گدے کے حامل بستروں پر سونے کے لئے دراز ہوجاتے تھے

میری کس قدر خواہش تھی کہ اماں گھر میں ایسی ہی بے فکری کی زندگی گزاریں..... جوں ہی شادی کے ہنگامے ختم ہوئے توں ہی وہ اپنے گھر واپس لوٹ آئیں..... میں بھی اپنے ماتھے پر سیاہ پٹیاں یا لکیریں سجائے گھر لوٹ آیا تا کہ دادی خوش ہوسکے اور انہیں سکون میسر آجائے کہ ان کے احکامات کی تکمیل کی گئی تھی..... اماں نے بڑبڑائے بغیر یا خفیف سی بھی ناراضگی یا غصے کا اظہار کئے بغیر کچن کے امور سنبھال لئے تھے۔

میں دوبارہ اسکول جانے لگا اور نہ ہی آغا جی اور نہ ہی اماں نے محسوس کیا کہ میں نالائقی اور تنہائی کے گہرے شعور سے لبریز تھا..... میں گھر واپس جانے کے انتظار میں مصروف رہتا تھا جہاں میں اماں کی مہربان اور آرام دہ موجودگی میں پناہ اور سلامتی محسوس کرتا تھا..... میں یہ محسوس کرتا تھا کہ دادی نے فقیر کی بات پر جو اندھا دھند یقین کیا تھا اس میں ایک رحمانی مقصد کارفرما تھا اور انہوں نے میرے چہرے کو بگاڑ کر بدصورت بنایا تھا جس کی وجہ سے اسکول میں مجھے ناخوشگوار باتیں سننا پڑتی تھیں..... یہ وہ دکھ درد اور تکلیف تھی جو میں نے برداشت کی تھی اور میں اسکول میں تنہا رہ گیا تھا وہی اس وقت میرے تحت الشعور سے ابھری جب میں اپنے کیریئر کے آغاز میں المیہ کردار کررہا تھا اور مجھے ان کرداروں کی گہری ذہنی اذیت کا تاثر پیش کرنا تھا.....

انسانی ذہن..... میں سمجھ چکا ہوں..... تجربات کو ذخیرہ کرنے کی شاندار اہلیت کا حامل ہے اور جب ایک موقع مطالبہ کرتا ہے تب ان ذخیرہ کردہ تجربات کے ساتھ تصور کو زرخیز بنانے کی شاندار اہلیت کا بھی حامل ہے..... جب میں سنِ بلوغت کو جا پہنچا..... میں نے رضا کارنہ طور پر اپنے ذہن کو ان سوچوں اور تجربات کے لئے کھلا رکھا جن کی بابت میں تصور کرتا تھا کہ انہیں مابعد دن کے لئے اپنے ذہن میں محفوظ رکھا جائے..... میں نے شٹر نیچے کھینچنے کا عمل بھی سیکھا جب میں ایسی سوچیں اور تجربات شامل کرنا نہ چاہتا تھا جو ذہن پر محض بوجھ بننے والے ہوتے ہیں اور کبھی کسی مقصد کی تکمیل نہیں کرتے..... یہ ایک ایسا عمل ہے جو محض اس وقت سرانجام دیا جاسکتا ہے جب کسی کا ذہن زیور تعلیم سے آراستہ ہوکر پختہ کار بن چکا ہوتا ہے اور وہ اسکول کی زندگی سے سیکھ چکا ہوتا ہے..... لیکن بطور ایک بچہ..... تاہم..... میں تجربات کی بابت کچھ نہ کرسکا تھا خواہ وہ اچھے تھے یا برے تھے..... وہ محض میرے تحت الشعور میں ہی پنہاں رہے تھے۔

©جملہ حقوق بحق ادارہ اُردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

باب نمبر 3

احمقانہ آوارگیاں اور مہمات

(ESCADES AND ADVENTURES)

''مجھے کسی قدر شبہ ہے کہ میرے داستان گوئی کے شعور کو بچپن کے دوران اس وقت پذیرائی حاصل ہوئی تھی جب کہ میں پشاور میں اپنے بچپن کے ایام گزار رہا تھا۔

ہر شام میں آغا جی کی انگلی تھام کر چلتے ہوئے اسکوائر کی جانب جاتا تھا اور کسی نہ کسی مولانا کا بیان سنتا تھا۔

میں بیان سے لطف اندوز ہوتا تھا اور میرا زرخیز تصور کرداروں اور صورت احوال کو اس طور میرے ذہن میں نقش کر دیتا تھا کہ میں گھر جا کر مولانا کی بولی ہوئی لائنوں کے ساتھ کرداروں کی اداکاری کرنے کی کوشش کرتا تھا.... کون یہ پیشین گوئی کر سکتا تھا کہ کئی برس بعد میں داستان گوئی کی مشقوں میں مصروف ہوں گا ایک ایسے ذریعے کے لئے جو سینما کہلاتا ہے!''

میں ایک غیر معمولی حد تک محنتی اور سرگرم بچہ نہ تھا لیکن میں متجسس اور مشاہدہ سرانجام دینے والا بچہ ضرور تھا..... کیونکہ میں اپنے آپ میں گم رہنے والا بچہ تھا لہٰذا میں تنہا رہنا ہی پسند کرتا تھا..... میں اپنی ہی تدابیر سوچتا رہتا تھا..... میں اپنے کزنوں اور دیگر بچوں سے دور ہی رہتا تھا..... اور ان کے ساتھ فضول گپ شپ اور بحث مباحثے میں الجھنا پسند نہیں کرتا تھا..... مجھے یاد ہے میں دادا سے پوچھا کرتا تھا کہ ہمارے گھر کے قریب واقع ندی کیوں بہتی رہتی تھی اور اس کا بہاؤ بند کیوں نہیں ہوتا تھا اور اس کا تمام تر پانی کہاں سے آتا تھا اور یہ کہاں پر چلا جاتا تھا..... وہ میری بات سن کر ہنسا کرتے تھے اور مجھے اپنے چوڑے چکلے شانوں پر اٹھا کر ندی پر لے جایا کرتے تھے اور وہاں کھڑے ہو کر پانی کو گھورتے رہتے تھے ..... میں جواب کا انتظار کرتا رہتا جو کبھی موصول نہ ہوا تھا..... میں نے محسوس کیا تھا کہ ان کے پاس میرے لئے جواب نہ تھا..... میں نے انہیں ایک مرتبہ آغا جی کو کہتے ہوئے سنا تھا کہ میں ان سے ایسے سوالات پوچھتا تھا جن کا جواب دینا ان کے لئے مشکل ہوتا تھا اور یہ ان کہ ان کی خواہش تھی کہ کاش وہ میرے سوالات کا جواب دے سکتے..... وہ آغا جی کے ساتھ یہ تذکرہ کرتے تھے کہ میں خاندان کے دیگر لڑکوں کی مانند نہ تھا جو کبھی حیران نہ ہوئے تھے یا جنہوں نے کبھی مشکل سوالات نہ پوچھے تھے۔

مجھے موسم گرما کی گرم دوپہروں کو کھلی جگہوں پر گھومنے پھرنے میں بے حد خوشی محسوس ہوتی تھی اور میں اپنی اس خوشی کی تکمیل اس وقت کیا کرتا تھا جب دادی دوپہر کا کھانا تناول کرنے کے بعد اپنے کمرے میں آرام کر رہی ہوتی تھی..... ان دنوں بجلی کے پنکھے میسر نہیں ہوتے تھے اور محض ہاتھ سے جھلنے والے پنکھے دستیاب ہوا کرتے تھے..... خاندان کے تمام بچوں کو دوپہر کے وقت سلا دیا جاتا تھا اور دوپہر کے وقت باہر نکل کر ویران گلیوں میں گھومنے پھرنے اور آوارہ گردی کرنے کو معیوب تصور کیا جاتا تھا اور اس کی اجازت فراہم نہ کی جاتی تھی..... میں ہمیشہ یہ اداکاری کرتا تھا کہ میں سو رہا ہوں اور جب میں یہ محسوس کرتا تھا کہ کمرے میں دیگر نفوس گہری نیند سو رہے ہیں..... میں چپکے سے گلیوں میں نکل جایا کرتا تھا۔

گلیاں تنگ ہوتی تھیں اور کچھ گلیوں پر گول پتھروں کا فرش ہوتا تھا..... میں ان گلیوں میں سے گزرتا ہوا اور انہیں عبور کرتا ہوا کھلی جگہوں پر جا پہنچتا تھا جہاں بیریوں کے درخت ہوتے تھے جنہیں کوئی

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

نہیں کھاتا تھا..... ہمیں ہمیشہ یہی بتایا جاتا تھا کہ بیریاں اچھی نہیں ہوتیں اور انہیں پرندوں اور کیڑے مکوڑوں کے لئے چھوڑ دینا چاہیے تاکہ وہ انہیں اپنی خوراک بنا سکیں اور ان سے اپنا پیٹ بھر سکیں..... میرے اندر تجسس نے سر ابھارا اور ایک مرتبہ میں ان درختوں میں سے ایک درخت پر چڑھ گیا اور بیریاں توڑنا شروع کر دیں..... میں انہیں توڑ توڑ کر اپنے کرتے کی جیب میں بھرنے لگا جب کہ میں نے لوگوں کی آوازیں سنیں اور ان میں سے ایک دوسرے کا پیچھا کر رہا تھا..... میں نے اسے پہچان لیا جو پیچھا کر رہا تھا جب کہ میں اپنا سانس روک کر درخت کی اسی شاخ پر بیٹھا رہا جس پر میں چڑھا ہوا تھا..... جس شخص کو میں نے پہچانا تھا اس کا نام غنی تھا اور وہ اس باغ کا رکھوالا تھا جو میرے خاندان کی ملکیت تھا..... وہ ناقابل یقین حد تک اونچا لمبا اور جسمانی قوت کا مالک تھا..... ان کی آپس کی بات چیت بحث مباحثے اور تکرار سے ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے غنی نے اس شخص کو ہمارے ان گوداموں کے قریب سے مشکوک حالت میں پکڑا تھا جن میں ہمارے خشک میوہ جات ذخیرہ کئے جاتے تھے۔

میں خائف تھا کہ اگر غنی کی نظر اوپر درخت کی جانب اٹھتی ہے اور وہ مجھے دیکھ لیتا ہے تب وہ آغا جی سے میری احمقانہ آوارگی کی شکایت کر دے گا..... خوش قسمتی سے وہ دونوں باہمی رضامندی سے ایک دوسرے سے جدا ہو گئے کیونکہ اس شخص نے غنی سے معافی مانگ لی تھی..... میں نے سکون کی سانس لی اور جان بچی سو لاکھوں پائے کے مصداق واپس گھر کی راہ لی اور میں خوش تھا کہ خوش قسمتی سے میری بچت ہو گئی تھی..... اگر قسمت یاوری نہ کرتی تو میرے حق میں بہت برا ہونا تھا۔

میرے کزن اور میں بذات خود غنی سے ڈرتے تھے..... اکثر اوقات جب میری اس کے ساتھ باغ میں ملاقات ہوتی تھی..... وہ میرے ساتھ دوستانہ برتاؤ کرتا تھا..... وہ مجھے اپنے ایک کندھے پر سوار کرنا پسند کرتا تھا جبکہ اس کے دوسرے کندھے پر تازہ تازہ توڑے گئے باداموں اور انگوروں کی ٹوکریاں ہوتی تھیں..... دادی انگوروں کو قصہ خوانی مارکیٹ اسٹور میں بھیجا کرتی تھیں تاکہ ان کو غریب غرباء اور ضرورت مند لوگوں میں تقسیم کر دیا جائے جو کھانے پینے کی اشیاء کی طلب میں وہاں آتے تھے..... وہ لوگ روٹیوں اور نانوں میں انگور لپیٹ کر کھاتے تھے..... ان کا کھانے کا یہ انداز انتہائی دلچسپ ہوتا تھا..... اس طرح غریب بھوکے لوگوں کو ایک غذائیت بخش خوراک کھانے میں میسر آتی تھی۔

غنی بڑی سہولت اور آسانی کے ساتھ مجھے گھر پہنچایا کرتا تھا اور مجھے اور پھلوں کی ٹوکری کو بحفاظت گھر کے دروازے پر اتار دیتا تھا..... دادی اس پر مہربان تھی اور وہ اکثر اسے کچھ نہ کچھ رقم دینے کے علاوہ کھانا وغیرہ بھی کھلاتی رہتی تھیں.....

اس کی بابت خوفزدہ کرنے والی چیز اس کا کثرتی اور عظیم الجثہ جسم اور ظاہری شکل وصورت نہ تھی بلکہ اس کی وہ ذہنی حالت جس کا وہ شکار رہتا تھا..... وہ پورے چاند کی راتوں کو بے خودی اور وجد کے عالم میں بھیڑیے کی مانند آواز نکالنے لگتا تھا جب کہ وہ پوری ذمہ داری اور فرض شناسی کے ساتھ باغ کی رکھوالی کر رہا ہوتا تھا..... اسے کوئی خاموش نہیں کروا سکتا تھا اور اسے زنجیروں میں جکڑ کر ساری رات کے لئے کمرے میں بند کر دیا جاتا تھا..... اور اس کی جگہ کوئی دوسرا ملازم باغ کی رکھوالی کرتا تھا..... کبھی کبھار وہ صبح تک بالکل ٹھیک ٹھاک ہو جایا کرتا تھا اور اس طرح اپنا کام سنبھال لیتا تھا جیسے اسے کچھ ہوا ہی نہ تھا اور کبھی کبھار اسے دو دنوں تک باندھ کر رکھنا پڑتا تھا..... چونکہ ایسے مواقع پر وہ پرتشدد بن جاتا تھا لہٰذا اس دوران کوئی اس کے نزدیک بھی نہ جاتا تھا.....

غنی کے ساتھ ہر کوئی ہمدردی کرتا تھا اور اس کی حالت کی بابت کئی تاویلیں کی جاتی تھیں اور

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

کئی جواز پیش کئے جاتے تھے..... کچھ لوگ کہتے تھے کہ پورے چاند کی راتوں کو وہ کسی طرح کے زیر اثر ہوتا تھا اور اس کا روحانی علاج ممکن تھا جب کہ کچھ لوگ یہ کہتے تھے کہ وہ پاگل تھا اور اسے پاگل پن کے دورے پڑتے تھے اور اسے علاج معالجے کی ضرورت تھی ..... یہ جو کچھ بھی تھا لیکن کسی نہ کسی نے بھی پورے چاند کی راتوں کو اسے اس قسم کی عجیب وغریب رویے سے نجات دلانے کی کوشش نہ کی تھی اور یہ سلسلہ اسی طرح ہی چلتا رہا حتیٰ کہ وہ سخت بیمار ہوا اور اچانک اسی بستر پر موت سے ہمکنار ہو گیا جس بستر پر اسے زنجیروں میں جکڑا گیا تھا.....

اس کے مرنے کے بعد باغ کے اردگرد بسنے والے لوگوں کا کہنا تھا کہ انہوں نے اسے رات کو ایک سایے کی مانند حرکت کرتے ہوئے دیکھا تھا..... بالخصوص پورے چاند کی راتوں کو۔

اگر چہ یہ ایک فضول اور بے معنی بات تھی لیکن یہ ایک خائف کرنے والی بات بھی تھی.....

میں ان کہانیوں اور داستانوں سے خائف نہ ہوا تھا کیونکہ میری آوارہ گردی راتوں کو نہیں بلکہ دوپہروں کو جاری وساری رہتی تھی اور اب مجھے پکڑنے کے لئے غنی موجود نہ تھا..... اور میں میدانوں کی تحقیق وتفتیش کرنے کے لئے آزاد تھا اور بلاخوف وخطر اپنی کارروائی جاری رکھ سکتا تھا.....

ایک دوپہر میں گھر سے باہر نکلا میرا پہلا پڑاؤ گودام پر تھا جہاں سے میں نے مٹھی بھر بادام اور پستے پر اپنا ہاتھ صاف کیا اور ان دونوں اشیاء کو اپنی جیبوں میں بھر لیا..... میں نے بمشکل ہی اپنا ہاتھ جیب سے باہر نکالا تھا جبکہ میں نے ایک توپ گاڑی گودام کی جانب بڑھتی دیکھی..... میں نے فی الفور شٹر نیچے گرا دیا اور پیٹ کے بل زمین پر لیٹ گیا اور گاڑی کو شٹر کی درز میں سے دیکھنے لگا..... میں گودام کے اندر تھا اور کارروائی باہر جاری تھی..... گودام کے انتہائی قریب..... اور میں پریشان اور حواس باختہ ہو گیا..... گاڑی سے گولیوں کی بوچھاڑ آرہی تھی اور میں نے کچھ قبائلی ان گولیوں کا شکار بنتے ہوئے دیکھے.....

توپ گاڑی میں سوار لوگ انگریزی سپاہی تھے اور وہ قبائلیوں پر چیخ چلا رہے تھے اور دیگر قبائلیوں کو چیلنج کر رہے تھے..... جو گودام کے قریب چھپے ہوئے تھے..... وہ انہیں باہر نکلنے کے لئے کہہ رہے تھے..... جو گودام کے قریب چھپے ہوئے تھے..... ان کی بندوقوں کا رخ گودام کی طرف تھا اور وہاں پر میں ایک اور نازک صورت حال کا شکار تھا..... تھوڑی دیر بعد..... وہ لوگ پہاڑیوں سے قبائلیوں کے برآمد ہونے کا انتظار کرتے کرتے تھک گئے اور انہوں نے واپسی کے لئے توپ گاڑی کو موڑ دیا..... اب مجھے یہ خدشہ لاحق تھا اور یہ خوف پریشان کر رہا تھا کہ میں ان قبائلیوں کا سامنا کیسے کروں گا اگر وہ حقیقت میں وہاں چھپے ہوئے تھے اور اگر انہوں نے مجھے دیکھ لیا..... میں اس قدر سمجھ دار تھا کہ بخوبی جانتا تھا کہ پہاڑی قبیلے خطرناک قسم کے قبائل تھے اور وہ قانون کے باغی تھے اور جو لوٹ مار کرنے کے لئے آئے تھے۔

©جملہ حقوق بحق ادارہ اُردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

باہر دن کی روشنی زائل ہو رہی تھی اور مجھے گھر واپس جانا تھا..... اگرچہ میری عمر چھوٹی تھی لیکن میرا جذبہ جوان تھا اور اسی جذبے کے تحت میں نے خطرہ مول لینے کا فیصلہ کیا.....

میں نے فی الفور شٹر اٹھایا اور باہر کی جانب دوڑ لگا..... میری رفتار اس قدر تیز تھی کہ گھر کے دروازے پر پہنچ کر میں بذات خود حیران اور پریشان تھا..... میری سانس پھولی ہوئی تھی اور میں تھکن سے چور تھا..... میں بھاگ کر اماں کے بازوؤں میں سما گیا..... وہ اور دادی دعائیں مانگتی رہی تھیں اور مجھے ڈھونڈنے کے لئے کچھ لوگ ایک جماعت کی شکل میں روانہ ہو چکے تھے..... اماں نے مجھے اپنے سینے کے ساتھ لگا لیا اور میں ان کی بربڑاہٹ بخوبی سن سکتا تھا وہ اللہ کا شکر ادا کر رہی تھیں کہ ان کا بیٹا صحیح سلامت گھر واپس آ گیا تھا اور اسے خراش تک بھی نہ آئی تھی.....

گودام کے قریب گولیاں چلنے کی خبر گھر تک پہنچ چکی تھی اور گھر کے اردگرد بھی یہ خبر پھیل چکی تھی جب کہ اماں نے محسوس کیا کہ میں گھر میں موجود نہ تھا.....

میں نے انہیں وہ کچھ بتایا جو کچھ میں شٹر کی درز سے دیکھ چکا تھا..... پہلے پہل آغا جی اور دادا سخت غصے میں تھے جب انہوں نے وہ کچھ سنا جو کچھ میں نے بیان کیا تھا..... لیکن اس حقیقت کی وجہ سے ان کا غصہ رفع ہو گیا کہ میں محفوظ رہا تھا.....

آغا جی اونچے لمبے دراز قد کے حامل تھے..... ان کے کندھے چوڑے تھے اور وہ خوبصورت تھے..... ان کی مونچھیں متاثر کن تھیں..... وہ اور دادا بالوں سے بھرے ہوئے تھے..... آغا جی سیدھے تن کر چلتے تھے اور پٹھان پاجامہ اور کرتا بخوبی پہنتے تھے..... وہ اچھے سوتی کپڑے سے تیار کئے گئے ہوتے تھے اور ماہر درزی ان کی سلائی کرتے تھے..... وہ زیادہ سفید لباس کو پسند کرتے تھے.....

وہ اماں سے بے حد محبت کرتے تھے لیکن وہ اپنی اس محبت کا اظہار اہل خانہ کے سامنے کم ہی کرتے تھے یا کبھی کبھار ہی کرتے تھے..... جب وہ اماں کے لئے کوئی چیز لاتے تھے..... وہ انہیں خاموشی کے ساتھ اپنے کمرے میں پیش کر دیتے تھے جو بالائی منزل پر واقع تھا..... چونکہ میں ہر وقت اماں کے اردگرد منڈلاتا رہتا تھا..... میں ان کے دوپٹے میں جھانک کر دیکھا کرتا تھا کہ وہ انہیں خاموشی کے ساتھ انگلش ٹالکم پاؤڈر تھما دیا کرتے تھے..... اماں اسے اپنی الماری میں رکھ لیا کرتی تھیں اور جلدی سے کمرے سے باہر نکل جاتی تھیں کہ دادی کہیں انہیں کمرے میں اپنے میاں کے ساتھ تنہا نہ دیکھ لیں.....

اماں دبلی پتلی اور نازک اندام تھیں۔ جس وقت میری عمر دو برس تھی..... میرا چھوٹا بھائی ناصر پہنچ چکا تھا اور جس وقت میری عمر 4 برس تھی..... وہ میری بہن تاج کی امید سے تھیں..... چھوٹے بہن بھائیوں کی آمد کی وجہ سے میں نے اماں کا پیچھا نہ چھوڑا تھا اور رات کو جب وہ سو جاتی تھیں تب میں ان کے ساتھ سونے کے لئے اپنی جگہ خود تلاش کر لیتا تھا..... موسم گرما میں ہم ٹیرس پر سوتے تھے اور چٹائیاں بچھا کر سونے کا ہمارا معمول تھا..... چاندنی راتوں میں اماں کے چہرے پر جب چاندنی پڑتی تھی تو اماں کے چہرے کے حسن میں مزید اضافہ ہو جاتا تھا اور ان کا چہرہ چاند کی چاندنی سے منور ہو جاتا تھا..... وہ گہری نیند سے لطف اندوز ہو رہی ہوتی تھیں..... میری غیر شادی شدہ پھوپھیاں بھی وہاں پر ہی سوتی تھیں اور صحت مند پالتو ایرانی بلیاں بھی وہاں موجود ہوتی تھیں..... جنہیں ہم پالتے تھے اور اس کو پالنے کی بڑی وجہ یہ تھی کہ سردیوں کی راتوں میں بستروں کو گرم کرنے کے لئے ان کی ضرورت ہوتی تھی.....

گھر کے بچے سردی کی راتوں سے بے حد لطف اندوز ہوتے تھے..... اہل خانہ بڑے ٹیرس پر باہم اکٹھے ہوتے تھے اور درمیان میں آگ کے الاؤ کی ایک بڑی انگیٹھی رکھی جاتی تھی..... ہم سب

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

اس انگیٹھی کے اردگرد بیٹھ جاتے تھے جو رات کو نوجوان اور جذبے سے بھرپور بنانے کے لئے کافی زیادہ گرمائش مہیا کرتی تھی..... ہر ایک فرد کے لئے ایک گدا فراہم کیا جاتا تھا جو ٹانگوں سے کمر تک کا جسم کا حصہ ڈھانپتا تھا..... ہر ایک فرد کے لئے ضروری تھا کہ وہ ایک کہانی سنائے یا ایک گانا گائے..... اگر یہ ایک کہانی ہوتی تھی اس کا ایک نتیجہ ہونا چاہیے تھا اور بالغان کی طمانیت کی کوئی چیز نہیں ہونی چاہیے تھی کیونکہ بچے بھی سن رہے ہوتے تھے.....

درحقیقت دادی اولین سنسر تھیں جو میں نے اپنی زندگی میں دیکھی تھیں..... وہ فی الفور ایسی کہانی کو سنسر کر دیتی تھیں جس کی بابت وہ محسوس کرتی تھیں کہ وہ اس قدر اچھی نہ تھی جسے خواتین اور بچوں کی موجودگی میں سنایا جا سکے.....

دادی بہادری اور شرافت سے لبریز کہانیوں کو خوش آمدید کہتی تھیں اور اگر ان میں تھوڑا بہت رومانس بھی پایا جاتا تھا تو وہ اس کا برا نہیں مناتی تھیں..... وہ فارسی شاعروں کی غزلیں سننا بھی پسند کرتی تھیں..... میں رات بھر ایک ہی گود میں خاموشی سے بیٹھنے کا قائل نہ تھا..... اگر کہاں دلچسپ ہوتی تب میں اسے پوری توجہ سے سنتا رہتا تھا اور اگر کہانی دلچسپ نہ ہوتی تب میں ایک گود سے دوسری گود میں منتقل ہوتا رہتا حتیٰ کہ میں دوسرے بچوں کی مانند بے سدھ ہو کر سو جاتا تھا..... اگلی صبح میری آنکھ میرے گرم گرم بستر پر کھلتی اور میں اپنی آنکھیں ملتے ہوئے حیران ہوتا رہتا کہ مجھے یہاں پر کون لایا تھا..... جب کہ گانا اور داستان گوئی جاری رہتی اس دوران ایرانی بلیاں بستروں پر سو جاتی تھیں اور بستروں کو ان کے حاملین کے لئے گرم رکھتی تھیں..... یہ پشاور میں کوئی انوکھی اور نرالی چیز تھی.....

مجھے تھوڑا بہت شبہ ہے کہ داستان گوئی کے میرے شعور کو پشاور میں گزارے گئے میرے بچپن کے دنوں کے دوران تقویت میسر آئی تھی..... اس کی وجہ محض سردیوں کی وہ راتیں ہی نہ تھیں جو ٹیرس پر گزاری جاتی تھیں جنہوں نے میرے تصور کو تحریک بخشی تھی بلکہ ان دنوں قصہ خوانی بازار میں مین مارکیٹ اسکوائر ان دنوں تاجروں کے اجتماع کے لئے مشہور تھا..... نماز مغرب کے بعد تاجر اور دوکاندار وہاں پر باہم اکٹھے ہوتے تھے تاکہ کسی قسم کی تفریح سے لطف اندوز ہو سکیں..... ہر شام میں آغا جی کی انگلی تھام کر ان کے ہمراہ اس اسکوائر پر جاتا تھا اور کسی نہ کسی مولانا کا بیان سنتا تھا..... یہ لوگ اپنے دینی علم اور نیکی اور خدا ترسی کے لئے مشہور تھے.....

داستانیں دلچسپ ہوتی تھیں اور انہیں سنانے کے دوران مناسب توقف اختیار کرنے کے علاوہ آواز کے اتار چڑھاؤ کا بھی خاص خیال رکھا جاتا تھا اور انہیں بیان کرنے والے اس امر پر خصوصی توجہ دیتے تھے..... کہانی جب ڈرامائی انداز اختیار کرتی تھی تب آواز اونچی کر لی جاتی تھی اور جب کہانی میں کوئی پر آشوب موڑ آتا تھا تب آواز دھیمی کر لی جاتی تھی..... میں کہانی سے لطف اندوز ہوتا تھا اور اس کے کرداروں اور صورت حال کے تصورات سے اپنے ذہن کو زرخیز بناتا تھا اور مولانا کی بولی گئی لائنوں کے ساتھ کرداروں کی اداکاری کرنے کی کوشش کرتا تھا..... میں یہ کام گھر کے کسی تنہا گوشے میں بیٹھ کر کرتا تھا جہاں کسی کی نظر مجھ پر نہیں پڑ سکتی تھی..... اب مجھے خوشی محسوس ہوتی ہے جب میں ان حیران کن شاموں پر غور و فکر کرتا ہوں جب میں منہ کھولے حیرانی کے عالم میں آغا جی یا دادی کے ہمراہ بازار میں بیٹھ کر کہانیوں کے مختلف موڑ اپنے اندر جذب کیا کرتا تھا..... کون یہ پیشین گوئی کر سکتا تھا کہ کئی برس بعد کہ میں ایک ایسے ذریعے کے لئے داستان گوئی کی مشقوں میں شرکت کر رہا ہوں گا جو سینما کہلاتا ہے!

میں اپنی تنہائی میں ایک اور کام میں بھی مصروف رہا کرتا تھا..... وہ کام یہ تھا کہ میں ان

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

خواتین اور مردوں کی نقالی کیا کرتا تھا جو میرے والدین کے ساتھ ملاقات کرنے کے لئے آتے تھے.....

ایک دن اماں نے مجھے یہ حرکت کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑ لیا اور میری سرزنش کرتے ہوئے کہا کہ بڑوں کا مذاق اڑانا اچھی بات نہیں ہوتی..... میں اس وقت خالہ مریم کی نقالی کر رہا تھا جب وہ غیر متوقع طور پر میرے سر پر آن پہنچیں اور دیکھا کہ میں کیا حرکت کر رہا تھا.....

میں نے اماں کو نہیں بتایا کہ میں خالہ مریم کا مذاق نہیں اڑا رہا تھا بلکہ میں چند لمحات کے لئے خالہ مریم بننے کی کوشش کر رہا تھا..... کیونکہ وہ اس قدر ذوق تجسس کو ابھارنے والی ہستی تھیں..... عین ممکن ہے میں لاشعوری طور پر اپنے آپ کو اس کام کے لئے تیار کر رہا تھا جو آنے والے برسوں میں میرے مقدر میں رقم تھا.....

خالہ مریم خاندان کی بلبل تھیں..... وہ گانے کے حوالے سے ایک اچھی آواز کی حامل تھیں اور وہ ہمیں سلانے کے لئے یعنی بچوں کو سلانے کے گیت (لوریاں) گاتی تھیں اور ہم ان کی لوریاں سنتے ہوئے پلے بڑھے تھے..... ان کی شادی ایک ایسے شخص کے ساتھ ہوئی تھی جو بانکا اور خوش لباس تھا..... وہ ایک ایسا شخص تھا دادی نے جس کا داخلہ ٹیرس پر بند کر رکھا تھا کیونکہ وہ جو داستان سناتا تھا اس میں شرارت کی آمیزش ہوتی تھی اور شرارت کا رنگ نمایاں ہوتا تھا..... وہ خاندان کے دیگر مردوں سے بے حد مختلف واقع ہوا تھا..... وہ ان ادب آداب کا خیال نہ رکھتا تھا جس کا خیال خاندان کے دیگر مرد رکھتے تھے..... وہ کہیں نہ کہیں سے سگار لے آتا تھا اور سگار نوشی کیا کرتا تھا جب کہ دیگر مرد حقہ پیتے تھے..... وہ دادی سے بحث کیا کرتا تھا کہ اس سے کوئی فرق نہ پڑتا تھا کہ آپ کیا پیتے ہیں حقہ یا سگار..... خالہ مریم اچھی شکل وصورت کی حامل تھی اور وہ بھی سگریٹ ہولڈر میں لگا کر سگریٹ نوشی کرتی تھی..... ان کے اور ان کے خاوند کے درمیان بے حد اختلافات پائے جاتے تھے اور وہ محض اسی وقت ایک دوسرے کے ساتھ ہم کلام ہوتے تھے جب انہوں نے آپس میں جھگڑا کرنا ہوتا تھا..... اس کے کمرے میں درازوں کی حامل ایک الماری تھی جس کی وہ بے حد نگرانی اور حفاظت کیا کرتا تھا..... وہ اکثر اسے طنز کرتے ہوئے کہتی تھی:.....

''تم الماری میں رکھی دولت کے خزانے پر سانپ بنے بیٹھے ہو۔۔۔ تم اسے اپنے ساتھ قبر میں لے کر جاؤ گے۔''

وہ ان کی اس بات پر ظالمانہ قہقہہ لگاتا تھا۔

©جملہ حقوق بحق ادارہ اُردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

ان کا بحث مباحثہ اور جھگڑا اور تکرار میرے لئے ایک تفریح سے بڑھ کر کچھ نہ ہوتا تھا کیونکہ اس وقت میں عمر کے اس حصے میں تھا جب کہ ایسی باتیں تفریح طبع ہی دکھائی دیتی ہیں..... حقیقی ڈراما اس وقت وقوع پذیر ہوا جب خالہ مریم کچھ دنوں تک ایک تنہا کمرے تک ہی محدود ہو کر رہ گئی تھیں کیونکہ ان پر ایک روح کا قبضہ ہو گیا تھا..... ایک روز میں ان کے کمرے میں جا کر چھپ گیا اور میں نے ان کی آواز سنی جو ایک مردانہ آواز میں تبدیل ہو چکی تھی..... وہ کسی چیز کی بابت ہذیان بول رہی تھی اور بہکی بہکی باتیں کر رہی تھی لیکن میرے پلّے کچھ نہ پڑا تھا..... وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور اس نے اپنے بال بکھیر دیے اور وہ اپنی معمول کی حالت سے یکسر مختلف حالت میں دکھائی دے رہی تھی..... مجھے یاد ہے کہ اماں بھاگم بھاگ کمرے میں داخل ہوئیں تا کہ مجھے اس کمرے سے باہر نکال سکیں کیونکہ انہیں محسوس ہو چکا تھا کہ میں اپنی معمول کی تحقیق و تفتیش کرنے کے لئے اس کمرے میں موجود تھا۔

خالہ مریم نے اچانک نرم اور شریفانہ لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا:.....

''اس بچے کو مت مارو اور اسے یہاں پر ہی رہنے دو۔''

اماں نے منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑایا اور فی الفور مجھے گھسیٹتے ہوئے کمرے سے نکال کر لے گئیں.....

اگلے دن تک وہ نارمل ہو چکی تھی اور ایسے رویے کا مظاہرہ کر رہی تھی جیسے کچھ بھی رونما نہ ہوا تھا .....وہ اماں کے قریب تر تھی اور انہیں اپنے خاوند کے ناپسندیدہ طور طریقوں سے آگاہ کرتی رہتی تھی.....

جمعہ کی جمعہ خواتین مارکیٹ جایا کرتی تھیں اور مجھے اچھی طرح یاد ہے اماں ہمیشہ خالہ مریم کا انتظار ہی کرتی رہتی تھیں جو تیار ہونے میں قرار واقعی تاخیر کرتی تھی.....

اماں سادہ شلوار اور قمیض پہنتی تھیں جو لمبی اور ڈھیلی ڈھالی ہوتی تھی..... ان کا سر ہمیشہ ڈھکا ہوا رہتا تھا اور وہ جب گھر سے باہر نکلتی تھیں تب وہ اس قدر مکمل طور پر پردے میں ہوتی تھیں کہ مجھے انہیں شناخت کرنے میں دقت ہوتی تھی..... وہ کوئی چیز منہ میں چباتی رہتی تھیں..... غالباً الائچی چباتی رہتی تھیں.....

میں ہمیشہ ان کے ہمراہ مارکیٹ جاتا تھا اور وہ میری کڑی نگرانی کرتی رہتی تھیں تا کہ میں بھیڑ میں کہیں گم نہ ہو جاؤں.....

خالہ مریم اور پھوپھی باب جان کی آپس میں زیادہ نہ بنتی تھی اگرچہ وہ دونوں اماں سے پیار کرتی تھیں..... وہ ریشمی لباس پہنتی تھیں جب کہ اماں سوتی لباس کو ترجیح دیتی تھیں جو چھوٹے پرنٹ کا حامل ہوتا تھا..... میں نے انہیں کبھی اپنے لئے خریداری کرتے نہ دیکھا تھا..... وہ ہمیشہ گھر کے لئے خریداری کرتی تھیں.....

جمعہ کے روز مارکیٹ میں خاصی گہما گہمی اور بھیڑ ہوتی تھی کیونکہ مرد حضرات بھی بڑی مسجد میں نماز جمعہ کی ادائیگی کے بعد خریداری کرتے تھے..... جب اماں چاہتی تھیں کہ میں ان کا دل پسند صابن خریدوں..... وہ مجھے پکارتے ہوئے کہتی تھیں:.....

''یوسف میرا پیئر سوپ صابن لانا۔''

وہ اس طور اس صابن کا حوالہ دیتی تھیں جو وہ استعمال کرتی تھیں۔

مارکیٹ کے ایک جانب کھانے پینے کی دوکانیں تھیں جو انار دانے کے ساتھ چپلی کباب پیش کرنے کے علاوہ روٹی چاول اور ہلکے پھلکے کھانے بھی پیش کرتی تھیں..... ان دوکانوں پر ہمیشہ گاہکوں کی گہما گہمی اور بھیڑ بھاڑ رہتی تھی کیونکہ کبابوں کی مسحور کن خوشبو جب لوگوں کے نتھنوں میں داخل ہوتی تھی تو ان کی بھوک خود بخود ہی چمکنے لگتی تھی اور منہ میں پانی بھر آتا تھا اور ان کبابوں سے لطف اندوز ہونے کی

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

خواہش کی مزاحمت کسی قدر مشکل دکھائی دیتی تھی.....

وہاں پر ایسی دوکانیں بھی موجود تھیں جو خوبصورت ریشمی اور سوتی کپڑے فروخت کرتی تھیں .....اس کے علاوہ وہاں پر ہر رنگ کی لیسیں .....دوپٹے.....اور پراندے بھی دستیاب تھے.....

ہم غیر منقسم انڈیا میں مقیم تھے اور ہمارے ہمراہ ہندو مردوں اور عورتوں کی بھی ایک کثیر آبادی مقیم تھی ..... مارکیٹ میں ہندو خواتین مسلمان خواتین کے ساتھ گھل مل جاتی تھیں اور ایک دوسرے کی خیریت دریافت کرتی تھیں اور خوشی خوشی تبادلہ خیال بھی کرتی تھیں.....

آغا جی کے بھی بہت سے ہندو دوست تھے اور ان میں سے ایک کا نام بشیشور ناتھ جی تھا جو سول سروس میں ایک اعلیٰ عہدے پر فائز تھا.....اس کا بڑا بیٹا اس کے ساتھ چند مرتبہ ہمارے گھر میں آیا تھا اور اس کی خوبصورتی نے خواتین کو بے حد متاثر کیا تھا..... یہ راج کپور کا باپ پرتھوی راج تھا.....

بشیشور ناتھ جی کے آغا جی کے ساتھ بے حد دوستانہ مراسم تھے اور میں اکثر انہیں قریب الوقوع ہونے والی جنگ (دوسری عالمی جنگ) کے بارے میں باتیں کرتے ہوئے سنتا رہتا تھا اور اس بابت بھی کہ پشاور کے مکینوں کے مقدر میں کیا رقم تھا..... میں ان کی باتیں بغور سنتا تھا لیکن میری سمجھ میں نہ سماتا تھا کہ وہ کیا باتیں کر رہے تھے.....وہ ایک شہر کی بابت بات کرتے تھے جو بمبئی کہلاتا تھا جہاں پر کاروباری مواقع بے تحاشہ تھے.....

تب ایک دن میں نے آغا جی کو دادا سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ وہ بمبئی جا رہے تھے تاکہ وہاں موجود کاروباری مواقع کا جائزہ لے سکیں اور ان کی تحقیق سرانجام دے سکیں اور انہوں نے یہ بھی کہا کہ پہلے پہل وہ اکیلے ہی جانا چاہتے تھے.....

جنگ ناگزیر تھی اور اس کے اثرات پھلوں کے کاروبار پر بھی منفی انداز میں مرتب ہونے تھے کیونکہ پشاور سے دیگر مقامات تک پھلوں کی نقل و حمل کے متاثر ہونے کا خطرہ لاحق تھا.....قبل اس کے کہ مجھے علم ہو پاتا ایک صبح وہ بمبئی کے لئے روانہ ہو چکے تھے..... جب آغا جی گھر سے دور تھے کوئی احمقانہ چیز وقوع پذیر ہوئی.....میں اس ہلچل اور افراتفری کا ایک مرکزی کردار تھا جو ایک دوپہر گھر میں برپا تھی..... مجھے وہ دوپہر بخوبی یاد ہے جب میرا ایک کزن..... جو عمر میں مجھ سے کسی قدر بڑا تھا.....اس کی آنکھ زخمی ہو گئی تھی.....اس کی آنکھ کو خدا جانے کیا چیز لگی تھی جب کہ وہ باغ میں موجود تھا.....ملازمین اسے اپنے ہمراہ گھر واپس لائے تھے اور میری تمام آنٹیاں اس کے زخم کا معائنہ کرنے کے لئے بھاگی تھیں..... یہ ایک معمولی سا زخم تھا لیکن میری آنٹیوں نے اس کا علاج اپنے نسخے کے ساتھ کرنے کا فیصلہ کیا..... میں گھر کے ایک کمرے میں پرسکون انداز سے کھیل کود میں مصروف تھا اور میں اس وقت چونکا جب میری ایک آنٹی اس کمرے میں داخل ہوئی اور مجھے گھسیٹ کر کمرے سے باہر نکالا.....

''تم بعد میں بھی کھیل سکتے ہو۔''

انہوں نے مجھے حکم دیا اور میں بادل نخواستہ ان کے ہمراہ چل پڑا.....انہوں نے میرے بازو کو مضبوطی کے ساتھ تھام رکھا تھا..... وہ مجھے ٹیرس پر لے گئیں اور مجھے مٹی کے ایک برتن کے سامنے کھڑا ہونے کا حکم دیا.....اس کے ساتھ ہی انہوں نے مجھے اپنا پاجامہ اور انڈویرا تار کر برتن میں پیشاب کرنے کا بھی حکم دیا..... میں بے حد خوفزدہ تھا اور خوفزدگی کے اس عالم میں مَیں نے سیدھا برتن میں پیشاب کر دیا اور میری آنٹی نے تسلی بخش انداز سے میری جانب دیکھا.....اس کے بعد وہ اس برتن کو دیگر آنٹیوں کے پاس لے گئیں جو اس پیشاب کے ساتھ میرے کزن کی زخمی آنکھ دھونے کے انتظار میں مصروف تھیں

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

.....مجھ پر خوف، شرم اور کراہت کا غلبہ تھا اور میں کئی دنوں تک آنٹیوں اور کزن سے منہ چھپاتا رہا جس نے مجھ سے استفادہ کیا تھا.....

جیسا کہ پہلے تذکرہ کیا جا چکا ہے.....میرے والدین کی سب سے بڑی اولاد میری بہن سکینہ بیگم تھی ..... وہ فطرت کے لحاظ سے اماں سے برعکس تھی ..... جب ہم پشاور میں تھے اس وقت وہ عین نوجوان تھی .....وہ اپنے ہی انداز میں پرکشش تھی اگرچہ وہ اماں جیسے حسن سے نوازی نہیں گئی تھی .....وہ ضدی اور ہٹ دھرم فطرت کے اعتبار سے مشکل تھی ..... مجھے اب بھی بخوبی یاد ہے کہ اس کی اماں کے ساتھ اکثر ناچاقی ہو جاتی تھی اور دونوں کے درمیان اگرچہ ہلکا پھلکا لیکن ختم نہ ہونے والا انتشار ہر وقت نمایاں رہتا تھا.....آغا جی ان کے معاملات میں بہت کم دلچسپی لیتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے اور محسوس کرتے تھے کہ گھریلو اختلافات کو حل کرنے کے لئے گھر کی خواتین اپنے منفرد انداز کی حامل تھیں اور انہیں بیرونی امداد کی قطعاً کوئی ضرورت نہ تھی.....

میرے بڑے بھائی نور اور ایوب تھے.....نور صاحب (میں ان کو اسی نام سے پکارتا تھا) مجھ سے پانچ برس بڑے تھے جب کہ ایوب صاحب مجھ سے ڈیڑھ برس بڑے تھے.....نور صاحب شروع ہی سے ایک رنگین مزاج کردار تھے اور مجھے اور میرے کزنوں کو اپنی آوارگی میں شریک کر لیتے تھے جس کی وجہ سے آغا جی مشتعل ہو کر وقتاً فوقتاً ان پر بید استعمال کیا کرتے تھے.....

صاف ظاہر ہے آغا جی اپنے بیٹے کو ضائع نہیں کرنا چاہتے تھے.....لیکن پشاور میں گزارے گئے ان برسوں میں سے جو کچھ یاد پڑتا ہے وہ یہی ہے کہ نور صاحب پر آغا جی کی سرزنش اور مار کٹائی کا کوئی دیرپا اثر نہ ہوتا تھا..... ہر ایک سرزنش اور پٹائی کے بعد نور صاحب تھوڑی دیر کے لیے خاموش رہتے تھے۔ وہ کام دھندے کے سلسلے میں آغا جی کے باہر جانے کے انتظار میں مصروف رہتے تھے اور ان کے جانے کے بعد وہ دوبارہ اپنے مشاغل میں مصروف ہو جاتے تھے.....سب سے بڑا بیٹا ہونے کے حوالے سے .....نور صاحب کو اپنے بڑے پن کا بخوبی احساس تھا اور وہ اس زعم میں رہتے تھے کہ وہ بڑا ہونے کے ناطے اپنے سے چھوٹوں پر بخوبی رعب جما سکتے تھے.....

چونکہ میری اور ان کی عمر میں کافی فرق موجود تھا لہٰذا میں کبھی کبھار ہی ان کی صحبت میں رہتا تھا .....اماں ان کی شرارتوں پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتی رہتی تھیں.....

میں ایوب کے قریب تھا..... چونکہ وہ مجھ سے تھوڑا ہی بڑا تھا اس لئے میں اسے ایوب کہہ کر ہی پکارتا تھا اور اس کی پاداش میں اکثر میری سرزنش بھی کی جاتی تھی ..... لہٰذا میں اپنے والدین کی موجودگی میں اسے ایوب صاحب کہہ کر مخاطب کرتا تھا.....وہ ہم بقایا بچوں کی مانند اسکول نہ جاتا تھا..... میری سمجھ میں کبھی یہ بات نہ آسکی تھی کہ اسے کیوں گھر پر ہی اردو کی تعلیم دی جاتی تھی اور اس نے اسکول کی روایتی تعلیم حاصل نہ کی تھی.....میرا خیال ہے کہ وہ میرے اور نور صاحب کی مانند صحت مند نہ تھا.....وہ کسی قدر ذاتی مسئلے کا حامل تھا جس سے میں بخوبی آشنا نہ تھا.....لیکن قدرت نے اسے حیران کن ذہانت اور احساسات سے نوازتے ہوئے اس کی تلافی کر دی تھی جو غیر معمولی نوعیت کے حامل تھے ..... وہ خصوصی عطیے سے مالا مال تھا اور میرے والدین اس پر بے حد فخر کرتے تھے.....

©جملہ حقوق بحق ادارہ اُردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

آغا جی کی گھر میں غیر موجودگی شدت کے ساتھ محسوس کی جا رہی تھی..... میں جانتا تھا کہ وہ روانہ ہو چکے تھے لیکن میں یہ نہیں جانتا تھا کہ وہ کیوں عازم بمبئی ہوئے تھے..... مجھے یاد ہے کہ میں اس بابت اماں سے پوچھتا رہتا تھا جو مجھے محض یہ بتا کر ٹرخا دیتی تھیں کہ وہ وہاں پر ایک ضروری کام کے سلسلے میں گئے ہیں اور وہ جلد واپس آ جائیں گے..... وہ معمول کے مطابق گھریلو کام کاج میں مصروف رہتی تھیں یا پھر دادی کے بتائے کام دھندے کی سرانجام دہی میں مصروف رہتی تھیں..... میں اماں سے زیادہ سوالات کر کے انہیں زحمت میں مبتلا نہ کرتا تھا کیونکہ ان کے پاس جواب دینے کے لئے وقت موجود نہ ہوتا تھا..... لہٰذا میں ان کا جواب سن کر توقف اختیار کئے بغیر سوچ بچار کرتا رہتا تھا.....

باب نمبر 4

بمبئی روانگی:

ایک نئے باب کا آغاز ہوتا ہے

(OFF TO BOMBAY:

A NEW CHAPTER BEGINS)

''بمبئی میں مجھے انجمن اسلام ہائی اسکول میں داخل کروا دیا گیا..... اب میں اپنے گھنے سیاہ بالوں کے اوپر ٹوپی پہنتا تھا جس کی تعریف وہ تمام خواتین کرتی تھیں جو اماں سے ملاقات کرنے کے لئے آتی تھیں..... وہ میرے بالوں کو بے ترتیب کرتے ہوئے ان سے کچھ کہتی تھیں اور وہ ان کے رخصت ہونے کا انتظار کرتی رہتی تھیں تا کہ میری نظر اتار سکیں اور دادی کی ہدایت کے عین مطابق مجھے نظر بد سے بچا سکیں۔''

www.UrduPoint.com

جیسا کہ پہلے تذکرہ کیا جا چکا ہے..... آغا جی بمبئی روانہ ہو چکے تھے تا کہ کاروبار کی امکانی قوت کی تحقیق و تفتیش سرانجام دے سکیں کیونکہ عالمی جنگ چھڑنے کی خبریں گشت کر رہی تھیں..... وہ جانتے تھے کہ پشاور کے باغات سے پشاور سے باہر واقع منڈیوں میں پھلوں کی نقل و حمل اس وقت مشکل بن جائے گی جب جنگ کا آغاز ہوگا.....

ان دنوں فرنٹیئر میل کے ذریعے سفر طے کرنا آسان تھا..... جس دن سفر طے کرنا ہوتا تھا اسی دن ریلوے اسٹیشن سے ٹکٹیں خریدی جاتی تھیں اور ایڈوانس بکنگ کا کوئی رواج نہ تھا.....

بمبئی میں اپنے قیام کے دوران وہ اکثر شام کو وقت گزاری کے لئے ساحل سمندر پر چہل قدمی کرتے تھے..... ایک شام انہوں نے ایک پرائم میں ایک بچہ دیکھا جو صحت مند تھا اور اس کے گال سرخ گلاب کی مانند سرخ تھے اور انہیں فوراً میری یاد ستانے لگی..... جیسا کہ میں پہلے ہی تذکرہ کر چکا ہوں..... مجھے ایک خوبصورت بچہ تصور کیا جاتا تھا اور آغا جی میری خوبصورتی پر فخر و ناز کیا کرتے تھے..... انہوں نے بے ساختگی کے ساتھ بچے کو پرائم سے اپنی گود میں اٹھا لیا اور اس بچے کے والدین خوفزدہ ہو کر ان کی جانب بھاگے..... یہ ایک فطری ردعمل تھا کیونکہ انہوں نے ایک صحت مند اور توانا پٹھان کو اپنے بچے کو پرائم میں سے اٹھاتے ہوئے دیکھا تھا جس نے بچے کے والدین کے ساتھ اپنے آپ کو روایتی طور پر متعارف بھی نہیں کروایا تھا.....

آغا جی خاندانی اجتماعات میں اکثر اس واقعہ کو ہنستے ہوئے بیان کرتے تھے..... انہوں نے

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

بچے کے والدین سے معذرت کی اور انہوں نے پشاور میں مقیم اپنے کنبے کی بابت بتایا اور چھوٹے یوسف کی بابت بھی بتاتا جو اس قدر خوبصورت تھا جس قدر خوبصورت ان کا بیٹا تھا.....

مجھے یقین ہے کہ اپنے کنبے کی بمبئی میں منتقلی کی وجہ میں ہی بنا تھا اور میں ہی بمبئی میں ان کی اقامت اختیار کرنے کا ذمہ دار تھا..... اگر ساحل سمندر پر وہ واقعہ پیش نہ آتا..... آغا جی کبھی بھی اماں اور سات بچوں کو بمبئی منتقل کرنے کے لئے پشاور واپس نہ آتے ..... پشاور والے گھر میں دادا نے بمبئی میں آغا جی کی تنہائی کو شدت کے ساتھ محسوس کیا..... بالخصوص اس وقت جب انہوں نے ساحل سمندر پر رونما ہونے والے حیران کن دلچسپ واقعہ کی بابت سنا.....

اگر چہ دادا اپنے بیٹے کے کنبے کی بمبئی میں منتقلی کے حق میں نہ تھے..... لیکن اس کے باوجود بھی دادا نے اپنی بہو کو اپنے خاوند کے ساتھ رہنے کا حق دے دیا.....

ہم نے بمبئی کا سفر فرنٹیئر میل سے طے کیا..... مجھے اچھی طرح یاد نہیں ہے کہ ہم نے یہ سفر کب طے کیا تھا کیونکہ میں اس وقت بالکل چھوٹا تھا لیکن میرا خیال ہے کہ یہ 1930ء کا وسط تھا..... یہ ہمارا ریل گاڑی کا اولین سفر تھا اور ہم سب بے حد خوش اور پر جوش تھے..... دوران سفر کچھ اسٹیشنوں پر میرے والدین کے دوست ہم سے ملاقات کرنے کے لئے آئے اور ہمارے لئے کھانے پینے کی اشیاء بھی اپنے ہمراہ لائے تا کہ ہم انہیں راستے میں استعمال کر سکیں..... ان میں سے کچھ ہندو بھی تھے..... مجھے اب بھی یاد ہے کہ وہ ہمارے لئے سبزی سے تیار کردہ سامان خورد و نوش لائے تھے..... ریل گاڑی سرسبز وادیوں اور پہاڑوں کو پیچھے چھوڑتی ہوئی آگے بڑھتی رہی..... یہ مناظر ہنوز میرے ذہن پر ثبت ہیں..... ریل گاڑی جب اسٹیشنوں پر رکتی تھی تب لوگ چائے اور پانی کے برتنوں کے ہمراہ آوازیں لگاتے تھے:.....

''ہندو چائے..... ہندو پانی..... مسلم چائے..... مسلم پانی۔''

گاڑی میں بھی ایک ڈائننگ کار موجود تھی جو محض انگریز افسران اور ان کی بیگمات کے لئے مخصوص تھی۔

آغا جی نے جو اپارٹمنٹ کرایے پر حاصل کیا تھا وہ ایک چار منزلہ عمارت میں واقع تھا جو عبداللہ بلڈنگ کہلاتی تھی اور ناگ دیوی اسٹریٹ پر واقع تھی..... قریب ہی ایک مصروف مارکیٹ بھی تھی جہاں انہوں نے پہلے پہل تھوک کی بنیاد پر اپنا پھلوں کا کاروبار استوار کیا تھا..... ہمارا اپارٹمنٹ سب سے بالائی منزل پر واقع تھا اور اگر چہ ہمیں پشاور میں اپنا کشادہ گھر یاد آتا تھا لیکن ہم سب اس اپارٹمنٹ میں سما گئے تھے کیونکہ ہمارے پاس پوری کی پوری چوتھی منزل موجود تھی ..... ہم سب بچوں کے لئے انفرادی کمرے موجود تھے اور اماں اور آغا جی کے لئے بھی ایک الگ کمرہ موجود تھا..... اس کے علاوہ ایک گیسٹ روم بھی موجود تھا..... وہاں پر ایک ٹیرس بھی موجود تھا جو ایک قسم کی عیاشی تھی کیونکہ پڑوس کے دیگر گھروں میں ٹیرس موجود نہ تھا..... وہ سب کے سب ہموار چھتوں کے حامل تھے.....

بنیادی طور پر اماں کو ایک مسئلے کا سامنا تھا..... وہ ہندی نہیں بول سکتی تھیں..... لیکن حیران کن بات یہ تھی کہ انہوں نے پڑوس میں کیسے دوست بنا لئے تھے..... درحقیقت اس جگہ ہماری آمد کے فوراً بعد ہمیں ایک بہترین پٹھان فیملی کے طور پر زیر بحث لایا جانے لگا تھا جو عبداللہ بلڈنگ کی چوتھی منزل پر مقیم تھی ..... اماں اپنے تیکھے نین نقش اور کسی بھی خامی سے پاک گلابی رنگت اور نرم اور شفیق مسکراہٹ کی بنا پر پڑوس کی خواتین کے ساتھ گھل مل گئی تھیں..... آغا جی جو مضبوط و توانا جثّے کے حامل تھے اور وہ پہلے ہی ایک شریف النفس اور نیک اور پارسا پٹھان کے طور پر جانے پہچانے جاتے تھے.....

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

ناگ دیوی اسٹریٹ میں اماں کی دو دوست تھیں جو ان کے بے حد قریب تھیں..... وہ ان کے ساتھ کیسے بات چیت کرتی تھیں یہ ہمیشہ آغا جی کے لئے ایک معمہ ہی بنا تھا کیونکہ وہ ہندی نہیں بولتی تھیں.....ان میں سے ایک کا بیٹا تھا جس کے ساتھ میرے سب سے بڑے بھائی نور صاحب کی ہم آہنگی استوار ہو چکی تھی.....نور صاحب اپنی مہم جو فطرت کی بدولت تھوڑے ہی عرصے میں ناگ دیوی اسٹریٹ میں مقبولیت حاصل کر چکے تھے.....انہوں نے سگریٹ نوشی کے ساتھ تجربہ کرنے کا آغاز کر دیا تھا جیسا کہ ان کے دیگر ہم عمر لڑکے کرتے تھے.....

ایک دوپہر اماں کے لئے ایک بری خبر تھی.....اس کی دوست کا بیٹا اپنے کمرے میں تکیے کے ساتھ سانس گھونٹ کر ہلاک کر دیا گیا تھا اور بچے کی ماں فطری طور پر غم زدہ حالت میں تھی.....

میں نے ایک مرتبہ پھر نہ صرف لاش دیکھی تھی اور لاش دیکھنے کے صدمے سے خوفزدہ ہوا تھا بلکہ ایک مرتبہ پھر پولیس کے آنے اور جانے سے بھی خائف ہوا تھا.....چونکہ میں اس مرتبہ پہلے کی نسبت کسی قدر بڑا ہو چکا تھا لہٰذا میں اس مرتبہ کسی قدر کم خائف اور دہشت زدہ ہوا تھا.....

ہم ناگ دیوی گلی کے بڑے اپارٹمنٹ میں خوش باش طریقے سے پروان چڑھے.....آغا جی اپنے پھل کے کاروبار سے مطمئن دکھائی دیتے تھے جو ترقی اور خوشحالی راہ پر گامزن تھا اور پھل پھول رہا تھا .....انہوں نے ملازمین بھرتی کر رکھتے تھے جو کاروباری امور کی سرانجام دہی کے علاوہ روزمرہ کی بکری کا بھی حساب کتاب رکھتے تھے.....وہ دن بھر کے دوران محض ایک مرتبہ محض یہ دیکھنے کے لئے چکر لگا لیا کرتے تھے کہ سب کچھ ٹھیک ٹھاک جا رہا ہے.....لہٰذا ان کے پاس ہمارے ساتھ گزارنے کے لئے بخوبی وقت موجود ہوتا تھا.....اس کے علاوہ وہ اپنے دوستوں کے ساتھ بھی وقت گزارتے تھے جو باقاعدگی کے ساتھ ان سے ملاقات کرنے کے لئے آتے تھے اور آغا جی ان کی صحبت سے لطف اندوز ہوتے تھے.....

©جملہ حقوق بحق ادارہ اُردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

ہمارا ایک فیملی ڈاکٹر تھا جو اونچا لمبا اور مضبوط جسم کا مالک تھا اور مجھے اپنے گھر میں اس کا آنا جانا اور ہمارا اس کا کلینک میں آنا جانا جب کہ وہ مریضوں کا معائنہ کر رہا ہوتا تھا اور ان کے لئے ادویات تجویز کر رہا ہوتا تھا بخوبی یاد ہے..... آغا جی اسے اکثر پھلوں کے ٹوکرے تحفے کے طور پر دیتے تھے..... ایک شام اس وقت ایک پر لطف چیز رونما ہوئی جب آغا جی مجھے اپنے ساتھ کلینک پر لے گئے تھے کیونکہ انہوں نے ایوب صاحب کی دوا لینی تھی..... میری پاس ربڑ کی ایک گیند تھی جس کے ساتھ میں کھیلا کرتا تھا ..... میں اسے فرش پر دے مارتا تھا اور اسے کیچ کرنے کی اپنی اہلیت کی آزمائش کرتا تھا..... آغا جی کلینک میں ڈاکٹر کے ساتھ دس منٹ تک بات چیت کرنے کے بعد باہر نکلے اور دوائی لینے کے لیے اس کے کمپاؤنڈر کے پاس چلے گئے..... میں باہر برآمدے میں گیند کے ساتھ کھیل رہا تھا..... آغا جی کو ڈاکٹر کے کمرے سے نکلتے ہوئے دیکھتے ہوئے میں گیند کو کیچ نہ کر سکا اور گیند زمین پر گر پڑا اور لڑھکتا ہوا ڈاکٹر کے کمرے میں جا پہنچا..... جبکہ آغا جی کمپاؤنڈر کے ساتھ تبادلہ خیال کر رہے تھے میں جلدی سے ڈاکٹر کے کمرے میں گھس گیا تا کہ اپنا گیند تلاش کر سکوں..... میں چوپائے کی مانند گیند کی تلاش میں مصروف تھا لہٰذا ڈاکٹر مجھے نہ سن سکا یا کمرے میں میرا داخلہ محسوس نہ کر سکا..... میں نے اپنا گیند تلاش کر لیا اور جو منظر میں نے وہاں دیکھا وہ گھر واپس آ کر جب ایوب میاں کے گوش گزار کیا تو وہ ان کے لئے پر لطف اور تفریح کا باعث ثابت ہوا..... ڈاکٹر کی نرس جو ایک خوبصورت خاتون تھی وہ ڈاکٹر کی گود میں براجمان تھی اور وہ باتیں کر رہے تھے اور کسی بات پر ہنس بھی رہے تھے..... میں جلدی کے ساتھ رینگ کر باہر نکل آیا قبل اس کے کہ وہ کوئی بے باک حرکت کر گزرتے.....

میں نے ایک گرمجوش اور شفقت اور محبت سے بھرپور ماحول میں پرورش پائی تھی..... میں بے حد شرمیلا واقع ہوا تھا لیکن میں اس وجہ سے ناخوش ہرگز نہ تھا..... میرے والدین پر کوئی دباؤ نہ تھا..... بمبئی میں اماں پر کام کا بوجھ قابل غور حد تک کم ہو چکا تھا..... اب انہیں محض اپنے بچوں اور خاوند کی دیکھ بھال کرنا ہوتی تھی..... وہ پہلے کی نسبت زیادہ صحت مند اور خوش دکھائی دیتی تھیں اگرچہ وہ اکثر پشاور کو یاد کیا کرتی تھیں..... مجھے انجمن اسلام ہائی اسکول میں 5 ویں جماعت میں داخل کروا دیا گیا تھا..... اب میں اپنے گھنے اور سیاہ بالوں کے اوپر ٹوپی پہنتا تھا اور جو خواتین اماں سے ملنے کے لئے آتی تھیں وہ میری تعریف کئے بنا نہ رہتی تھیں..... وہ میرے بالوں کو بے ترتیب کر دیتی تھیں اور ان سے کوئی بات کہتی تھیں اور وہ ان کے رخصت ہونے کے انتظار میں مصروف رہتی تھیں تا کہ ان کے جانے کے بعد میری نظر اتار سکیں اور دادی کی ہدایت کے مطابق مجھے نظر بد کے اثرات سے محفوظ رکھ سکیں.....

آج جب کہ میری عمر 92 برس ہے..... میری بیوی سائرہ بھی اسی طرح میری نظر اتارتی ہے جب کوئی ملاقاتی میرے نین نقش یا میری اچھی صحت کی بابت کوئی بات کرتا ہے یا جب کبھی ہم کسی تقریب میں جاتے ہیں اور درجنوں لوگ اپنی آٹو گراف بک پر میرے دستخط لیتے ہیں اور میرے کام کی تعریف کرتے ہیں.....

محلے میں نور صاحب اپنے مخصوص دوستوں کے حامل تھے..... ڈرامائی انداز میں ہمارے اپارٹمنٹ کے بالمقابل بوہڑ مسلمان کاروباری شخص کی رہائش تھی..... اس کی بیٹی نور صاحب کے دل کی دھڑکن بن چکی تھی اور میں ان کے طفلانہ افیئر کا ایک شریک کار بن گیا اور مقام افسوس کے پیار کرنے والوں میں جدائی کا باعث بھی میں ہی بنا..... مجھے محبت کی داستان لازماً بیان کرنی چاہیے کیونکہ یہ میرے بچپن کا ایک باب ہے جو میری یادداشت میں محفوظ ہے

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

نور صاحب مجھے اپنے لئے بازار سے سودا سلف لانے کا حکم صادر کیا کرتے تھے..... وہ ایک وثوق سے کہنے والے نوجوان تھے اور وہ بے تحاشہ وقت اپنے دوستوں کے ساتھ گزارتے تھے جو پڑوس میں ہی رہتے تھے..... ان کے دوست جب ان سے ملاقات کرنے کے لئے آتے تھے..... وہ انہیں ٹیرس پر لے جاتے تھے جہاں پر نہ ہی اماں اور نہ ہی سکینہ آپا آتی تھی..... ان کے دوست اکثر اپنے ہمراہ سگریٹ لے کر آتے تھے اور نور صاحب ان کے پیش کردہ سگریٹ قبول نہ کرتے تھے..... وہ مجھے طلب کرتے تھے اور اپنے لئے سگریٹ منگوانے کیلئے مجھے باہر بھیجتے تھے..... ان کا دل پسند برانڈ کیونڈر تھا..... اور وہ مجھے کہتے تھے کہ جس قدر جلدی سے جا سکتے ہو جاؤ اور میرے لئے سگریٹ لے کر آؤ..... دیگر اوقات میں..... وہ مجھے اس وقت اپنے لئے کیلے لانے کے لئے بھیجتے تھے جب وہ تنہا ہوتے تھے اور تب وہ پیار بھرے میٹھے انداز میں مجھ سے کہتے تھے کہ بے شک آرام سے جاؤ اور کیلے لے کر آرام سے واپس آؤ۔ مجھے کوئی جلدی نہیں ہے.....

آہستہ آہستہ میرے علم میں یہ بات آ گئی کہ وہ کیا چکر چلا رہے تھے..... شام کو ایک مخصوص وقت پر جب نور صاحب ٹیرس پر اکیلے ہوتے تھے..... ان کے دل کی دھڑکن بالمقابل اپارٹمنٹ میں اس کھڑکی میں اپنی پوزیشن سنبھالے ہوئے ہوتی تھی جس کا رخ ٹیرس کی جانب تھا..... میری عمر اس قدر زیادہ نہ تھی کہ میں جان سکتا کہ کیا رونما ہو رہا تھا لیکن میں ان کی نظروں کے تبادلے کو محسوس کرنے میں کبھی ناکام نہ ہوا تھا..... یہ وہ وقت ہوتا تھا جب مجھے کیلے لانے کا حکم صادر کیا جاتا تھا اور نور صاحب مجھے یہ حکم اس لئے صادر کرتے تھے کہ میں ان کے راستے سے دور رہوں..... وہ کاپی سے ایک ورق پھاڑ کر محبت نامہ تحریر کرتے تھے اور مجھے تلقین کرتے تھے کہ واپسی پر یہ محبت نامہ میں اس کے حوالے کرتا آؤں..... میں اس کے ساتھ بے حد خوش تھا کیونکہ وہ ہر مرتبہ مجھے انعام سے نوازتی تھی..... وہ مجھے لیمن ٹافیاں یا چاکلیٹیں تھما دیتی تھی اور میرے بالوں میں پیار و محبت کے ساتھ انگلیاں پھیرتی تھی لیکن منہ سے ایک لفظ بھی نہ بولتی تھی..... میرا چھوٹا سا ذہن یقیناً اس امر سے آشنا تھا کہ نور صاحب اسے کوئی خفیہ چیز ارسال کر رہے ہوتے تھے اور جواب میں وہ بھی ایسا ہی کر رہی ہوتی تھی.....

کبھی کبھار میں شرارت بھی کرتا تھا اور نور محمد مجھے جو سودا سلف لانے کا حکم صادر کرتے تھے میں بھاگتا ہوا جاتا تھا اور برق رفتاری رفتار کے ساتھ خریداری کر کے کم سے کم وقت کے اندر ٹیرس پر جا پہنچتا تھا..... اس طرح ان کا وہ رومانس جو وہ نظروں ہی نظروں سے اس لڑکی کے ساتھ لڑا رہے ہوتے تھے وہ شدید متاثر ہوتا تھا اور ایسے مواقع پر وہ غصہ بھری نگاہوں سے مجھے دیکھتے تھے.....

لہٰذا اگلا سودا سلف جس کے لانے کا وہ مجھے حکم صادر کرتے تھے وہ چنے ہوتے تھے..... چنے والے کی دوکان کسی قدر دوری پر واقع تھی..... لیکن میں بھی بھاگتا ہوا جاتا تھا اور ریکارڈ وقت کے اندر اندر چنے لے کر حاضر ہو جاتا تھا..... ایسے ہر ایک موقع پر..... میں لڑکی کو شرارت بھری نگاہوں سے نور صاحب کی جانب دیکھتے ہوئے بخوبی دیکھ سکتا تھا..... محبت کی یہ خاموش داستان جو نظروں کے علاوہ ان محبت ناموں کی مرہون منت تھی جن کا قاصد یا نامہ بر میں تھا وہ بہت جلد اپنے اختتام کو جا پہنچی.....

ایک دوپہر میں ٹیرس پر موجود تھا اور ان ٹافیوں سے لطف اندوز ہو رہا تھا جو اس لڑکی نے مجھے دی تھیں جب اماں مجھے تلاش کرتی ہوئی ٹیرس پر آن پہنچیں اور انہوں نے میرا منہ ٹافیوں سے بھرا ہوا پایا..... وہ فی الفور جاننا چاہتی تھیں کہ میں نے یہ ٹافیاں کہاں سے حاصل کی تھیں..... میں نے انہیں سچ سچ بتا دیا.....

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ نور صاحب کا بھید کھل چکا تھا..... اگلے دن لڑکی غائب تھی اور نور صاحب غم و یاس کی تصویر بنے بیٹھے تھے..... انہوں نے مجھ پر غصہ نہ اتارا تھا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ میں نے جان بوجھ کر ان کے رومانس کا ستیاناس نہیں کیا تھا..... یہ ایک معصوم بچے کا اعتراف تھا اور جیسے ہی وقت گزرا..... انہوں نے محسوس کیا کہ حقیقی زندگی کی محبت کی داستانوں کا انجام ہمیشہ خوشگوار نہیں ہوتا.....

اس لڑکی کو سورت (اب گجرات میں) بھیج دیا گیا جہاں اس کی شادی کر دی گئی اور وہ وہیں پر مقیم ہو گئی..... اس کے والدین نے آغا جی اور اماں کے ساتھ پرتپاک طریقے سے میل ملاقات جاری رکھی..... اور نور صاحب نے اپنے ماضی کو پیچھے چھوڑا اور ہر ایک نئے سکھ کا سانس لیا اور نور صاحب نے تفریح طبع کے نئے ذرائع کی تلاش کا کام شروع کر دیا.....

www.UrduPoint.com
itsurdu.blogspot.com
©جملہ حقوق بحق ادارہ اُردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

پروان چڑھنے کے برس

(THE GROWING LIP YEAR)

''میں نے یہ تمام تر تفصیلات (اس باب میں مابعد تذکرہ کردہ) ایک خاص مقصد کے لئے بیان کی ہیں..... اس کا مطلب ان قارئین کو مطلع کرنا ہے جو یہ تصور کرتے ہوئے عین ممکن ہے گمراہ ہوسکتے ہوں کہ راج کپور اور میں نے دوستی کا محض اعتراف کیا تھا جب کہ ہمارے درمیان گہری پیشہ وارانہ رقابت پائی جاتی تھی..... کہ ہماری دوستی ایک ہی پیشے سے تعلق رکھنے والے افراد کے درمیان محض ایک دوستی ہی نہ تھی بلکہ ایک بندھن تھا جو بخوبی اعتماد اور احترام کے سہارے پروان چڑھا تھا۔''

جیسے ہی ایوب صاحب پروان چڑھے وہ تنفس کے عارضے کا شکار ہوگئے جس کی وجہ سے ہمیں ڈیولالی (DEOLALI) منتقل ہونا پڑا (مہاراشٹر میں ایک پہاڑی مقام جو بمبئی سے تقریباً 180 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے) ڈیولالی میں تازہ ہوا اور وہاں پر طبی نگہداشت کی دستیابی نے ان کے علاج معالجے اور صحت یابی کے لئے اسے ایک مثالی مقام بنا دیا تھا.....

ایک فوجی اسٹیشن ہونے کی بنا پر..... ڈیولالی اچھے تعلیمی اداروں کا حامل تھا..... اور ان میں سے ایک برنس اسکول بھی تھا جہاں پر مجھے داخلہ ملا تھا..... وہاں فوجی مراکز ایسی سپاہ موجود تھی جن کا ماخذ انڈیا دکھائی نہ دیتا تھا..... بعد میں میرے علم میں آیا کہ وہ ترکی تھے..... جو جنگی قیدی تھے۔

ایک سے زائد حوالے سے ڈیولالی میری زندگی میں اہمیت کا حامل ہے..... اول یہ کہ یہ ڈیولالی ہی تھا جہاں پر میں نے انگریزی زبان سیکھی اور اس میں مہارت حاصل کی ..... دوم ڈیولالی میں اپنے قیام کے دوران ہی میں نے فٹ بال کے کھیل میں گہری دلچسپی لینے کا آغاز کیا.....

آغا جی ہفتے میں ایک مرتبہ بمبئی سے ہمارے ساتھ ملاقات کرنے کے لئے آتے تھے..... وہ میرے بھائی ایوب سے بے تحاشہ محبت کرتے تھے اور وہ ان کی صحت یابی کے حوالے سے بے حد تشویش میں مبتلا تھے..... انہوں نے مجھے انگریزی پڑھتے اور لکھتے ہوئے دیکھا اور اس سے بھی ان کا دل باغ باغ ہوگیا..... ایک انگریزی نظم تھی جو میں نے اسکول میں پڑھی تھی جسے ایک دن میں نے آغا جی کے سامنے دہرایا اور وہ اس قدر خوش ہوئے کہ انہوں نے مجھے اس نظم کو اپنے تمام انگریزی دوستوں کے سامنے دہرانے کے لئے کہا..... نظم درج ذیل تھی:.....

میری دو آنکھیں ہیں

اور میں دروازہ دیکھ سکتا ہوں

چھت..... دیوار

اور بڑا نیلا آسمان

جو ہم پر جھکا ہوا ہے

اسکول میں چھٹیوں کے دوران جب ہم پشاور چلے آئے تاکہ کچھ وقت اپنے دادا اور دادی کے ساتھ گزارا جاسکے..... ہماری آمد کے موقع پر وہاں سماجی اجتماعات منعقد ہوا کرتے تھے.....

ہر ایک اجتماع کے موقع پر مجھے ایک پلیٹ فارم پر کھڑا کر دیا جاتا تھا اور مجھے نظم دہرانے کے لئے کہا جاتا تھا..... میرے اس عمل کی بدولت آغا جی کو عظیم فخر و ناز کرنے کا موقع میسر آتا تھا..... وہ بڑے

itsurdu.blogspot.com

فخر سے دنیا کو بتاتے تھے کہ ان کا بیٹا انگریزی سے آشنا ہے اور ان کے پٹھان دوست بھی اس کامیابی پھولے نہ سماتے تھے اور اپنی خوشی اور مسرت کا اظہار کرنے کے لئے بخل سے کام نہ لیتے تھے..... اگر اس اجتماع میں مقامی انتظامیہ کا کوئی انگریز افسر بھی موجود ہوتا تھا تب یہ منظر نامہ مزید جوش..... جذبے..... اور ولولے سے لبریز ہو جاتا تھا..... شاباش کے نعرے گونجنے لگتے تھے اور یوسف شاباش..... یوسف شاباش کی صدائیں گونجنے لگتی تھیں..... ہر مرتبہ مجھے نئے سرے سے آغاز کرنا پڑتا تھا.....

جتنی مرتبہ ملاقاتی ملاقات کرنے کے لئے آتے تھے اتنی مرتبہ میں اپنے آپ کو سیدھا کھڑا کرتا تھا..... ایک گہرا سانس لیتا تھا اور وہی نظم ایک مرتبہ پھر دہرانے لگتا تھا.....

دہرانے کا نہ ختم ہونے والا عمل جاری وساری رہتا تھا حتیٰ کہ میں تھک جاتا تھا اور اس عمل کو جاری نہیں رکھ سکتا تھا..... یہ ایک ایسا کام تھا جس سے جان چھڑانے کی میں ہمیشہ کوشش کرتا تھا اور اس کی وجہ میرا شرمیلا پن تھی لیکن اس کے ساتھ ساتھ لوگوں کی توجہ کا حصول بھی میری شدید خواہش تھی اور یہ وہ آخری چیز تھی جس کی مجھے طلب تھی..... لیکن میرا خیال ہے کہ مقدر نے میرے لئے وہ زندگی ترتیب دینے کا آغاز کر دیا تھا جو مجھے گزارنی تھی..... اس قسم کے مواقع پر مجھے آغا جی کے احکام کی تابعداری کرنا ہوتی تھی..... اگرچہ اوپن ائیر میں نظم کو دہرانا ایک مشکل کام تھا..... کوئی دروازہ نہیں..... کوئی دیوار نہیں..... کوئی چھت نہیں..... میرا خیال ہے کہ مجھے ملنے والی شاباش اور داد وتحسین ہی وہ محرک تھی جو مجھے پرفارم کرنے کے لئے اکساتی تھی..... یہ ایسا تھا جیسے میں ایک دروازہ دیکھ سکتا تھا..... ایک دیوار اور ایک چھت..... اس وقت جب میں نظم دہراتا تھا..... یہ عمل اس دنیا میں قدم رکھنے کے لئے میری ایک تیاری تھا جس دنیا میں میں نے برسوں بعد قدم رکھا تھا.....

ڈیولالی میں ایوب صاحب کے پاس کوئی حق انتخاب موجود نہ تھا ماسوائے اس کے کہ اپنے بیداری کے اوقات وہ اس اردو ادب کا مطالعہ کرتے ہوئے گزاریں جو ان کے ہاتھ لگتا تھا..... وہ ہمیشہ حالیہ ترین ناولوں کا مطالعہ کرنا پسند کرتے تھے..... اس کے علاوہ وہ اخبار کے آرٹیکل اور مختصر کہانیاں بھی بڑی خوشی کے ساتھ پڑھتے تھے.....

انہیں خوش کرنے کے لئے..... جیسا کہ میں اب بڑا ہو چکا تھا اور انگریزی کے مطالعہ میں بھی کسی قدر پیش رفت اور ترقی کر چکا تھا..... میں 19 ویں صدی کے فرانس کے لکھاری کی مختصر کہانیوں کا اردو میں ترجمہ کر کے انہیں سناتا تھا..... غیر ملکی شائع شدہ ادب کے ساتھ یہ میرا اولین تعارف تھا اور میں لکھاری کے پلاٹ کے ڈھانچے اور داستان گوئی کی اہمیت سے مسحور ہو جاتا تھا..... وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ میں انگریزی اور یورپ کے دیگر لکھاریوں کی تحریریں پڑھتے ہوئے اپنے طرز اظہار کو فروغ دے رہا تھا..... یہ وہ تحریریں تھیں جو برنس اسکول کی لائبریری میں موجود تھیں.....

مجھے درست طور پر یاد نہیں کہ ایوب صاحب کی ریڑھ کی ہڈی کب زخمی ہوئی تھی..... لیکن مجھے اتنا یاد ہے کہ وہ کشمیر میں گھوڑے سے گرے تھے..... آغا جی ایک کاروباری دورے پر کشمیر گئے تھے اور آغا صاحب انہیں اور نور صاحب کو اپنے ہمراہ لے گئے تھے..... درحقیقت آغا جی کشمیر کے مخصوص پھلوں میں دلچسپی رکھتے تھے اور سال میں کشمیر کے کچھ دورے کیا کرتے تھے تاکہ وہاں کے مخصوص پھل بمبئی منگوانے کے لئے وہاں کے بیوپاریوں کے ساتھ معاملات طے کر سکیں اور مطلوبہ پھل بمبئی منگوانے کا بندوبست بھی کر سکیں.....

ریڑھ کی ہڈی متاثر ہونے کی وجہ سے ایوب صاحب کو بستر پر دراز رہنا تھا یا محض وہیل چیئر پر

www.urdupoint.com
itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

بیٹھنا تھا.....تقریباً ایک برس تک وہ یا تو بستر پر دراز رہے یا پھر وہیل چیئر پر بیٹھ کر اپنا وقت گزارتے رہے .....ان دنوں آرتھوپیڈک علاج معالجہ اس قدر ترقی یافتہ نہ تھا جس قدر آج کل ہے لہٰذا اس قسم کے زخموں کی شفایابی میں کافی زیادہ وقت صرف ہوتا تھا.....

مجھے یاد ہے آغا جی کیسے ایوب صاحب کے پاس بیٹھ کر اس کی جانب دیکھا کرتے تھے..... اس وقت ان کی آنکھوں میں نمی تیر رہی ہوتی تھی جو ان کے اندرونی کرب کی عکاسی کرتی تھی.....ان کا وہ بیٹا جو غیر معمولی ذہانت اور تخلیقی توانائی کے عطیے سے مالا مال تھا اور وہ اپنی کرسی سے حرکت کرنے کے بھی قابل نہ تھا.....میرے والدین کے رشتے دار جو ڈیولالی میں ہم سب سے ملاقات کرنے کے لئے آتے تھے ان کی تعداد زیادہ نہ تھی.....ان میں سے مجھے ایک چچا یاد ہیں جن کا نام غلام محمد تھا.....وہ اردو شاعری سے بخوبی آشنا تھے.....وہ ایوب صاحب کے ساتھ وقت گزارتے تھے اور ایوب صاحب جو شاعری سپرد قلم کرتے تھے اس کی وہ تعریف کرتے تھے اور اسے سراہتے تھے.....

میرا ایک ہم جماعت تھا جو اسکول کا بدمعاش تھا.....اس کا جثہ مجھ سے دوگنا تھا اور وہ مجھے اور میرے دوستوں کے ایک مختصر سے حلقے کو اکثر دھمکیاں دیتا رہتا تھا.....اسکول کے راستے میں ایک میدان واقع تھا جہاں پر ہم کھیلا کرتے تھے.....میرے پاس ایک سائیکل تھی اور میں کبھی کبھار اپنی سائیکل پر سوار ہو کر اسکول جاتا تھا اور کبھی کبھار میں بھاگ کر اسکول جاتا تھا اور یہ ایک ایسا تجربہ تھا جس سے میں لطف اندوز ہوتا تھا.....

واپس اسکول کے بدمعاش کی جانب آتے ہیں.....وہ ایک مقامی بیکری کے مالک کا بیٹا تھا .....اس کے باپ کی بیکری ایک مشہور و معروف بیکری تھی.....ایک دن جب کہ میں اسکول سے واپس آرہا تھا اس نے مجھے پکڑ لیا اور مجھے گھونسے رسید کرنے شروع کر دیے.....میں اکیلا تھا اور میں اس سے مار کھاتا رہا اور میں نے اس وقت اس سے بدلہ لینے کی کوئی کوشش نہ کی.....

کافی دنوں کے بعد.....میرے دوستوں نے اور میں نے موقع پا کر اسے پکڑ لیا اور اس کی اچھی خاصی پٹائی کر دی.....ہم نے اس کی جو پٹائی کی وہ لڑکوں میں بحث کا موضوع بن گئی اور لڑکے اس پر بڑھ چڑھ کر تبصرے کرنے لگے.....اس نے میرے ساتھ جو کچھ کیا تھا وہ محض میں ہی جانتا تھا لیکن جو کچھ ہم نے یعنی میرے دوستوں اور میں نے اس کے ساتھ کیا تھا اسے سب جانتے تھے.....

اس وقت اس کا باپ شہر سے باہر تھا.....لہٰذا ہم جانتے تھے کہ یہ خبر پرنسپل صاحب تک نہیں پہنچے گی.....

اسی ویک اینڈ پر.....آغا جی کی واپسی متوقع تھی اور اماں نے انہیں ریلوے اسٹیشن سے لانے کے لئے مجھے ریلوے اسٹیشن روانہ کر دیا.....اسٹیشن پر میرا حریف.....وہ بدمعاش اپنے ڈیڈی کے انتظار میں مصروف تھا جو اسی گاڑی سے سفر طے کر رہا تھا

©جملہ حقوق بحق ادارہ اُردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

جب آغا جی گاڑی سے باہر نکلے..... اس وقت بیکر بھی گاڑی سے برآمد ہوا..... میں خاموشی سے چلتا ہوا آغا جی کے پیچھے جا کھڑا ہوا..... میں اپنے چھ فٹ لمبے چوڑے چکلے اور مضبوط شانوں کے حامل آغا جی کے پیچھے تقریباً چھپ گیا جبکہ وہ بدمعاش اپنے دبلے پتلے اور منحنی سے باپ کے پیچھے چھپنے کی ناکام کوشش کرتا رہا..... اگلی صبح جب اسکول جاتے ہوئے راستے میں میری اس کے ساتھ مڈبھیڑ ہوئی تب میں نے محسوس کیا کہ وہ میری نظروں سے اوجھل ہونے کی بھرپور کوشش کرتا ہوا دکھائی دے رہا تھا ..... اس نے نہ صرف اپنی رفتار بڑھا دی تھی بلکہ اس نے بھاگنا شروع کر دیا تھا..... اس کے رویے سے ایسا ہی دکھائی دیتا تھا جیسے وہ مجھ سے خائف تھا..... میرے دوست جو میرے ہمراہ چل رہے تھے انہوں نے اس کی اس تبدیلی کو بخوبی محسوس کیا..... اس دوپہر جب ہم واپس گھر کی جانب جا رہے تھے..... میں اور میرے دوست ایک پہاڑی کی اوٹ میں چھپ گئے..... ہم اس کی آمد کا انتظار کرنے لگے..... وہ ہم سے پیچھے رہ گیا تھا اور کلاس میں ہی بیٹھا رہا تھا جیسے وہ ظاہر کر رہا تھا کہ اس نے کوئی نہ کوئی کام کرنا تھا..... چند منٹ انتظار کرنے کے بعد ہم نے اسے آتے ہوئے دیکھا..... وہ اکیلا تھا..... جیسے ہی وہ ہمارے قریب پہنچا میں نے اپنے دل کو تیزی کے ساتھ دھڑکتا ہوا محسوس کیا..... ہم نے فوری طور پر اسے گھیر لیا اور اس کی پٹائی کر دی.....

"وہ اس قدر خاموش کیوں ہے؟ اس کی خیریت دریافت کرو اور دیکھو کیا وہ ٹھیک ٹھاک ہے؟"

میں نے انہیں کہتے ہوئے سنا جب کہ وہ میرے کمرے سے گزر کر اپنے کمرے میں داخل ہوئے جہاں پر اماں کسی چیز کی تلاش میں مصروف تھیں جسے وہ کہیں رکھ کر بھول گئی تھیں.....

بے شک اماں بہتر جانتی تھیں..... انہوں نے اپنی نرم اور مہربان آواز میں مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا:.....

www.UrduPoint.com

"مجھے امید ہے تم نے ایسا کوئی کام نہیں کیا ہے جسے تم مجھ سے چھپانا چاہتے ہو۔"

میں نے محض اپنا سر ہلا دیا اور اپنی نگاہ فرش پر جمائے رکھی حتیٰ کہ وہ وہاں سے چلی گئیں..... ہمیشہ کی طرح ان کے پاس کرنے کے لئے کام موجود تھا..... یہ کام کچن میں بھی ہو سکتا تھا یا باغیچے یا پچھواڑے والے برآمدے میں بھی ہو سکتا تھا.....

میں تصور کر رہا تھا کہ اگلے دن اسکول میں کیا رونما ہونے والا تھا..... پرنسپل صاحب کو شکایت موصول ہو گی اور مجھے اور میرے دوستوں کو طلب کیا جائے گا..... میں اب سنجیدگی کے ساتھ سوچ رہا تھا کہ کاش میں نے ایسے رویے کا مظاہرہ نہ کیا ہوتا..... میرا ضمیر جو امن و سکون سے محبت کرتا تھا..... وہ ہلچل کا شکار تھا..... مزید برآں میرے اندر چھپا پٹھان مجھے ملامت کر رہا تھا کہ ہم نے اسے اکیلے میں پکڑ لیا تھا..... اسے اس بات کی خبر تک نہ تھی..... اور ہم نے اسے اپنے انتقام کا نشانہ بنایا تھا.....

اگلے دن میں کسی قدر جلد اسکول جا پہنچا..... میں نے بیکر اور اس کے بیٹے کو پرنسپل کے کمرے میں دیکھا..... الفاظ کا تبادلہ کرنے کے بعد..... وہ باہر نکلے اور لڑکے کو اس کی کلاس میں جانے کے لئے کہا گیا..... تھوڑی دیر بعد میں نے آغا جی کو تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے چل کر پرنسپل کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا..... انہوں نے بھی چند الفاظ کا تبادلہ کیا اور باہر نکل آئے..... میں سانس روکے محو انتظار تھا..... اور حیران تھا کہ آغا جی کیوں میرے اسکول میں آئے تھے..... وہ کیا تھا جو انہیں میرے اسکول میں لایا تھا..... اس وقت میری حیرت کا کوئی انتہا نہ رہی جب میں نے یہ دیکھا کہ پرنسپل

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

صاحب بھی باہر آئے اور وہ سب کے سب باتیں کر رہے تھے اور ہاتھ ملا رہے تھے.....لڑکے کا باپ آغا جی کے بالمقابل کھڑا تھا اور آغا جی جو کچھ کہہ رہے تھے اسے بغور سن رہا تھا.....آخر میں آغا جی نے بیکر کے کندھے پر تھپکی دی اور وہ اسکول سے باہر نکل گئے.....

میں اپنے کلاس روم میں چلا آیا اور پہلی قطار میں اپنی نشست سنبھال لی.....میں نے اپنے دوستوں کی جانب دیکھا اور وہ خوش باش دکھائی دے رہے تھے.....اس کے بعد میں نے اس لڑکے کی جانب دیکھا اور حیران رہ گیا کہ وہ بھی میری طرف دیکھ کر مسکرا رہا تھا..... جب اسکول سے چھٹی ہوئی .....وہ ہمارے ساتھ چل کر واپس گھر کی جانب آ رہا تھا.....ہنستے اور مسکراتے ہوئے جیسا کہ کچھ بھی وقوع پذیر نہ ہوا تھا.....

بطور ایک نوعمر لڑکا میں ڈیولالی کے سرسبز ماحول میں بے انتہا خوش تھا.....پشاور میں ایک آزاد اور جوش و جذبے سے بھرپور بچپن گزارنے کے بعد.....میں خوشی خوشی کھلے مقامات پر گھوم پھر رہا تھا..... وادیوں میں موجود چشموں اور ندی نالوں سے لطف اندوز ہوتا تھا اور تازہ ہوا میں سانس لیتا تھا.....میں ڈیولالی میں قیام پذیر رہتے ہوئے بے حد خوش تھا..... جب ہم یہاں پہنچے تھے اس وقت میں عجیب و غریب احساسات کا حامل تھا کہ میں نے اپنا خوش باش بچپن پشاور میں رخصت کیا تھا.....یہاں کی مٹی کی خوشبو بھی پشاور کی مٹی کی خوشبو کی مانند تھی.....آب و ہوا کامل تھی اور ہمارے باغ میں پھول کھلتے تھے اور درختوں پر پھل لگتے تھے.....باغ کی رکھوالی کے لئے مالی اور اس کی بیوی موجود تھی جو یوپی کی بولی بولتے تھے (تب متحدہ صوبہ جات کہلاتے تھے اور مابعد اتر پردیش کہلائے) جو مجھے مسحور کر دیتی تھی..... بہت برس بعد..... جب میں نے فلم گنگا جمنا (1961ء میں نمائش کے لئے پیش کی گئی) کے ڈائیلاگ پر کام کرنے کا آغاز کیا.....یہ وہی بولی تھی جو میرے ذہن میں آئی اور بار بار میرے کانوں میں گونجنے لگی.....

اماں اکثر مجھے مالی کے گھر بھیجا کرتی تھیں یا تو مالی کو بلانا مقصود ہوتا تھا یا پھر آغا جی بمبئی سے ہمارے لئے جو سوغات لاتے تھے اس کا کچھ حصہ مالی کو پہنچانا ہوتا تھا.....اماں ہمیشہ ایسے لوگوں کے ساتھ فیاضی برتتی تھیں جو ہماری خدمت کی سرانجام دہی پر مامور ہوتے تھے.....وہ ان کے ساتھ ہمیشہ نرم اور مہربان لہجے میں بات کرتی تھیں.....حتیٰ کہ وہ جب کبھی ان پر ناراض ہوتی تھیں اور ان کی سرزنش کرنا مقصود ہوتا تھا.....وہ ایسا کرتے ہوئے ان کی عزت نفس مجروح نہیں کرتی تھیں.....

ڈیولالی ایک دلکش اور دل آویز مقام تھا.....یہی وجہ تھی کہ اس مقام کا تصور اس وقت میرے ذہن میں ابھرا جب ہم ''گنگا جمنا'' کے اسکرین پلے کے لئے لوکیشن کی تفصیلات طے کر رہے تھے..... پہاڑیاں.....میدان.....درخت.....ندی نالے اور چشمے وغیرہ اس وقت میری آنکھوں کے سامنے گھومنے لگے جب میں اپنے ذہن میں ''گنگا جمنا'' کی تصویر کشی کر رہا تھا.....اپنے ماضی میں غوطہ زن ہوتے ہوئے.....میں نے محسوس کیا کہ ڈیولالی نے بھی مجھے اسی قدر تخلیقی سوچیں فراہم کی تھیں جس قدر سوچیں پشاور کی سرزمینوں..... پہاڑوں اور وادیوں نے فراہم کی تھیں..... میں اس امر پر اعتقاد رکھتا ہوں کہ بچپن کے تصورات ذہن کے ساتھ چمٹے رہتے ہیں اور وہ اس طور غیر متوقع طور پر آپ کی آنکھوں کے سامنے ظہور پذیر ہو سکتے ہیں جس طور ایک غیر متوقع مہمان آپ کے گھر کے عقبی دروازے سے داخل ہو کر آپ کو ایک محبت بھرا سرپرائز دیتا ہے.....

''گنگا جمنا'' کے لئے اپنی آؤٹ ڈور لوکیشن کی تلاش کے دوران میں نے اپنے کچھ بچپن کے مقامات کی جانب اپنی نگاہ دوڑائی اور ان تک رسائی حاصل کی.....اگرچہ ماحول میں بے حد تبدیلی رونما

itsurdu.blogspot.com

ہو چکی تھی لیکن میں نے آشنائی کی حامل فضا میں سانس لیتے ہوئے بے حد خوشی محسوس کی.....

چھاؤنی کا علاقہ تبدیل نہ ہوا تھا..... میں نے فوری طور پر یاد کیا کہ میں کیسے افسران کو گھورا کرتا تھا جو اپنی اسمارٹ وردیوں میں ملبوس ہوتے تھے اور کبھی کبھار میں یہ دیکھ کر حیران ہو جایا کرتا تھا کہ وہ کس قدر پھرتی کے ساتھ گھوڑے پر سوار ہوتے تھے اور وہ کس قدر پر اعتماد ہوتے تھے.....

انگریز افسران کے گھر مجھے مسحور کر دیتے تھے..... ان کے لان بے حد خوبصورت تھے اور ان کی بخوبی دیکھ بھال اور نگہداشت کی جاتی تھی..... ان کے لان میں آم اور دیگر پھلوں کے درخت لان کی رونق میں اضافہ کر رہے ہوتے تھے..... ان کے لان میں انگریزی پھولوں کے پودوں کے علاوہ انڈین پھولوں کے پودے بھی موجود ہوتے تھے..... اس کے علاوہ مختلف سائز کے حامل گلاب کے پھول بھی اپنا جوبن دکھا رہے ہوتے تھے.....

ہمارا اپنا گھر بھی بہت بڑا تھا اور اس میں سامنے ایک پھولوں کا باغ تھا اور عقب میں ایک کچن باغ تھا.....

انگریز خواتین کی مانند ہم بھی برآمدے میں براجمان ہوتے تھے..... اماں اور آنٹیاں جو پشاور سے ہم سے ملاقات کرنے کے لئے آئی تھیں وہ بھی ہمارے گھر کے برآمدے میں براجمان ہوتی تھیں اور موسم سرما میں دوپہر کی نرم اور گرم دھوپ سے لطف اندوز ہوتی تھیں اور اس دوران سلائی کڑھائی اور بُنائی وغیرہ کا کام کرتی رہتی تھیں.....

ڈیولالی اور پُونا (اب پُون..... بمبئی سے 150 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع) میری زندگی میں خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔

©جملہ حقوق بحق ادارہ اُردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔

(C)-www.UrduPoint.com itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

اگر ڈیولالی نے اپنے میدانوں..... پہاڑوں اور وادیوں کے ساتھ پشاور میں گزارے گئے میرے بچپن کے ابتدائی ایام کی یاد تازہ کرنے کے ساتھ ساتھ انہیں بحال بھی کیا..... پونا نے مجھے خود اعتمادی کا شعور بخشا اور اپنے کردار کو فروغ دینے کا بنیادی موقع فراہم کیا.....

ڈاکٹر نے جب یہ محسوس کیا کہ ایوب صاحب صحت کے حوالے سے بہتری کی راہ پر گامزن تھے تب آغا جی نے ہمیں دوبارہ بمبئی میں منتقل ہونے کا مشورہ دیا اور ہم بمبئی میں کرافورڈ مارکیٹ کے قریب واقع اپنے گھر میں دوبارہ واپس آ گئے ..... اماں ایک مرتبہ پھر اس بڑے اپارٹمنٹ کی صفائی ستھرائی میں مصروف تھیں اگرچہ ان کے پاس اپنی معاونت کے لئے ملازمین بھی موجود تھے..... ہماری فیملی میں بھی اضافہ ہوا تھا۔ ممتاز کے بعد میرے چھوٹے بھائی ناصر نے جنم لیا تھا..... میرے بہن بھائی ایک ڈیڑھ سال کے وقفے کے بعد ایک ایک کر کے پہنچتے رہے..... اماں دمہ کی بیماری میں مبتلا تھیں اور وہ سانس کی آمد و رفت میں خوفزدہ کر دینے والی دقت محسوس کرتی تھیں.....

آغا جی نے محض میری تعلیم کے لئے وسائل تلاش نہ کرنے تھے بلکہ میرے تمام چھوٹے بہن بھائیوں نے بھی تعلیم حاصل کرنا تھی ..... اس وقت کساد بازاری کا آغاز ہو چکا تھا جب میں نے ہائی اسکول میں داخلہ لیا تھا اور مابعد خالصہ کالج میں داخلہ لیا تھا جو وسطی بمبئی میں واقع تھا..... گھر سے انجمن اسلام اسکول جانا آسان تھا کیونکہ یہ پیدل کا راستہ تھا اس لئے سہولت تھی لیکن خالصہ کالج جانے کے لئے ٹرام پر سوار ہونا پڑتا تھا.....

اب مجھے یاد نہیں ہے کہ میں روزانہ کہاں سے الیکٹرک ٹرام پر سوار ہوتا تھا..... غالباً کرافورڈ مارکیٹ سے..... لیکن ٹرام کے سفر کے حوالے سے میرے ذہن میں محبت بھری یادداشتیں ہنوز محفوظ ہیں جس کا اختتام دادار پر ہوتا تھا (وسطی بمبئی میں ایک اور مقام) ..... میرا خیال ہے کہ اسے بیسٹ (BEST) چلاتی تھی یعنی بمبئی الیکٹرک سپلائی اینڈ ٹرانسپورٹ..... جو سڑک پر بسیں بھی چلاتے تھے..... میں بس کی سواری سے بڑھ کر ٹرام کی سواری سے لطف اندوز ہوتا تھا کیونکہ جب یہ اسپیڈ پکڑتی تھی تب بے تحاشہ شور کرتی تھی..... میرے کالج کے کچھ دوست تھے جو روزانہ ٹرام سے سفر کرتے تھے اور کسی نہ کسی طرح کنڈیکٹر کو جل دے دیتے تھے جو سفر کے لئے ٹکٹیں دیتا تھا..... وہ اپنی اس کارروائی پر بے حد خوش ہوتے تھے..... ٹکٹ خریدے بغیر سفر کرنے پر میں اپنے دوستوں کو دوش نہیں دیتا کیونکہ ٹرام کے کنڈیکٹر بھی سستی اور نظر اندازی کا مظاہرہ کرتے تھے اگرچہ بس کے کنڈیکٹر ایسا نہ کرتے تھے..... ایسے ایام بھی آتے تھے جب میں ٹرام پکڑنے کے لئے سڑک پر دوڑ لگاتا تھا..... ہوا میرے چہرے سے ٹکراتی تھی..... اور میں اس قسم کے عمل سے نہ صرف خوش ہوتا تھا بلکہ لطف اندوز بھی ہوتا تھا.....

جب بمبئی میں ٹرام سروس بند کر دینے کی خبر اخبارات کی زینت بنی اور وہ خبر لوگوں کی نظروں سے گزری تب میں بھی ان ہزاروں لوگوں میں شامل تھا جن پر یہ خبر گراں گزری تھی اور میں بھی اپنے دل میں دکھ محسوس کر رہا تھا.....

31 مارچ 1964ء کو بے تحاشہ لوگ وسطی بمبئی میں ٹرام کے آخری سفر کو الوداع کہنے کے لئے موجود تھے..... اگر میں بھی اس وقت نوجوان یوسف خان ہوتا..... جو بمبئی کی الیکٹرک ٹراموں میں سفر طے کرتا تھا..... اور اسٹار دلیپ کمار نہ بنا ہوتا..... تب میں بھی ان لوگوں میں ضرور شامل ہوتا.....

آغا جی نے میرے لئے عظیم سپنے سجا رکھے تھے..... وہ چاہتے تھے کہ میں حصول تعلیم کی اپنی جستجو جاری و ساری رکھوں اور متاثر کن ڈگری حاصل کروں..... ان کی حتمی خواہش او بی ای دیکھنے کی تھی

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

(آرڈر آف برٹش ایمپائر)..... وہ چاہتے تھے او بی ای میرے نام کے نام جڑا ہوا ہو..... (اس وقت انڈیا برطانوی حکمرانی کے تحت تھا).....

ایک مرتبہ میں نے اپنی اماں سے تذکرہ کرتے ہوئے سنا تھا:.....

''وہ تمہاری سوچ سے بڑھ کر اہل ہے..... اسے پھل فروخت نہیں کرنے چاہئیں..... اسے قانون کا مطالعہ کرنا چاہیے..... اسے باہر جا کر اپنی تعلیم مکمل کرنی چاہیے..... اس میں کچھ نہ کچھ بننے کی امکانی قوت موجود ہے۔''

آغا جی نے جو کچھ میرے لئے سوچا تھا وہ اماں کی زبانی سن کر مجھے بے حد خوشی محسوس ہوئی لیکن میں خوش ہونے کے ساتھ ساتھ خائف بھی تھا..... کیا میں ان کی امیدوں پر پورا اتر سکوں گا؟ اگرچہ میں فطری طور پر ہونہار اور اہل تھا..... مجھے یقین تھا میں فٹ بال کا ایک کامیاب کھلاڑی بن سکتا تھا بشرطیکہ میری حوصلہ افزائی کی جاتی اور میرے ساتھ دست تعاون دراز کیا جاتا..... لیکن او بی ای؟ میں اس امید پر کیسے پورا اتروں گا؟

میں ایک شوقین قاری تھا..... میں انگریزی اور اردو لکھاریوں کو پڑھنے میں لطف محسوس کرتا تھا..... میں فطری اعتبار سے ایک شرمیلا اور لئے دیے رہنے والا نوجوان تھا لیکن میں نے کالج میں چیدہ چیدہ لڑکوں کو اپنا دوست بنا لیا تھا..... خالصہ کالج میں برسوں بعد راج کپور سے میری ملاقات ہوئی..... راج کا دادا..... دیوان بششیں ورناتھ کپور..... پشاور میں ہمارے ساتھ ملاقات کرنے کے لئے آیا کرتا تھا..... جیسا کہ پہلے تذکرہ کیا جا چکا ہے..... اور دونوں خاندان بمبئی میں بھی بڑی گرمجوشی کے ساتھ ایک دوسرے سے ملے..... یہ وہی گرمجوشی تھی جس کے لئے پٹھان مشہور ہیں..... ایک جیسی زبان بولنے کی خوشی اور مسرت..... پشتو..... دونوں خاندانوں کے لئے بذات خود کوئی خصوصی چیز تھی..... آغا جی کسی قدر زبانوں پر عبور رکھتے تھے..... وہ پشتو کے علاوہ پنجابی بھی اسی طرح بول سکتے تھے جس طرح لاہور کے رہائشی پنجابی اپنی پنجابی زبان بولتے تھے..... اس کے علاوہ وہ اردو اور فارسی بھی بول سکتے تھے اور سمجھنے سمجھانے کے لائق انگریزی بھی بول سکتے تھے..... جب ہم بمبئی منتقل ہوئے تب وہ ہندوستانی اور گجراتی سے بھی آشنا ہوئے جوان کے میمن اور جواہر دوست بولتے تھے.....

بمبئی میں ہماری رہائش گاہ کے دروازے آغا جی اور اماں کے دوستوں کے لئے ہمیشہ کھلے رہتے تھے.....

جس بلڈنگ میں ہم مقیم تھے اس کے قریب ہی دو منزلہ مکانات تھے جن میں میمن اور بوہرا خاندان مقیم تھے..... ان خاندانوں کی خواتین کی اماں کے ساتھ گہری دوستی تھی اور ان کی دوستی اماں کے علاوہ میری بڑی بہن سکینہ کے ساتھ بھی تھی جو ہم بہن بھائیوں میں سب سے بڑی تھی.....

ایک میمن خاتون تھی جس کا نام بیسابی تھا جو دوپہروں کو باقاعدگی کے ساتھ ہم سے ملاقات کرتی تھی اور اماں کے ساتھ ختم نہ ہونے والی بات چیت جاری رکھتی تھی اور دونوں خواتین دل کھول کر قہقہے بھی لگاتی تھیں..... اس کی اماں سے گاڑھی دوستی تھی اور وہ میرے نین نقش کی تعریف کرتے ہوئے مجھے اکثر ہراساں کرتی تھی.....

حقیقت یہ ہے کہ میں اپنے شرمیلے پن پر قابو نہ پا سکا اگرچہ میری عمر بیس برس ہو چکی تھی لیکن میرا شرمیلا پن ہنوز برقرار تھا..... مجھے راج پر رشک آتا تھا جو اس وقت تک میرا دوست بن چکا تھا کیونکہ ہم دونوں کے خاندان ایک مرتبہ پھر ایک دوسرے کے قریب آ چکے تھے..... ہماری پشاور کے ایام کی دوستی

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

اب مزید آگے بڑھ رہی تھی..... راج کالج کی لڑکیوں کے ساتھ بڑی سہولت سے بات چیت کر لیتا تھا اور وہ اپنی فطری دل کشی کی بنا پر قابل غور حد تک مقبول تھا..... اگر اس مرحلے پر میری بابت کوئی متاثر کن چیز تھی..... یہ کھیلوں میں میری کارکردگی کے علاوہ انگریزی اور اردو ادب کے ساتھ میری شناسائی تھی.....

کھیل کے میدان میں..... جبکہ میں فٹ بال یا ہاکی کی کھیل رہا ہوتا تھا..... میں مکمل طور پر پرسکون ہوتا تھا اور اپنی ساری توجہ اپنے کھیل پر مرکوز رکھتے ہوئے باقی ہر چیز فراموش کر دیتا تھا..... میں فٹ بال کے کھیل کو بے حد پسند کرتا تھا..... مجھے اس کھیل سے بے پناہ محبت تھی..... میں اس کھیل کو سنجیدگی کے ساتھ اور پیشہ وارانہ طور پر کھیلنا چاہتا تھا..... میں نے اپنے جیب خرچ کا ایک ایک روپیہ بچایا اور کھیل کے مہنگے اور آرام دہ جوتے خریدے..... میں نے یہ جوتے جس دوکان سے خریدے تھے وہ میٹرو سینما (جنوبی بمبئی میں) کے قریب واقع تھی..... میں میٹرو کے پیچھے واقع گراؤنڈ میں پیدل چل کر جایا کرتا تھا جہاں پر ہم کھیلتے تھے اور پریکٹس بھی کرتے تھے..... آغا جی برا نہیں مناتے تھے اگر میں کالج سے چھٹی کرنے کے بعد کوپر ریگ گراؤنڈ پر فٹ بال کا کھیل دیکھنے کے لئے چلا جاتا تھا (یہ گراؤنڈ بھی جنوبی بمبئی میں واقع ہے) یا جہاں کہیں بھی میچ کھیلا جا رہا ہوتا تھا اور اگر میں ان سے فاضل رقم کا مطالبہ کرتا تھا وہ تب بھی برا نہیں مناتے تھے..... وہ اس سوچ کے ساتھ خوش ہوتے کہ یہ بیٹا جس پر انہیں اعلیٰ تعلیم کی امید تھی اور او۔ بی۔ ای کی امید تھی وہ زیادہ سے زیادہ وقت لائبریریوں میں گزار رہا تھا اور کالج میں شاذ و نادر ہی لیکچر چھوڑتا تھا.....

انہوں نے وکلاء..... ڈاکٹروں اور پروفیسر وغیرہ کو دوست بنا رکھا تھا..... یہ وہ لوگ تھے جو ان کی پھلوں کی دوکان پر آتے تھے اور وہ جب گھر واپس آتے تھے تو فخر محسوس کرتے تھے اور ان کی بابت میرے ساتھ بات کرتے ہوئے بھی فخر محسوس کرتے تھے..... میں ان کے ساتھ بے تکلفی سے گفتگو کیا کرتا تھا..... وہ مجھے چیدہ چیدہ پھل دے کر ان کے گھروں میں بھیجا کرتے تھے اور وہ مجھے گھر میں تیار کردہ مٹھائیوں..... بریانی اور دیگر پکوانوں سے نوازتے تھے..... وہ آغا جی کا جس قدر احترام کرتے تھے میں اسے محسوس کرنے میں کبھی ناکام نہ ہوا تھا جو درحقیقت ان کے لئے پھلوں کے ایک تاجر سے بڑھ کر تھے اور ان کے تمام ملنے والے ان کا ادب و احترام کرتے تھے..... اگرچہ انہوں نے روایتی تعلیم حاصل نہ کی تھی جو ان کے بچپن اور جوانی کے دور میں پشاور میں مفقود تھی..... وہ فطری دانشمندی اور ثقافت کے ایک شخص تھے..... وہ اپنے ادب آداب..... طور طریقوں..... بول چال اور سوچ کے حوالے سے کسی بھی تعلیم یافتہ شخص سے کم نہ تھے بلکہ ان کے مساوی حیثیت کے حامل تھے..... اگرچہ وہ بمبئی کے آبائی رہائشی نہ تھے لیکن وہ کسی بھی لحاظ سے اہل بمبئی سے پیچھے نہ تھے..... آغا جی کے دوست زندگی کے مختلف میدانوں سے تعلق رکھتے تھے اور وہ اپنے دوستوں کی صحبت میں بے حد پراعتماد دکھائی دیتے تھے..... وہ اپنی متاثر کن شخصیت اور شکل و شباہت کی وجہ سے ان میں متاثر کن اور نمایاں دکھائی دیتے تھے..... وہ ایک خوبصورت اور دلکش پٹھان تھے اور ان کی یہی خوبی انہیں اس وقت مقامی مسلمانوں سے نمایاں اور ممتاز بناتی تھی جب ہم نماز جمعہ کی ادائیگی کے لئے جامع مسجد (کرافورڈ مارکیٹ کے قریب) جاتے تھے.....

©جملہ حقوق بحق ادارہ اُردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔

(C)-www.UrduPoint.com itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

ہمارے علاقے میں مسلمانوں کی غالب اکثریت تھی لیکن آغا جی کے ہندو اور عیسائی دوست بھی تھے جن کے دفاتر اور دوکانیں قریبی علاقوں میں واقع تھیں مثلاً بہنڈی بازار..... محمد علی روڈ..... مسجد بندر وغیرہ

وہاں پر ایک اچھا پارسی بھی آغا جی کا دوست تھا..... جس کی دوکان کرافورڈ مارکیٹ کے قریب واقع تھی جہاں سے آغا جی گھریلو استعمال کے لئے اور پشاور میں موجود اپنے رشتے داروں کے لئے کراکری کی خریداری کرتے تھے..... وہ ایک اچھی حس مزاح کا حامل شخص تھا اور آغا جی کی صحبت سے لطف اندوز ہوتا تھا اور جن دنوں مارکیٹ بند ہوتی ان دنوں وہ آغا جی سے ملنے کے لئے بکثرت ہمارے گھر آیا کرتا تھا

ایک دوسری قسم کا دوست بھی موجود تھا جس کا دوکان پر ہر سائز اور رنگ کی پتنگیں فروخت ہوتی تھیں ..... وہ محلے کے لڑکوں کو سستے داموں پتنگیں فروخت کرتا تھا..... اس کی دیگر دوکانیں اور کاروبار بھی تھے اور وہ ایک خوشحال فرد تھا.....

ماہ جنوری میں اس کی دوکان میں نئی پتنگوں کی آمد ہوتی تھی اور ہم نے پتنگ بازی کے اپنے گروپ تشکیل دینے میں کبھی وقت ضائع نہ کیا تھا..... یہ ایک ایسا کھیل تھا جس سے میں بے حد لطف اندوز ہوتا تھا..... شام کے وقت ٹیرس جوشیلے پتنگ بازوں سے کھچا کھچ بھرا ہوتا تھا اور پتنگ بازی کے مقابلوں سے شرکت کرنے کے لطف کا اپنا ہی رنگ ہوتا تھا..... اپنے حریف کی پتنگ کاٹ کر بڑا لطف آتا تھا..... میں ہر مرتبہ پتنگ بازی کے مقابلے جیت لیتا تھا.....

پتنگوں اور پتنگ بازی کے لئے میری محبت اس وقت بھی جاری رہی جب میں ایک مصروف اداکار بن چکا تھا اور ہمارا کنبہ بندرا (مغربی بمبئی میں ایک علاقہ) والے مکان میں منتقل ہو چکا تھا ہمارے گھر کے تہہ خانے میں بڑے بڑے صندوق رکھے ہوئے تھے..... ان میں سے ایک صندوق میں میری پتنگیں ہوتی تھیں جن کی خریداری میں گجرات..... راجھستان..... تامل ناڈو..... اور آندھرا پردیش کے چھوٹے چھوٹے قصبوں سے کرتا تھا.....

خالصہ کالج میں..... میرے محض چند ایک دوست تھے..... راج کپور میرا قریبی دوست بن چکا تھا اور وہ مجھے اپنے گھر میں لے جایا کرتا تھا جو ماٹنگا (MATUNGA) میں واقع تھا جہاں اس کا باپ پرتھوی راج اور اس کی سنجیدہ اور متین بیوی ہر وقت گھر کے دروازے کھلے رکھتے تھے کیونکہ ان کے بیٹے اور پرتھوی راج کے بھائی اور ان کی بیوی کے بھائی متواتر آتے جاتے رہتے تھے..... پرتھوی راج کی متاثر کن اور مرعوب کرنے والی شخصیت اور ان کی گرمجوشی اور صلح جو فطرت نے انہیں علاقے کی ایک ہر دلعزیز اور مقبول شخصیت بنا دیا تھا..... درحقیقت میں راج کے کنبے میں اپنے آپ کو مکمل طور آرام دہ اور پرسکون محسوس کرتا تھا..... کپور اعتدال پسند اور دوستانہ تھے..... وہ ہر کسی کو اپنے دل میں سما لیتے تھے اور خود بھی ہر کسی کے دل میں سما جاتے تھے..... میں نوجوان چچاؤں اور بھتیجوں کی دعوتوں میں شریک ہوتا تھا اور رتی برابر بھی شرم محسوس نہ کرتا تھا..... جیسا کہ انڈیا کے تمام اچھے خاندانوں میں ہوتا ہے..... بطور خاندان کا سربراہ پرتھوی رات کے عزت واحترام میں کبھی کمی دیکھنے میں نہ آئی تھی اگرچہ اس نے اپنے بیٹوں اور بھائیوں کو آزادی اور کھلی چھٹی دے رکھی تھی..... وہ ان پر اپنی خواہشات نافذ کرنے کے حق میں نہ تھا..... وہ اس امر پر یقین رکھتا تھا کہ اس کے بیٹے ایسے افراد کے طور پر پروان چڑھیں کہ ان کی انفرادی شخصیت جوں کی توں برقرار رہے.....

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

میں نے یہ جو تمام تفصیلات بیان کی ہیں ان کے بیان کرنے کا ایک مخصوص مقصد ہے..... یہ اس لئے بیان کی گئی ہیں کہ ان قارئین کو مطلع کیا جا سکے..... جو غلط فہمی کی بنا پر یہ تصور کرتے ہیں کہ راج کپور اور میں محض زبانی کلامی دوستی کا اعتراف کرتے تھے جب کہ ہمارے درمیان گہری پیشہ وارانہ رقابت موجود تھی..... یہ کہ ہماری دوستی محض دو ایسے افراد کی دوستی نہ تھی جو ایک ہی پیشے سے وابستہ تھے بلکہ ہمارا بندھن ایک ایسا بندھن تھا جس کی جڑیں اعتماد اور احترام میں پیوست تھیں.....

اس وقت راج کے چھوٹے بھائی شمی اور ششی اسکول میں پڑھتے تھے..... راج کو فٹ بال کے کھیل میں محض اس قدر دلچسپی تھی جس قدر کالج کے دیگر طلباء کو تھی..... کالج کے زیادہ تر طالب علم کرکٹ میں بے انتہا دلچسپی رکھتے تھے اور راج بھی فٹ بال کا ایک کھلاڑی ہونے کی بجائے کرکٹ کا ایک کھلاڑی تھا..... لیکن اس نے فٹ بال کا کھیل بھی کھیلا تھا اور جب وہ اس کھیل کے لئے میرا جوش ..... جذبہ اور ولولہ محسوس کرتا تھا اور اس کھیل کے ساتھ میری لگن کو محسوس کرتا تھا تب وہ میری گراں قدر حوصلہ افزائی کرتا تھا..... اپنی خوبصورتی اور نیلی آنکھوں کی چمک سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس نے بہت سی لڑکیوں کے ساتھ دوستی کا رشتہ استوار کر رکھا تھا اور اس کا کھیل دیکھ کر لڑکیاں جب تالیاں بجاتی تھیں اور اسے داد دیتی تھیں تب وہ غیر معمولی توجہ اور جذبے کے ساتھ اپنا کھیل پیش کرتا تھا..... وہ پیدائشی دلکشی کا حامل تھا.....

جب وہ مجھے کالج اور اپنی کلاس کی لڑکیوں سے متعارف کرواتا تھا تب میں ان کے ساتھ کم بات کرتا تھا اور میری اولین ترجیح یہ ہوتی تھی کہ وہی ان کے ساتھ باتیں کرے..... راج جس آسانی کے ساتھ ان میں گھل مل جاتا تھا میں اس کے اس رویے کی تعریف کرتا تھا جب کہ میں بذات خود ان کی صحبت میں زیادہ دیر تک موجود رہنے سے ہچکچاتا تھا.....

مجھے وہ موقع یاد ہے جب راج نے میرا حوصلے اور جرأت کی آزمائش کرنے کی کوشش کی تھی .....اس نے مجھے بتایا کہ کالج میں زیر تعلیم ایک خوبصورت لڑکی مجھ سے متعارف ہونا چاہتی تھی اور اس نے کچھ فاصلے پر کھڑی ایک لڑکی کی جانب اشارہ کیا..... اس نے مجھ پر زور ڈالا کہ میں جاؤں اور اس لڑکی سے بات کروں..... اس وقت ہمارے ارد گرد چند لڑکے اور لڑکیاں بھی موجود تھیں اور راج مجھ پر دباؤ ڈال رہا تھا کہ میں اس لڑکی کے پاس جاؤں..... میں بے حد ہراساں تھا اور میں نے اسے بتایا کہ میں وہ کام نہیں کر سکتا تھا جب کہ کئی آنکھیں مجھے گھور رہی تھیں..... تب اس نے کہا:.....

''ٹھیک ہے آؤ ہم کینٹین میں چلتے ہیں..... اس نے لڑکی کو اشارہ کیا کہ وہ بھی کینٹین میں پہنچ جائے اور میری بدقسمتی کہ وہ عین اسی میز پر موجود تھی جس میز کی جانب راج مجھے اپنے ہمراہ لے کر بڑھ رہا تھا..... لہٰذا مجھے اس لڑکی سے بات کرنا پڑی اور میرا خیال ہے اس لڑکی نے محسوس کیا کہ اگر اس نے مجھے اپنا دوست بنایا تب اس کا یہ کام اس کا وقت ضائع کرنے کے مترادف ہوگا..... لہٰذا چند منٹ بعد اٹھ کر کھڑی ہوئی اور ہمیں چھوڑ کر چلی گئی۔''

راج مجھے میرے شرمیلے پن سے نجات دلانا چاہتا تھا..... ایک شام وہ ہمارے گھر آیا اور اصرار کرنے لگا کہ ہم تاج محل کے بالمقابل چہل قدمی کرنے کے لئے چلتے ہیں..... میں فوراً آمادہ ہو گیا .....ہم نے بس پر سوار ہونے کا فیصلہ کیا..... اس نے کہا:.....

''آؤ ہم تانگہ پر سواری کرتے ہیں۔''

میں نے اس کی پیش کش کے ساتھ اتفاق کیا..... ہم تانگہ پر سوار ہو گئے اور عین اس وقت

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

جب تانگے والا چھانٹا مار کر اپنے گھوڑے کو اسٹارٹ کرنے ہی والا تھا..... راج نے اسے ایسا کرنے سے روک دیا..... اس نے فٹ پاتھ پر کھڑی دو پارسی لڑکیوں کو دیکھ لیا تھا..... انہوں نے مختصر سے فراک پہنچ رکھے تھے اور کسی بات پر آپس میں ہنس رہی تھیں..... راج نے انہیں گجراتی میں مخاطب کیا کیونکہ پارسی گجراتی زبان بولتے تھے..... لڑکیوں نے گھوم کر اس کی جانب دیکھا..... راج نے بڑے مہربانہ انداز میں ان سے پوچھا کہ اگر انہوں نے کہیں جانا ہے تو ہم انہیں وہاں ڈراپ کر دیں گے..... لڑکیوں نے یہ سوچا ہوگا کہ وہ بھی ایک پارسی تھا..... اس کی اجلی رنگت اور اچھے نین نقش اسے پارسی ہی ظاہر کر رہے تھے ..... انہوں نے کہا کہ انہیں ریڈیو کلب کے قریب جانا تھا..... اگر زحمت نہ ہو تو انہیں وہاں تک لفٹ دے دی جائے..... راج نے ان سے کہا کہ آؤ اور تانگے میں سوار ہو جاؤ..... میں پر تجسس انداز میں اپنا سانس روکے بیٹھا تھا اور نہیں جانتا تھا کہ وہ کیا کرنے جا رہا تھا..... دونوں لڑکیاں تانگے میں سوار ہو گئیں اور ایک لڑکی راج کے ساتھ بیٹھ گئی جب کہ دوسری لڑکی بالمقابل سیٹ پر میرے ساتھ بیٹھ گئی..... میں نے اس لڑکی کے لئے کافی زیادہ جگہ چھوڑ دی تا کہ وہ آرام کے ساتھ بیٹھ جائے لیکن راج نے اس قسم کا کوئی کام نہ کیا..... اس نے لڑکی کو بھی اپنے عین قریب بٹھایا..... اور ایک منٹ کے بعد..... وہ اس طرح باتیں کر رہے تھے جیسے آپس میں پرانے دوست ہوں..... راج نے اپنا ہاتھ لڑکی کے شانے پر رکھا تھا اور لڑکی اس کی اس حرکت سے رتی برابر بھی پریشان نہ ہوئی تھی جب کہ میں ہراساں ہو کر سکڑ کر بیٹھا ہوا تھا..... راج خوشی خوشی اس لڑکی کے ساتھ گپ شپ لڑا رہا تھا.....

ریڈیو کلب کے قریب وہ دونوں لڑکیاں تانگے سے اتر گئیں اور میں نے سکھ کی سانس لی..... یہ راج کا اپنا ایک انداز تھا جسے وہ محض اس لئے اختیار کرتا تھا کہ میں خواتین کی صحبت میں اپنے آپ کو آرام دہ اور پر سکون محسوس کر سکوں..... وہ فطری دلکشی کا حامل تھا اور شرم تو اس کے قریب سے بھی نہیں گزری تھی..... وہ کوئی اوچھی اور سفلا نا حرکت نہیں کرتا تھا بلکہ وہ محض شرارتی واقع ہوا تھا.....

پرتھوی راج کا بیٹا ہونے کے ناطے وہ کالج کیمپس میں بے حد مقبول تھا اور لڑکیاں اس کے ارد گرد منڈلاتی رہتی تھیں..... وہ جانتا تھا کہ وہ ایک ایسے پیشے سے منسلک ہونے جا رہا تھا جہاں شرم کی کوئی گنجائش موجود نہ تھی..... مجھے کوئی خبر نہ تھی کہ میرے مقدر میں میرے لئے کیا لکھا تھا..... اس وقت میری جو خواہش تھی وہ یہی تھی کہ میں ملک کا بہترین اور مایہ ناز فٹ بال کھلاڑی بن جاؤں.....

درحقیقت میں کھیل کی دنیا میں اپنا مقام بنانے کے حوالے سے بے حد سنجیدہ تھا اور میں اپنے آپ کو اس کیریئر کے لئے بخوبی تیار کر رہا تھا..... کالج سے چھٹی کرنے کے بعد ہر شام..... میری یہ روٹین تھی کہ میں میٹرو سینما کے عقب میں واقع گراؤنڈ میں چلا جاتا تھا (جہاں آج کل ہوم گارڈز ڈویژن کا ہیڈ کوارٹر واقع ہے) اور فٹ بال کھیلتا تھا ان لوگوں کے ساتھ جو میری طرح کھیل کی دنیا میں اپنا کیریئر بنانے کے خواہاں تھے اور اس حوالے سے بے حد سنجیدہ تھے.....

میٹرو کے قریب ایک دوکان تھی جہاں سے میں نے اپنے اسپورٹس جوتے خریدے تھے اور اس کے علاوہ اپنا اولین کرکٹ بیٹ (بلا) بھی خریدا تھا..... اگرچہ فٹ بال میری اولین محبت اور ترجیح تھی۔۔ لیکن میں نے کرکٹ بھی جوش اور جذبے کیساتھ کھیلا تھا۔ میں ایک اچھا اتھلیٹ بھی تھا اور میں نے اسکول اور کالج میں اتھلیٹ کے مقابلوں میں حصہ بھی لیا تھا۔ میں دو سو میٹر کی ہر ایک دوڑ میں فتح یاب ہوتا تھا.....

©جملہ حقوق بحق ادارہ اُردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

اسپورٹس (کھیلوں) میں میری دلچسپی کو دیکھتے ہوئے آغا جی خوش ہوتے تھے اور میری اس دلچسپی پر فخر بھی کرتے تھے..... میں جب کبھی ایک ٹرافی جیت کر یا ایک سرٹفکیٹ حاصل کر کے گھر آتا تھا وہ میری پیٹھ پر تھپکی دیتے تھے اور اس میدان میں میری کامیابی پر فخر و ناز کرتے تھے.....

وہ میری اس دلچسپی سے نالاں نہ تھے بلکہ کھیلوں میں میری دلچسپی دیکھتے ہوئے میری حوصلہ افزائی بھی کرتے تھے ان کا خواب تھا کہ وہ مجھے قانون جیسے پیشے سے وابستہ دیکھنا چاہتے تھے یا پھر سول سروس میں دیکھنے کے خواہاں تھے.....

میں ذاتی طور پر یہ محسوس کرتا تھا کہ کبھی وہ وقت نہ آیا تھا کہ میں آغا جی پر یہ انکشاف کرتا کہ میری اپنی یہ خواہش تھی کہ میں یا تو فٹ بال چیمپئن بنوں یا پھر کرکٹ چیمپئن بنوں ..... میں اپنی اس خواہش کا اظہار فی الحال نامناسب سمجھتا تھا..... میرا خیال تھا کہ مناسب وقت آنے پر میں آغا جی کے سامنے اپنی اس خواہش کا اظہار کر دوں گا.....

بہر کیف وہ میرے لئے جو خواب اپنی آنکھوں میں سجائے بیٹھے تھے میں اس سے بھی بخوبی آشنا تھا اور میرے حوالے سے ان کے جو خواب تھے میں ان کی تکمیل میں کرنے کا خواہاں تھا.....

میں یہ بھی سوچا کرتا تھا کہ عین ممکن ہے کہ میں کاروباری میدان میں اپنی قسمت آزمائی کروں.....

تھوڑے بہت انداز میں مَیں نے ہمیشہ آغا جی کی مدد کرنے اور ان کا ہاتھ بٹانے کی بھی کوشش کی تھی ..... میں ان کے کاروبار کا حساب کتاب بھی رکھتا تھا اور ان کی کاروباری آمدن اور خرچے کی تفصیلات بھی درج کرتا تھا.....

اس وقت میرے علم میں نہ تھا کہ قادر مطلق اللہ نے میرے مقدر میں کیا لکھا تھا اور مجھے کیا کرنا تھا.....

www.UrduPoint.com

باب نمبر 6

پونا کا درمیانی زمانہ

(THE POONA INTERLUDE)

''اس رات جب میں اپنے کمرے میں تنہا بیٹھا تھا..... میرے تحت الشعور میں جیلر کے الفاظ گونج رہے تھے اور فخر و ناز کا ایک شعور جو میرے اندر سمایا ہوا تھا کہ میں نے گاندھی جی کے پیروکاروں کے ساتھ ایک رات جیل میں گزاری تھی..... اگرچہ یہ چند عارضی لمحات کے لئے تھا..... میں بے خوف و خطر اپنے ملک اور اپنے ہم وطنوں کے لئے اپنے فخر و ناز کا اظہار کر رہا تھا۔''

مجھے یاد نہیں ہے کہ کب عین درست طور پر لیکن میں اپنی اوائل عمری میں تھا جب میں اضطراری طور پر پونا (اب پون) کے لئے روانہ ہوا..... میں نے آغا جی کے ساتھ ایک معمولی سے اختلاف کی بنا پر بمبئی سے پونا کی جانب رخت سفر باندھا..... ہمارے درمیان درشت الفاظ کا تبادلہ نہ ہوا تھا یا اس قسم کی کوئی چیز منظر عام پر نہ آئی تھی..... کسی معمولی سی بات پر وہ مجھ سے ناراض ہو گئے تھے اور ان کا مزاج برہم ہو گیا تھا اور میں ہنوز نہیں جانتا کہ اس لمحے مجھے کیا ہو گیا تھا..... ہم میں سے کوئی بھی اس وقت ان کی آنکھوں میں جھانکنے کی جرأت نہیں کرتا تھا جب وہ غصے میں ہوتے تھے اور اس دن..... میں نے خاموشی کے ساتھ گھر چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا تھا..... میرے دل میں غصے کے جذبات سے بڑھ کر اپنی تذلیل کے جذبات موجزن تھے.....

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

دوسری جنگ عظیم جاری تھی اور خاندان ایک بحران کا شکار تھا اور یہ بحران ایک مالی بحران تھا کیونکہ پھل کے کاروبار سے ہونے والی آمدنی منقطع ہو چکی تھی..... اس کی وجہ یہ تھی کہ شمال مغربی صوبہ سرحد سے پھلوں کی سپلائی بحال رکھنا مشکل ہو چکا تھا اور اس کی وجہ تجارت اور ذرائع نقل وحمل پر پڑنے والے جنگ کے اثرات تھے..... غیر ضروری اجناس کی نقل وحمل پر پابندی عائد کر دی گئی تھی..... اس کی وجہ یہ تھی کہ ریل گاڑی کی بوگیاں اسلحہ اور سپاہ کی آمد و رفت کے لئے استعمال کی جا رہی تھیں..... ہمارے تمام باغات پشاور میں تھے اور یہاں کوئی اراضی موجود نہ تھی جسے ہم اپنی ملکیت کہہ سکتے تھے.....

میں اس عدم تحفظ کو محسوس کر سکتا تھا جسے آغا جی مستقبل کے بارے میں محسوس کر رہے تھے..... ہمارا خاندان ایک بڑا خاندان تھا جو بے شمار بیٹیوں اور بیٹوں پر مشتمل تھا..... میری پیاری اور مہربان اماں پہلے ہی سے دمے کے مرض میں مبتلا تھیں اور میرے بھائی ایوب صاحب بھی زیر علاج تھے..... ان کی ریڑھ کی ہڈی اس وقت متاثر ہوئی تھی جب وہ گھوڑے سے گرے تھے..... یہ حادثہ اس وقت پیش آیا تھا جب وہ کشمیر سے تازہ سیبوں کی سپلائی کے انتظام وانصرام میں مصروف تھے اور اس حادثے کے بعد سے اب تک بستر پر دراز تھے..... اس کے علاوہ ہماری دو پھوپھیاں بھی مستقل طور پر بمبئی میں ہمارے ساتھ گھر میں مقیم تھیں..... وہ جس طرح پشاور میں اماں کے لئے بے آرامی کا باعث بنی رہتی تھیں اسی طرح یہاں بھی وہ اماں کے لئے بے آرامی کا باعث بنی رہتی تھیں جب کہ اماں کو کچن میں مصروف رہنا پڑتا تھا.....

میں آغا جی کی کچھ نہ کچھ مدد کرنا چاہتا تھا..... میں آغا جی کے ساتھ مالی تعاون کرنے کا خواہاں تھا اور میری کوشش تھی کہ گھر کا خرچہ چلانے کے لئے میں کسی قدر آمدنی کی سبیل پیدا کروں تا کہ آغا جی کے ساتھ مالی دست تعاون دراز کرتے ہوئے ان کا ہاتھ بٹاؤں..... لیکن مجھے کوئی آئیڈیا نہ تھا کہ مجھے کیا کرنا چاہیے اور کس طرح گھر کے اخراجات چلانے کے لئے آمدنی کی فاضل سبیل پیدا کرنی چاہیے.....

میری بڑی بہن سکینہ آپا بھی شادی کی عمر کو پہنچ چکی تھی اور وہ اماں کے لئے ایک متواتر غم وفکر کا باعث بنی ہوئی تھی کیونکہ وہ ان زنانہ جوبیوں اور نرمی طبیعت سے محروم تھیں جو لڑکیوں کے والدین کو اپنے لڑکوں کی دلہنوں میں مطلوب ہوتی ہے..... سکینہ آپا گھر کی حکمران تھیں اور انہوں نے غالباً یہ جابرانہ اور آمرانہ طور طریقے میری دادی سے وراثت میں پائے تھے..... وہ احمقانہ معاملات پر اماں کے ساتھ ختم نہ ہونے والی بحث کرتی رہتی تھیں..... وہ چاہتی تھیں کہ اماں محض ان کی انگلی پر چلیں..... وہ اماں کو محض اپنی انگلی پر چلنے اور بذات خود فتح یاب ہونے کے لئے اماں کے ساتھ طویل بحث مباحثے میں مصروف رہتی تھیں.....

میں محسوس کر سکتا تھا کہ آغا جی کا ذہن غیر یقینی مستقبل کے بوجھ کا شکار تھا اور مجھے اس رویے کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے تھا جس رویے کا مظاہرہ میں نے اس صبح کیا تھا..... میں نے جس وقت گھر چھوڑا تھا اس وقت میری جیب میں محض چالیس روپے موجود تھے اور میں بوری بندر اسٹیشن سے پونا جانے والی ریل گاڑی پر سوار ہوا تھا..... میں درجہ سوم کے ڈبے میں ہر قسم کے مردوں اور عورتوں کے ہجوم میں بیٹھا ہوا تھا..... میں نے اس سے قبل کبھی درجہ سوم میں سفر طے نہیں کیا تھا اور مجھے یقین تھا کہ آغا جی کے کسی جاننے والے نے مجھے درجہ سوم کے ریل گاڑی کے ڈبے میں سوار ہوتے ہوئے نہیں دیکھا تھا کیونکہ آغا جی ہمیشہ اپنے بیٹوں کو ہر چیز اور ہر کام میں بہترین عطا کرنے کے عادی تھے اور ہم سب کے سب ہمیشہ درجہ اول میں سفر طے کرنے کے عادی تھے.....

اس صبح میں نے اس لئے درجہ سوم میں سفر کرنے کا فیصلہ کیا تھا کیونکہ میرے پاس محدود رقم تھی اور میں نے کوئی نہ کوئی ملازمت تلاش کرنے تک اسی محدود رقم میں گزارا کرنا تھا.....

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

جب میں پونا اسٹیشن پر اترا..... میں اندرونِ خانہ ہنوز یہ سوچ رہا تھا کہ آغا جی کیوں مجھ پر ناراض اور غصے ہوئے تھے اور یہ سوچ کر میرا دل زخمی ہو رہا تھا کہ آغا جی کو اس انداز سے مجھ سے غصے نہیں ہونا چاہیے تھا..... اگر دوران سفر میری یہ خلش رفع دفع ہو جاتی..... تب عین ممکن تھا کہ میں واپسی کا ٹکٹ کٹوا کر گھر واپس لوٹ جاتا اور گھر کے آرام وسکون سے دوبارہ بہرہ مند ہو جاتا اور میں اپنی اماں کی بابت بھی جانتا تھا کہ وہ غم اور فکر کے ساتھ پاگل ہو جائیں گی اور جب ان کے علم میں آئے گا کہ میں گھر سے غائب ہو چکا تھا.....

درحقیقت میں آغا جی پر یہ ثابت کرنا چاہتا تھا کہ انہوں نے ہمیں جو گھریلو آرام وسکون اور تحفظ فراہم کر رکھا تھا میں اس سے منہ موڑ کر بھی بقا پذیر رہ سکتا تھا..... حیرانی کی بات ہے کہ میرے بڑے بھائی نور صاحب نے کبھی اس انداز سے محسوس نہ کیا تھا جس انداز سے میں محسوس کرتا تھا..... وہ یہ سمجھتے کہ آغا جی اسے رقم فراہم کرنے کے لئے ہمیشہ موجود رہیں گے..... وہ کبھی یہ سوچ کر پریشان نہ ہوئے تھے بلکہ انہوں نے یہ کبھی سوچا ہی نہ تھا کہ آغا جی کے لئے رقم کمانا کس قدر مشکل تھا..... وہ رقم جو گھر چلانے کے لئے اور ہم سب کو آرام وسکون سے ہمکنار کرنے کے لئے کمانا ضروری تھی..... وہ اس رائے کے حامل تھے کہ خاندان کی لڑکیوں کو اسکول اور کالج جانے کی کوئی ضرورت نہ تھی..... وہ مجھے بھی قائل کرنے کی کوشش کرتے تھے..... کیونکہ میں بھی آغا جی کے اس فیصلے کی حمایت کرتا تھا کہ ہماری بہنیں اسکول میں اور مابعد کالج میں ان مضامین میں تعلیم حاصل کریں جن مضامین میں وہ دلچسپی رکھتی تھیں.....

میرا خیال تھا کہ میں نے گھر چھوڑ کر مہم جوئی کی تھی اور ایک ایسے شہر کا رخ کیا تھا جہاں میں کسی کو بھی نہیں جانتا تھا..... جہاں میری جان پہچان والی کوئی ہستی موجود نہ تھی اور مجھے وہاں پر ملازمت کے مواقع میسر آنے کے حوالے سے بھی کوئی معلومات نہ تھیں..... پونا پہنچنے کے بعد..... پہلے میں ایک ایرانی کیفے میں گیا جہاں میں نے چائے اور خستہ کراری نمکین بسکٹوں کا آرڈر دیا..... میں خوشی محسوس کر رہا تھا کہ میں نے ایک ایسے شہر کا انتخاب کیا تھا جو میرے گھر سے کوسوں دور تھا جہاں میں گمنامی کی زندگی بسر کروں گا اور کسی بھی قسم کی ملازمت تلاش کر سکوں گا..... بمبئی میں میں ایسا ہرگز نہیں کر سکتا تھا..... کیونکہ لوگ مجھے سرور خان کے بیٹے کے طور پر جانتے تھے اور اگر میں ایسی ملازمت بمبئی میں اختیار کر لیتا جو ہمارے سماجی رتبے اور مرتبے کے عین مطابق نہ ہوتی تب آغا جی کے فخر و ناز کو ٹھیس پہنچتی.....

میں نے کیفے کے ایرانی مالک کے ساتھ فارسی میں گفتگو کی..... میری اس کارروائی کی وجہ سے وہ بے حد خوش ہوا..... میں نے اسے سرسری طور پر پوچھا کہ کیا اس کے علم میں کوئی ایسا ادارہ ہے جسے شاپ اسسٹنٹ یا اسی قسم کے کسی کام کے لئے اہلکار کی ضرورت درکار ہو..... اس نے مجھے بتایا کہ میں ایک ایسے ریسٹورنٹ میں قسمت آزمائی کروں جو اس کے کیفے سے زیادہ دور نہ تھا اور جس کا مالک ایک اینگلو..... انڈین جوڑا تھا.....

یہ موسم سرما کی ایک خوبصورت صبح تھی..... اور آسمان جزوی طور پر ابر آلود تھا..... بادلوں کی اوٹ سے سورج جھانک رہا تھا اور بادل اس قدر تیزی سے حرکت کر رہے تھے جیسے انہیں جلد از جلد کہیں پہنچنا تھا..... میں نے ایرانی کیفے سے باہر نکل کر دن کی خوبصورتی کا بخوبی نظارہ کیا اور اس کے بعد اپنے مطلوبہ ریسٹورنٹ کی جانب گامزن ہو گیا.....

©جملہ حقوق بحق ادارہ اُردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔

(C)-www.UrduPoint.com

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

میری تیز تیز چلنے کی عادت تھی..... لہٰذا میں جلد ہی مطلوبہ ریسٹورنٹ تک جا پہنچا..... یہ ایک عجیب وغریب اور انوکھا ریسٹورنٹ تھا..... اس کے دروازے ان لوگوں کے لئے کھلے تھے جو باقاعدگی کے ساتھ وہاں آتے تھے..... میرا موڈ ایک اچھا انگریزی ناشتہ کرنے کا تھا..... مزید ایک دوسرے سے زیادہ قریب نہ تھیں اور ان صاف ستھرے میز پوش پڑے ہوئے تھے.....

محض ایک ہی ویٹر موجود تھا جو ایک میز سے دوسری میز کی جانب بھاگ دوڑ میں مصروف تھا ..... وہ لوگوں کو آملیٹ اور ڈبل روٹی کے توس پیش کر رہا تھا..... میں شروع سے ہی آملیٹ کا دیوانہ تھا..... آملیٹ کی خوشبو مجھے دعوت دے رہی تھی لیکن پہلے میں نے اپنے مقصد کا تعاقب کرنے کا فیصلہ کیا.....

میں اس جوڑے کے پاس جا پہنچا جو کیش کاؤنٹر پر آپس میں گفتگو میں مصروف تھا..... میں جب ان کے پاس پہنچا تب چند لمحوں کے لئے انہوں نے میری موجودگی کو محسوس نہ کیا..... وہ ایک ایسے گاہک کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے جو ان کا ایک باقاعدہ گاہک تھا اور کچھ دنوں سے وہ ریسٹورنٹ میں نہیں آ رہا تھا اور میرا خیال تھا کہ وہ برطانوی فوج کے ایک سپاہی کی بابت بات کر رہے تھے.....

جب انہیں میری موجودگی کا احساس ہوا..... میں نے فی الفور اپنا تعارف کروایا اور اپنے بارے میں زیادہ انکشاف نہ کیا..... میں نے ایرانی کیفے کے مالک کا حوالہ بھی دیا جس نے مجھے ان کے پاس بھیجا تھا..... خاتون میری بات سن کر مسکرانے لگی اور مسکرانے پر اس کے خوبصورت رخساروں پر گڑھے نمایاں ہوئے اور اس کی خوبصورتی میں مزید اضافہ کرنے لگے..... اس نے اپنے اونچے لمبے اور چوڑے چکلے شوہر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:.....

''لڑکا اچھی انگریزی بولتا ہے..... اسے کینٹین کے ٹھیکیدار کے پاس بھیج دیتے ہیں۔''

مسٹر ویلسلے ..... میرا خیال ہے اس کا یہی نام تھا..... اس نے محتاط انداز میں میری جانب دیکھا..... اپنی بیوی کی سفارش پر میری جانب قرار واقعی توجہ دی..... اور مجھ سے دریافت کیا..... میرا تعلق شمالی مغربی صوبہ سرحد سے تھا..... جب میں نے اثبات میں جواب دیا تب اس نے مجھے بتایا کہ وہ آرمی کینٹین ٹھیکیدار کی بابت جانتا تھا کہ وہ بھی پشاور کا آبائی رہائشی تھا اور پونا میں آ کر آباد ہوا تھا اور ایک محترم اور معزز شخص تھا..... یہ وہ چیز تھی جس سے میں خائف تھا..... کوئی بھی شخص جس کا تعلق پشاور سے تھا وہ آغا جی کے جاننے والوں میں سے ہو سکتا تھا اور یہ امر میرے لئے باعث مصیبت ثابت ہو سکتا تھا اگر آغا جی کے پاس پونا میں میری ملازمت کی خبر جا پہنچتی..... لیکن میں نے ان تمام سوچوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے مسٹر ویلسلے سے کہا کہ میں ان کا شکر گزار ہوں گا اگر وہ میری سفارش کرتے ہیں..... وہ مان گئے اور اگلا کام جو میرے ایجنڈے پر تھا وہ یہ تھا کہ رہائش اختیار کرنے کے لئے کوئی جگہ تلاش کی جائے..... کسی ہوٹل میں ایک کمرہ جہاں صاف ستھرا بستر اور گرم پانی کی سہولت کے ساتھ غسل خانہ بھی موجود ہو ..... میں نے مسٹر ویلسلے سے پوچھا اگر وہ مجھے ایسے کسی ہوٹل کے بارے میں بتا سکتے ہیں..... انہوں نے مجھے ایک ایسے ہوٹل میں بھیج دیا جو ان سہولیات سے مزین تھا جو مجھے درکار تھیں.....

اس رات اپنے کمرے میں تنہا بیٹھا میں نے پہلی مرتبہ والدین سے جدائی کا درد محسوس کیا..... بالخصوص اماں سے جدائی کا درد..... میں ان کی مجبوری اور لاچاری کا بخوبی تصور کر سکتا تھا..... میں جانتا تھا کہ انہوں نے محسوس کیا تھا کہ آغا جی کو میرے ساتھ اس قدر طیش میں نہیں آنا چاہیے تھا لیکن ان سے سوال کرنا یا ان کی مخالفت کرنا ان کی فطرت میں شامل نہ تھا..... میں نے انہیں کبھی ایک دوسرے سے اختلاف رائے کرتے ہوئے یا ایک دوسرے کے قریب بیٹھتے ہوئے نہ دیکھا تھا..... ان کے تعلقات

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

مفاہمت.....بھروسہ.....عزت واحترام اور پیار ومحبت پر مبنی تھے.....وہ فوری تشویش کے بارے میں جو کچھ ایک دوسرے کو بتانے کے خواہش مند ہوتے تھے.....خواہ یہ گھر کا کچن چلانے کے لئے مالی ضروریات ہوں.....جس کا دروازہ مہمانوں کے لئے دن بھر کھلا رہتا تھا جو آغا جی کی صحبت اور مہمان نوازی سے لطف اندوز ہوتے تھے یا نور صاحب کے سماجی روابط ہوں.....اس کا زیادہ تر حصہ ان کہا ہی رہ جاتا تھا.....

میں تادیر نیند کی آغوش میں نہ سما سکا کیونکہ مجھے اماں کی یاد ستا رہی تھی اور اس لوری کی یاد ستا رہی تھی جو وہ مجھے اس وقت سنا کر سلاتی تھیں جب میں بہ آسانی سو نہیں سکتا تھا.....

تاہم اپنے پاؤں پر کھڑا رہنے کا میرا عزم اور ایک اچھی آمدنی کمانے کا میرا عزم میری اولین ترجیح تھی اور میرا یہی عزم میرے ذہن پر چھایا ہوا تھا اور اپنے مقصد کا شعور جو میرے ذہن میں اجاگر تھا اس نے جلد ہی میرا ملال اور اداسی ختم کر دی اور میں جلد ہی نیند کی وادی میں جا پہنچا.....

اگلی صبح.....میں کینٹین کے ٹھیکیدار کے دفتر کی جانب روانہ ہوا.....میں دل میں دعا مانگ رہا تھا کہ اسے مجھے پہچاننا نہیں چاہیے.....میں کیا دیکھتا ہوں کہ میں پشاور سے آغا جی کے دوست کے چھوٹے بھائی کے سامنے کھڑا تھا.....وہ میرے ساتھ نرمی سے پیش آیا اور اس نے مجھے بیٹھنے کیلئے کہا.....میرے سامنے جو شریف آدمی موجود تھا وہ تاج محمد تھا اور اس کا بڑا بھائی فتح محمد تھا او بی ای (آرڈر آف برٹش ایمپائر).....جب میں نے اپنا تعارف کروایا تب اس کے چہرے پر مجھے پہچاننے کی کوئی علامت موجود نہ تھی.....میں نے اسے بمبئی سے ملازمت کی تلاش کیلئے آنے والے ایک امیدوار کی حیثیت سے اپنا تعارف کروایا.....میں اس کے پس منظر سے بخوبی آگاہ تھا کیونکہ آغا جی اپنے ان دوستوں کے ساتھ اپنی گفتگو میں اس کے نام کا تذکرہ کیا کرتے تھے جو پونا سے ان سے ملاقات کرنے کیلئے آتے تھے.....

تاج محمد خان بھی ایک پٹھان تھے اور انہوں نے پٹھان ہونے کے ناطے مجھ سے کوئی سوال نہ پوچھا.....انہوں نے مجھے ایک کاغذ تھمایا اور اس کے ساتھ ایک قلم بھی مجھے تھما دیا اور کینٹین مینیجر کے نام ایک درخواست مجھے تحریر کروانے لگے جس میں مجھے اپنے اسسٹنٹ (معاون) کے طور پر ملازمت عطا کرنے کی استدعا کی گئی تھی.....میں تابعداری کے ساتھ وہ سب کچھ تحریر کرتا رہا جو کچھ وہ مجھے تحریر کرواتے رہے اور ان کی بولی گئی انگریزی کی بھی تصحیح کرتا رہا کیونکہ انگریزی زبان کے ساتھ ان کی زیادہ آشنائی نہ تھی.....وہ میری اس کارکردگی سے اگرچہ متاثر ہوئے تھے لیکن انہوں نے اس کا اظہار نہ کیا تھا کیونکہ وہ اپنی سبکی نہ چاہتے تھے.....

درحقیقت مینیجر ایک معاون کی تلاش میں تھا جو اس کے کام کے بوجھ میں تخفیف کر سکے.....اس کے کندھوں پر واقعی ہی کام کا بہت زیادہ بوجھ تھا اور وہ اس بوجھ میں کمی چاہتا تھا.....کینٹین کا روزمرہ کا انتظام وانصرام چلانا ہی ایک دقت طلب کام تھا.....وہ بے حد خوش تھا کہ میں روانی کے ساتھ انگریزی میں بات چیت کر سکتا تھا.....اس نے مجھے میرا کمرہ دکھایا اور گرمجوشی کے ساتھ مجھ سے ہاتھ ملاتے ہوئے میری ملازمت پکی ہونے کی مجھے یقین دہانی بھی کروا دی.....اگرچہ تنخواہ طے نہ کی گئی تھی بلکہ تنخواہ کی بابت سرے کوئی بات چیت ہی نہ ہوئی تھی لیکن میرا خیال تھا کہ تنخواہ پرکشش ہو سکتی تھی اور اس قدر کافی ہو سکتی تھی کہ میں اپنے آپ کو بخوبی مالی سہارا دے سکتا تھا.....

ملازمت کے حصول کی میری جو فوری ضرورت تھی اس کی بخوبی تکمیل ہو چکی تھی اور اس طرح مجھے کامیابی کا ایک عظیم شعور حاصل ہوا تھا اور میں خوش تھا.....میں اس شہر میں موجود تھا جہاں پر میں ایک

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

اجنبی تھا اور میں نے نہ صرف ملازمت حاصل کر لی تھی بلکہ مجھے ایک عمدہ رہائش بھی میسر آ چکی تھی.....

گزشتہ دن میں جو اجنبیت اور تنہائی محسوس کر رہا تھا اس میں خاطر خواہ کمی واقع ہو چکی تھی.....آگے بڑھنے کے لئے بہت کچھ موجود تھا اور میں نے سوچا تھا کہ میں آغا جی پر ثابت کر سکتا تھا کہ میں اس قدر ناقدرہ نہ تھا جس قدر ناقدرہ انہوں نے مجھے اس دن بنا دیا تھا جس دن وہ مجھ پر برہم ہوئے تھے اور مجھے اپنے طیش اور غصے کا نشانہ بنایا تھا.....

میری ملازمت کے حوالے سے مجھ پر بے تحاشہ ذمہ داریاں عائد ہوتی تھیں اور یہ ذمہ داریاں ''جنرل مینجمنٹ'' کے عنوان کے تحت آتی تھیں.....

میری ذمہ داریوں میں درج ذیل اسٹارک کی پڑتال شامل تھی:.....

☆ پھل ☆ کریانہ ☆ سبزیاں ☆ انڈے

☆ دودھ ☆ مکھن ☆ پنیر

مجھے اس اسٹاک کی روزانہ پڑتال سرانجام دینی ہوتی تھی اور مارکیٹ سے تازہ اسٹارک حاصل کرنا ہوتا تھا اور اسٹاک کی خریدار میں یہ احتیاط مقدم رکھنی ہوتی تھی کہ دوکان دار دھوکے سے باسی اسٹاک تازہ اسٹاک قرار دیتے ہوئے ہمارے ہاتھ فروخت نہ کر دیں.....مجھے یہ یقین دہانی بھی حاصل کرنا ہوتی تھی کہ کچن اور اس کا ماحول صاف ستھرا اور حفظان صحت کے اصولوں کے عین مطابق ہونا چاہیے تھا.....تالاب اور تالاب کے پانی کی صفائی ستھرائی بحال رکھنا بھی میری ذمہ داری میں شامل تھا .....وہ بار جو آرمی کلب اراکین موسم گرما کی دوپہروں کو بکثرت استعمال کرتے تھے اس میں بیئر اور الکحل کی آمیزش والے دیگر مشروبات کے اسٹاک سے مزین رکھنا اور خواتین کے لئے فروٹ جوس اسٹاک میں رکھنا بھی میری ذمہ داری میں شامل تھا.....آخر میں .....میں نے کیش کی آمد و رفت کے رجسٹر اور کھاتے بھی تیار کرنا ہوتے تھے.....جس وقت کینٹین مینیجر مجھے میری ذمہ داریاں بتا رہا تھا اس وقت میرا ذہن مجھے اس سے یہی پوچھنے پر مجبور کر رہا تھا کہ اس کے پاس بطور مینیجر کرنے کے لئے کیا کام باقی رہ گیا تھا اگر وہ تمام کام مجھے سونپے جا رہا تھا جنہیں وہ شمار کر رہا تھا.....

مینیجر اور فروخت کنندگان کے درمیان ساز باز تھی جس کے بارے میں مجھے اس وقت علم ہوا جب میں نے کچھ مال مسترد کر دیا جس کا معیار قابل قبول نہ تھا اور جسے زیادہ قیمت کے عوض خریدا جا رہا تھا .....جن پیپوں میں بیئر ذخیرہ کی گئی تھی ان میں برف اور ٹھنڈے پانی کی آمیزش کی جا رہی تھی تا کہ اس کی مقدار میں اضافہ کیا جا سکے اور میں بڑی ذمہ داری کے ساتھ یہ معاملہ مینیجر کے علم میں لایا.....اس نے مجھے مشورہ دیا کہ میں اس کارروائی کو نظر انداز کر دوں اور جو کچھ چل رہا تھا اسے جوں کا توں چلنے دوں.....

میں نے جلد ہی یہ محسوس کر دیا کہ مینیجر جو کچھ کر رہا تھا مجھے اس سے دور ہی رہنا چاہیے.....خواہ وہ قانونی تھا یا غیر قانونی.....میرا خیال تھا کہ وہ جو کچھ کر رہا تھا اس سے میری نظر اندازی کی اس نے خاطر خواہ قدر دانی کی تھی اور میری اس روش کو سراہا تھا اور اس کے جواب میں میرے ساتھ اس کا رویہ بے حد عمدہ تھا.....مجھے کرنلوں.....

©جملہ حقوق بحق ادارہ اُردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔

(C)-www.UrduPoint.com itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

بریگیڈیئروں..... میجروں اور کپتانوں کی جو توجہ حاصل تھی میجر کو اس کی کوئی پراہ نہ تھی اور وہ اسے برا نہ مناتا تھا..... یہ عہدے دار بکثرت کلب میں آتے تھے اور دن کے دوران ہلکے پھلکے کھانوں کا آرڈر دیتے تھے اور رات کو مے نوشی اور مشروبات نوشی کے لئے دوبارہ آتے تھے..... کلب کا ایک حصہ محض افسران کے لئے مخصوص تھا اور عقب میں ایک دوسرا حصہ ٹومیوں (برطانوی سپاہ جو افسران تھے) کے لئے مخصوص تھا..... وہ خواتین جو افسران کے ہمراہ تھیں وہ کبھی کبھار لباس تبدیل کر کے تیراکی کا لباس پہن لیتی تھیں اور تیراکی کے تالاب میں گھس جاتی تھیں..... پہلے پہل میں نہیں جانتا تھا کہ مجھے کیا کرنا تھا ..... کیا مجھے اس وقت وہاں موجود رہنا تھا جب خواتین تیراکی کے لباس میں ملبوس ہوتی تھیں یا نہیں..... میرا پس منظر ایک قدامت پسندانہ تھا..... ایک ایسی فیملی سے تھا جہاں خواتین سرتاپاؤں پردے میں ہوتی تھیں اور محض ان کے خوبصورت چہرے اور ہاتھ ہی ظاہر ہوتے تھے..... میں نے محسوس کیا کہ خواتین میری موجودگی کو برا نہیں مناتی تھیں اور تمام افسران میرے ہراساں ہونے سے آشنا نہ تھے۔ وہ سب کے سب مجھے بے حد پسند کرتے تھے اور مجھے چیکو کہہ کر پکارتے تھے..... ایک ایسا نام جو میری بیوی سائرہ ہنوز اس وقت استعمال کرتی ہے جب وہ اپنے سلجھے ہوئے انداز سے میرے ساتھ فلرٹ کرنا چاہتی ہے ..... میرے علم میں آیا تھا کہ چیکو ایک ہسپانوی لفظ ہے اور اس کا مطلب ایک نوجوان یا لڑکا ہے.....

ایسے افسران بھی تھے جو مجھے میرا نام لے کر پکارتے تھے..... یوسف خان..... وہ ایک برطانوی لہجے میں میرا نام پکارتے تھے..... پہلے پہل وہ یہ جان کر تجسس میں مبتلا تھے کہ میں کیسے اس انداز سے انگریزی بول سکتا تھا جس انداز سے زبان بولی جانی چاہیے..... وہ میرے لباس کو بھی پسند کرتے تھے..... میں صاف ستھری استری شدہ پتلون اور پورے بازوؤں والی شرٹ پہنتا تھا جو معیاری ہوتی تھی..... افسران کا دوستانہ رویہ مجھے تسکین فراہم کرتا تھا.....

میں افسران اور ٹومیوں کے ساتھ آزادانہ طور پر گھل مل جاتا تھا..... میں نے محسوس کیا تھا کہ ٹومی بیئر نوشی کرتے تھے اور ان کے علم میں یہ بات نہیں آتی تھی کہ اسے رقیق کیا گیا تھا..... کلب میں غسل خانے بھی موجود تھے جہاں پر ٹومی غسل کیا کرتے تھے اور میرے لئے یہ دیکھنا کسی دھچکے سے کم نہ تھا کہ وہ کسی ہچکچاہٹ کے بغیر ایک دوسرے کے سامنے بے لباس ہو جایا کرتے تھے..... وہ دروازہ کھلا چھوڑ کر شاور تلے مادر زاد ننگے کھڑے ہو جاتے تھے..... وہ اکثر مجھے بھی دعوت دیتے تھے کہ میں بھی ان کے ساتھ غسل میں شریک ہو جاؤں..... موسم گرما کے ایک گرم دن..... ایک ٹومی مجھے گھسیٹ کر غسل خانے میں لے گیا اور مجھے لباس اتارنے اور غسل پر مجبور کرنے لگا.....

میرے لئے یہ بے حد ہراساں کرنے والا تھا اور مجھے سخت دھچکا لگا کیونکہ میں اپنے بالوں سے بھرے ہوئے جسم کے حوالے سے بے حد حساس تھا..... بالخصوص میرے ہاتھوں پر جو بال تھے ان کی وجہ سے..... جب اُن پر پانی پڑتا تھا تب وہ ایک جانب گر پڑتے تھے اور اسی طرح میرے بقایا جسم پر بھی بال تھے ان کے ساتھ بھی یہی معاملہ پیش آتا تھا..... اس لئے میں کبھی اپنا جسم ظاہر نہیں کرتا تھا..... اور یہی وجہ تھی کہ میں پورے بازو کی شرٹ کو ترجیح دیتا تھا.....

میرا بالوں سے بھرا جسم مچھروں کو بھی مایوس کرتا تھا وہ میرے ہاتھوں اور ٹانگوں کے بالوں کے گچھوں میں الجھ جاتے تھے..... وہ اُن کیلئے ایک افریقین جنگل ہوتا تھا اور وہ مجبور اور لاچار مخلوق اس سے راہ فرار اختیار کرنے کی کوشش میں مصروف ہوتی تھی..... مجھے ان بے چاروں کی حالت زار پر افسوس ہوتا تھا اور میں اڑنے میں ان کی مدد کیا کرتا تھا..... لہٰذا میں کبھی تیراکی کے تالاب میں نہ اترا تھا.....

www.UrduPoint.com
itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

برطانوی فوج کے افسران اگرچہ شرافت کا مظاہرہ کرتے تھے لیکن وہ لئے دیے رہتے تھے .....ایک دن باقاعدہ ہی شیف غیر حاضر تھا اور مینیجر نے مجھ سے دریافت کیا کہ کیا میں کوئی چیز یا ہلکا پھلکا پکوان تیار کرسکتا ہوں کیونکہ چند مہمانوں کے ہمراہ میجر جنرل کی آمد چائے پر متوقع تھی ..... میں نے اسے بتایا کہ میں معقول حد تک کامیابی کے ساتھ سینڈوچ تیار کرسکتا تھا.....اس نے مجھ سے کہا ٹھیک ہے آگے بڑھو اور یہ ذمہ داری سنبھال لو.....لیکن اس نے مجھے خبردار کیا کہ محتاط رہنا اور تازہ ڈبل روٹی اور مکھن کے علاوہ دیگر اجزائے ترکیبی بھی تازہ بہ تازہ استعمال کرنا.....میں نے اسے یقین دہانی کروائی کہ میں ہر چیز تازہ بہ تازہ استعمال کروں گا اگرچہ میں حیران تھا کہ یہ کیسے ممکن ہوسکتا تھا کہ وہ فروخت کنندگان کے ساتھ ساز باز کررہا تھا اور کم تر معیار کی حامل اشیاء کی خریداری مہنگے داموں کررہا تھا.....

خوش قسمتی سے سینڈوچ زبردست بنے تھے.....میجر جنرل کے مہمانوں نے مینیجر سے ان کی تعریف کی اور مینیجر نے مسکراتے ہوئے تعریف موصول کی.....اس لمحے میرے ذہن میں ایک تصور نے جنم لیا کہ میں مینیجر سے درخواست کروں کہ وہ ٹھیکدار اور کلب کے عہدیداروں سے اجازت حاصل کرے جس کے تحت میں شام کے وقت کلب میں ایک سینڈوچ کاؤنٹر قائم کرسکوں..... چونکہ وہ مجھ سے بے حد خوش تھا اور یہ بھی اس کے علم میں تھا کہ اس نے کئی فروخت کنندہ گان کے ساتھ جو ساز باز کررکھی تھی اور جو کچھ ان کے درمیان چل رہا تھا میں وہ سب کچھ جانتا تھا.....لہٰذا اس نے میری درخواست متعلقہ حکام کو بھجوادی اور میری سفارش بھی کردی اور مجھے اجازت عطا کردی گئی.....

میرا سینڈوچ کا کاروبار جس کا آغاز بے حد کامیابی کے ساتھ ہوا تھا.....دیکھتے ہی دیکھتے تمام سینڈوچ فروخت ہوچکے تھے اور تاخیر سے آنے والوں کو مایوسی ہوئی تھی جب ان کے علم میں آیا کہ سینڈوچ بے حد ذائقہ دار تھے اور وہ ان سے لطف اندوز ہونے سے محروم رہے تھے.....

دوسرے دن.....میں ایک بڑی میز لے آیا تھا اور اس پر سفید میز پوش بچھا دیا تھا اور اس پر تازہ پھل سجا دیے تھے جو میں نے مارکیٹ سے محتاط انداز سے منتخب کئے تھے.....اس کے علاوہ سینڈوچ اور ٹھنڈا ٹھار لیمن جوس بھی میز پر موجود تھا.....دوسرا دن ایک بہت بڑی کامیابی کا دن تھا اور ایک ہفتے سے بھی کم عرصے میں.....میں اپنے انعامات کا شمار کررہا تھا اور خوشی اور مسرت کے اس شعور سے ہمکنار تھا جو اس وقت میسر آتا ہے جب کسی کی محنت رنگ لاتی ہے اور غیر متوقع نتائج سے ہمکنار کرتی ہے۔

اب افسران کا رویہ میرے ساتھ دوستانہ تھا اور وہ مجھ سے میرے کنبے کے بارے میں دریافت کرتے تھے اور وہ حیران ہوتے تھے کہ اماں اس قدر بچے پیدا کرنے کے باوجود بھی ہنوز زندہ وسلامت تھی.....

جب سینڈوچ کے کاروبار سے مجھے خاطر خواہ آمدنی ہونے لگی.....تب میں نے ہمت اور جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے بھائی ایوب صاحب کو ایک تار ارسال کی اور انہیں مطلع کیا کہ میں پونا میں مقیم تھا اور وہ براہ مہربانی اماں کو بتادیں.....

''میں ٹھیک ٹھاک ہوں اور برطانوی آرمی کینٹین میں کام کررہا ہوں۔''

میری تار سے اماں کو بے حد سکون میسر آیا ہوگا.....اگلے ہفتے.....ایوب صاحب بغیر کسی اطلاع کے میرے پاس آن پہنچے اور وہ میرے لئے خشک میوہ جات کے علاوہ سوجی کا حلوہ بھی لائے تھے جو اماں نے خصوصی طور پر میرے لئے تیار کیا تھا.....وہ کچھ رقم بھی اپنے ہمراہ لائے تھے جو اماں نے گھریلو اخراجات میں کفایت شعاری کرتے ہوئے پس انداز کی تھی.....میں ایوب صاحب کو دیکھ کر کس

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

قدر خوش تھا..... وہ بھی اپنی آنکھوں سے بہنے والے آنسو نہ چھپا سکے جب وہ اور ان کا ملازم جوان کے ہمراہ آیا تھا کلب کے استقبالیہ کاؤنٹر پر مجھ سے ملے تھے.....

میں نے ایوب صاحب کو بتایا کہ میں آرام اور سکون کے ساتھ زندگی گزار رہا تھا اور بہت اچھا جا رہا تھا اور مجھے اس رقم کی کوئی ضرورت نہ تھی جو اماں نے ان کے ذریعے مجھے بھیجی تھی..... وہ بذات خود جائزہ لے سکتے تھے کہ کیسے ہر کوئی مجھے جانتا تھا اور میں خوش باش اور ٹھیک ٹھاک تھا..... اگر میں کسی چیز سے محروم تھا تو وہ میرے کنبے کی گرمجوشی تھی..... میں ہمیشہ ایوب میاں کے ساتھ بڑی سہولت سے بات چیت کرتا تھا..... ہمارے درمیان بھائی چارے کا مضبوط اور گہرا بندھن موجود تھا..... میں نے اپنا دل کھول کر ان کے سامنے رکھ دیا..... ہم ایک قریبی پارک کے ایک بینچ پر بیٹھے گفتگو کر رہے تھے اور سورج رفتہ رفتہ غروب ہو رہا تھا..... میں نے ایوب صاحب کو بتایا کہ مجھے ان کی اور اماں کی یاد بہت ستاتی تھی ..... میں نے انہیں بتایا کہ میں کیسے آغا جی کا ہاتھ بٹانا چاہتا تھا..... وہ جس مشکل صورت حال کا شکار تھے اس میں میں ان کی مدد کرنا چاہتا تھا..... ایوب صاحب سمجھتے تھے اور وہ بے حد حساس واقع ہوئے تھے..... وہ محض سنتے رہے اور کم بولے.....

اگلی صبح وہ واپس بمبئی روانہ ہو گئے..... میں انہیں ریلوے اسٹیشن پر الوداع کہنے کے بعد اپنے کام پر واپس آ گیا..... میرے بوجھ میں کسی قدر کمی واقع ہوئی تھی اور مجھے زیادہ سکون میسر آیا تھا.....

©جملہ حقوق بحق ادارہ اُردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔

(C)-www.UrduPoint.com itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

کلب میں ایک سرپرائز میرا منتظر تھا..... کارپورل مارلو..... جو مجھے ڈیولالی سے جانتا تھا..... پونا میں اپنی ڈیوٹی پر پہنچ چکا تھا..... جیسے ہی کلب میں میری نظر اس پر پڑی..... وہ بار پر کھڑا تھا اور اس کے ہاتھ میں شراب کا جام تھا..... وہ اسی قدر خوفناک اور دہشت ناک دکھائی دے رہا تھا جیسا کہ وہ ہمیشہ دکھائی دیتا تھا..... میرے ذہن میں اس کی یاد تازہ ہونے لگی..... ڈیولالی میں وہ ''ڈاگ مین'' (DOG MAN) کے طور پر جانا اور پہچانا جاتا تھا..... میرے اسکول کے دوست اور میں اس کو دیکھ کر دوڑ لگا دیتے تھے کیونکہ ہم اسے انسان کی بجائے دیو یا عفریت تصور کرتے تھے..... اس کا جثہ دیکھ کر ہم خائف ہو جاتے تھے..... اس کے ہاتھ میں ہمیشہ ایک ریوالور ہوتا تھا اور وہ کسی بھی آوارہ کتے کو اپنی گولی کا نشانہ بناتا تھا اور اس غریب کو گولی مار کر ہلاک کر دیتا تھا..... جب کتے کے سانس کی آمد و رفت بند ہو جاتی تھی ..... وہ اپنے بیگ سے ایک چاقو نکالتا تھا اور مردہ کتے کی دم کاٹ کر تھیلے میں رکھ لیتا تھا.....

میں اس قدر چھوٹا تھا کہ اس کی یہ کارروائی میری سمجھ سے بالاتر تھی..... چاچا عمر نے مجھے بتایا کہ وہ اس لئے یہ کارروائی سرانجام دیتا تھا کیونکہ چھاؤنی کی حدود میں آوارہ کتوں کو آوارگی کی اجازت نہ تھی اور وہ دم اس لئے کاٹتا تھا کہ تا کہ اس نے جن کتوں کو گولیوں سے اڑایا تھا ان کا اور استعمال کی جانے والی گولیوں کا حساب رکھ سکے..... یہ ایک بھیانک یاداشت تھی جو میں نے اس وقت اپنے ذہن میں سے نکال باہر کی تھی جب میں بڑا ہو گیا تھا اور ہم واپس بمبئی آ گئے تھے.....

جب بار ٹینڈر نے کارپورل کے ساتھ مجھے متعارف کروانے کے لئے بلایا..... میں نے اپنی ریڑھ کی ہڈی میں وہی سرسراہٹ محسوس کی جو میں اس وقت محسوس کرتا تھا جب میں اس کی جیپ کو دیکھ کر چھپ جاتا تھا اور اسے ڈیولالی کی سڑکوں پر دوڑتا ہوا چھپ کر دیکھا کرتا تھا..... اس نے مسکرائے بغیر ہی مجھے خوش آمدید کہا اور چلا گیا.....

بنیادی طور پر..... کارپورل دوستانہ مراسم استوار کرنے کا کوئی ارادہ نہ رکھتا تھا..... تاہم ..... وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس میں دوستانہ مراسم استوار کرنے کی علامات اجاگر ہونے لگیں اور جلد ہی اس نے میرے ساتھ دوستانہ مراسم استوار کر لئے جیسا کہ اس نے محسوس کیا تھا کہ تمام افسران مجھے پسند کرتے تھے اور میرے ساتھ اچھا سلوک کرتے تھے..... پونا میں بھی آوارہ کتوں کو ہلاک کرنے کا اس کا کام جاری رہا لیکن یہ اس قدر باقاعدہ نہ تھا جس قدر یہ ڈیولالی میں تھا کیونکہ آوارہ کتے شاذ و نادر ہی چھاؤنی کے قریب دیکھے جاتے تھے..... اس کی رہائش قریب ہی تھی اور اس کی ایک خوبصورت بیٹی تھی جو اکثر اس کے ساتھ کلب میں آتی تھی..... ایک جونیئر افسر کے ساتھ اس لڑکی کا کوئی چکر چل رہا تھا جس نے اسے اس قدر حوصلہ عطا کیا تھا کہ وہ رات گئے تک کلب کے باہر اس کے ساتھ تنہا دیکھی جاتی تھی..... میں جانتا تھا کہ کیا چکر چل رہا تھا اور میں ان سے ایک فاصلے پر رہتا تھا.....

کلب کی حدود کے اندر میرا کمرہ اگرچہ چھوٹا سا تھا لیکن عمدہ اور آرام دہ تھا..... اس میں شیشے کی ایک کھڑکی تھی جو ہال کا ایک واضح منظر پیش کرتی تھی جہاں پر شام کو افسران باہم اکٹھے ہوئے تھے جب کبھی وہاں ایک پارٹی منعقد ہوتی تھی جس کی میزبانی کوئی اعلیٰ افسر سرانجام دے رہا ہوتا تھا..... وہاں موسیقی کا بھی بندوبست ہوتا تھا اور میں افسران اور ان کی بیگمات کو اس موسیقی پر رقص کرتے ہوئے دیکھ سکتا تھا..... افسران شاندار سوٹوں میں ملبوس ہوتے تھے جن کے ہمراہ انڈین ریشم کی ٹائیاں ہوتی تھیں ..... میں حیران ہوتا کہ کیا کبھی مجھے بھی ایسا سوٹ پہننا نصیب ہوگا..... کیا ایسا سوٹ کبھی میری ملکیت ہوگا ..... مجھے کیا خبر تھی کہ ایک دن ایسا بھی آئے گا جب میرے پاس اس سے بھی بہترین سوٹ موجود ہوں

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

گے.....اب جب کبھی میں اپنی وارڈ روپ میں اپنے ملبوسات پر نظر ڈالتا ہوں تب مجھے اپنی وہ خواہش یاد آجاتی ہے جس کا میں آرمی کلب کے ایام میں حامل تھا.....

ایک دن .....اپنا سینڈوچ اسٹال بند کرنے کے بعد میں نے سونے کے لئے اپنے کمرے میں جانے کا فیصلہ کیا.....میں سست رفتاری اور کاہلی کے ساتھ چلتا ہوا اپنے کمرے کی جانب بڑھ رہا تھا .....میں نے اپنے کمرے کا دروازہ نصف کھلا ہوا پایا.....دو دن قبل وہاں پر ڈاکہ زنی کی واردات ہوئی تھی جس نے کھلبلی مچادی تھی اور تحقیق و تفتیش کے لئے پولیس کو طلب کیا گیا تھا.....مجھے خدشہ تھا کہ وہی ڈاکو میرے کمرے میں گھس آیا تھا اور میری محنت کی کمائی کی بچت لے اڑا تھا.....میں نے اپنے قدموں کی رفتار تیز کردی اور تیزی کے ساتھ اپنے کمرے کی جانب بڑھنے لگا.....میرے سامنے جو منظر تھا وہ ناقابل یقین تھا.....کارپورل کی بیٹی مادرزاد ننگی میرے بستر پر دراز تھی!

میں بت بنا دروازے پر کھڑا رہا اور اس نے مجھے دیکھا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں دعوت گناہ دے ڈالی کیونکہ اس نے جان بوجھ کر اپنی سفلی خواہش کی تسکین کے لئے یہ صورت حال تخلیق کی تھی..... میں مڑا اور تقریباً بھاگتا ہوا مینیجر کے کیبن تک جا پہنچا.....میرا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا اور غصے سے پھٹا جارہا تھا.....غصے کے علاوہ مجھے خدشہ بھی لاحق تھا.....میں جو کچھ دیکھ چکا تھا وہ میں نے اسے بتایا اور اس نے فی الفور میرے ہمراہ میرے کمرے کا رخ کیا.....میری خوش قسمتی تھی کہ وہ مجھے بخوبی جانتا تھا اور اس وقت تک میرے بارے میں اچھی رائے قائم کرچکا تھا اور اسے یقین تھا کہ میں اسے سچ بتا رہا تھا .....جب ہم کمرے میں پہنچے.....اس وقت لڑکی وہاں سے رخصت ہوچکی تھی.....مینیجر نے سوالیہ نظروں سے میری جانب دیکھا.....میں نے اسے بازو سے پکڑ کر گھمایا اور وہ میرے ساتھ چلنے لگا.....میرا خیال تھا کہ وہ تالاب کی جانب گئی تھی.....ہم تالاب پر پہنچے اور وہ وہاں پر موجود تھی.....وہ اسپرنگ بورڈ کے کنارے پر کھڑی تھی اور ایسے جھوم رہی تھی جیسے ڈانس فلور پر موجود تھی.....ہوا چل رہی تھی اور اس کے بال اس کے چہرے پر بکھرے ہوئے تھے.....مینیجر کے ساتھ ساتھ میں بھی خائف تھا کیونکہ اگر وہ سر کے بل تالاب میں گرتی تب ایک دہشت ناک صورت حال تخلیق ہوسکتی تھی اور فی الفور دہشت پھیل سکتی تھی اور کلب کے لئے غیر ضروری پریشانی کا باعث بن سکتی تھی اور کلب غیر ضروری خبروں کا موضوع بھی بن سکتی تھی.....اگرچہ میں ایک نوعمر لڑکا تھا لیکن میرا خیال ہے کہ میں کسی قدر پختہ کاری کا حامل تھا.....یہی وجہ تھی کہ میں پرسکون رہا اور میں نے مینیجر سے درخواست کی کہ وہ فوری کارروائی کرتے ہوئے اسے اسپرنگ بورڈ سے نیچے اتارنے کا بندوبست کرے جہاں پر وہ تقریباً کنارے پر کھڑی تھی.....میں ایک ایسے ماحول میں پروان چڑھا تھا جہاں پر خدا سے ڈرنے والے پٹھان والدین اور دادا، دادی موجود تھے .....میں محض جن خواتین کو جانتا تھا وہ میری دادی.....اماں.....میری بہنیں (بشمول کزن) اور میری آنٹیاں تھیں.....جو ہمیشہ سرتاپاؤں پردے میں رہتی تھیں اور ان کا یہ پردہ دن بھر قائم رہتا تھا.....یہاں میں ایک برہنہ لڑکی کو گھور رہا تھا.....اس منظر نے نوجوانی کے نارمل ردعمل کو دعوت دینے کی بجائے خوف و ہراس اور دھچکے کے ردعمل کو دعوت دی.....

مینیجر نے حاضر دماغی سے کام لیتے ہوئے دو خواتین کو روانہ کیا.....وہ دونوں خواتین عملے کے اراکین میں شامل تھیں.....وہ اس جگہ کی صفائی ستھرائی کے کام میں مصروف تھیں.....اس نے ان خواتین کو حکم دیا کہ وہ ایک کمبل اپنے ہمراہ لے کر جائیں اور اسے کمبل میں لپیٹ کر نیچے اتاریں.....وہ مکمل طور پر ناآشنا تھی کہ کیا رونما ہونے جارہا ہے اور اس نے کوئی مزاحمت نہ کی اور صفائی کرنے والی

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

خواتین نے اسے اپنی گرفت میں لے لیا..... میں نہیں جانتا وہ اسے کہاں لے گئے اور اس واقعہ کے بعد اس کے ساتھ کیا رونما ہوا..... مینیجر نے مجھے کچھ نہ بتایا اور میں نے کبھی اس سے کوئی سوال نہ پوچھا کیونکہ میرا خیال تھا کہ اس باب کو بند کر دینا اور اس کی بابت بھول جانا ہی بہتر تھا.....

جیسا کہ پہلے تذکرہ کیا جا چکا ہے..... یہ جنگ کا زمانہ تھا اور وہاں پر اعلیٰ افسران کے درمیان جنگ میں انڈیا کے غیر جانبدارانہ کردار کے حوالے سے بحث مباحثے ہوا کرتے تھے..... ایک شام ایک افسر نے مجھ سے دریافت کیا کہ میں اس موضوع پر کیا رائے رکھتا ہوں اور اس نے کہا کہ مجھے اس موضوع پر اپنی رائے پیش کرو کہ ہم کیوں برطانوی راج سے آزادی حاصل کرنے کے لئے جنگ کر رہے تھے..... میں نے اسے وہ جواب دیا جو میرے خیال میں ایک بہتر جواب تھا..... اس نے مجھ سے مزید کہا کہ اگلی شام مجھے کلب کے اراکین کے سامنے اس وقت تقریر کرنی چاہیے جب اراکین کی حاضری پوری ہو گی ..... میں نے اس کا مشورہ تسلیم کر لیا اور ساری رات اپنی تقریر کی تیاری میں گزار دی..... میں نے انجمن اسلام اسکول کے ایک طالب علم کے طور پر برطانوی آئین کا مطالعہ کیا تھا اور اپنے اس علم کو تقریر کی تیاری میں بہتر طور پر استعمال کیا جس نے بطور ایک محنتی قوم ہماری برتری کا خاکہ پیش کیا..... ایک ایسی قوم جو راست گو تھی اور عدم تشدد کے حامل لوگوں پر مشتمل تھی.....

کلب میں اپنی تقریر پیش کرتے ہوئے..... میں نے اس امر پر زور دیا کہ آزادی کی ہماری جدوجہد ایک جائز جدوجہد تھی اور یہ برطانوی منتظمین تھے..... جو جان بوجھ کر اپنے آئین کے سول لاز کی غلط نمائندگی کر رہے تھے اور نتائج تخلیق کر رہے تھے.....

میری تقریر کو سراہا گیا اور مجھے داد تحسین بھی پیش کی گئی اور میں اپنی کامیابی پر پھولے نہ سمایا لیکن میری یہ خوشی دیرپا ثابت نہ ہوتی..... مجھے اس وقت حیرانی ہوئی جب کچھ پولیس افسران منظر پر رونما ہوئے اور انہوں نے مجھے ہتھکڑی پہنا دی..... اور کہا کہ برطانیہ مخالف نظریات کا حامل ہونے کی بنا پر مجھے گرفتار کیا گیا ہے..... مجھے وہاں سے لے جا کر یراوادا جیل میں بند کر دیا گیا..... مجھے جس کوٹھری میں بند کیا گیا وہاں پر کچھ شائستہ دکھائی دینے والے لوگ موجود تھے..... جن کے بارے میں مجھے بتایا گیا..... وہ ستیا گراہی تھے (مہاتما گاندھی کے پیروکار جنہوں نے مجہول مزاحمت پیش کی تھی)..... میری آمد پر..... جیلر نے مجھے ''گاندھی والا'' کہا تھا..... میں نہیں جانتا تھا کہ وہ یہ اصطلاح میرے لئے کیوں استعمال کر رہا تھا حتیٰ کہ میں نے سنا کہ پولیس والے اس کوٹھری کے جیل کے تمام مکینوں کو گاندھی والا ہی کہتے تھے ..... یہ ان کا طریقہ تھا جس کے تحت وہ ہمارے گروہ کو گاندھی کے پیروکار تصور کرتے تھے.....

©جملہ حقوق بحق ادارہ اُردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

میں نے اپنے ساتھی کیدیوں کے ساتھ خوشگوار ماحول میں تبادلہ خیال کیا اور انہوں نے مجھے بتایا کہ سردار ولاّب بھائی (آزادی کی تحریک کا ایک ممتاز قائد) بھی ایک کوٹھری میں بند تھا اور وہ سب کے سب اس کے ہمراہ بھوک ہڑتال پر تھے..... میں نہیں جانتا تھا کیوں..... لیکن میں نے بھی محسوس کیا کہ مجھے بھی ان کے ساتھ بھوک ہڑتال کرنی چاہیے..... لہٰذا میں نے کھانا لینے سے انکار کر دیا جو ایک گندی سی پلیٹ میں میرے لئے لایا گیا تھا..... رات طویل تھی اور بھوک کی شدت نے مجھے صبح سویرے تک بیدار رکھا..... صبح کے وقت..... میں نے بوٹوں کی آواز سنی جو میری کوٹھری کی جانب بڑھ رہے تھے اور جلد ہی جیلر فوج کے ایک میجر کے ساتھ میرے سامنے کھڑا تھا.....

اس نے طنزیہ انداز میں کہا:.....

"یہ رہا تمہارا گاندھی والا۔"

میجر مجھے رہا کروانے کے لئے آیا تھا اور وہ مجھے اپنے ہمراہ واپس لے گیا..... وہ ایک اچھا نوجوان تھا جس کے ساتھ میں بیڈمینٹن کھیلا کرتا تھا..... کبھی کبھار اتوار کے دن جب میرے پاس کسی قدر وقت موجود ہوتا تھا تب میں اس کے ساتھ بیڈمینٹن کھیلتا تھا.....

جیسے ہی میں کلب پہنچا..... میں نے کھانا طلب کیا اور وہاں موجود ہر ایک فرد اس وقت حیران ہوا جب میں نے انہیں بتایا کہ میں نے رات سے بھوک ہڑتال کر رکھی تھی..... عین ممکن ہے میری یہ بات ان کے لئے مضحکہ خیز تھی لیکن میرے لئے کم از کم ایک رات کے لئے گاندھی والا بننا ایک اعزاز کی بات تھی.....

اس رات جب میں اکیلا اپنے کمرے میں بیٹھا تھا..... میرے تحت الشعور میں جیلر کے الفاظ گونج رہے تھے اور میرے اندر فخر و ناز سر اٹھا رہا تھا کہ میں نے ایک رات گاندھی جی کے پیروکاروں کے ساتھ گزاری تھی..... اگرچہ یہ چند ناپائیدار اور عارضی لمحات کے لئے تھا..... میں بے خوف و خطر اپنے وطن اور ہم وطنوں کے لئے اپنے فخر کا اظہار کر سکتا تھا.....

www.UrduPoint.com

باب نمبر 7

اصلاح پذیر گناہ گار کی واپسی

(THE RETURN OF THE PRODIGAL)

"وہ خوش تھے کہ ان کا ایک بیٹا پھلوں کی تجارت جاری رکھنے کی زیرکی اور فراست کا حامل تھا..... تاہم..... میرے اندر سے کوئی چیز مجھے یہ احساس دلا رہی تھی کہ میں محمد سرور خان کا لبادہ پہن لوں..... پھلوں کا کامیاب تاجر..... اور خاندانی تجارت کو آگے بڑھاؤں..... لیکن یہ وہ نہ تھا جس کے لئے میں بنایا گیا تھا۔"

جیسے ہی جنگ کی صورت حال بدتر ہوئی..... کچھ ناگزیر تبدیلیاں رونما ہوئیں..... کلب کے عہدیداران تبدیل ہوئے اور ٹھیکیدار تاج محمد خان کی جگہ ایک اور ٹھیکیدار نے لے لی جسے ایگزیکٹو کمیٹی نے منتخب کیا تھا..... مینیجر بھی اپنی ملازمت جاری رکھنے کا خواہش مند نہ تھا اور اس نے مجھے ملازمت چھوڑنے کا مشورہ دیا..... اس وقت تک میں کرنسی نوٹوں کا ایک بنڈل کما چکا تھا..... میں نے پہلی مرتبہ ان کی گنتی کی..... میرے پاس پورے پانچ ہزار روپے موجود تھے..... جو ان دنوں بہت زیادہ دولت تصور کی جاتی تھی

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

..... ماہ رمضان قریب آ رہا تھا اور یہ خبر مجھے مولوی صاحب نے دی تھی اس کے علاوہ دیگر ایسے لوگوں نے بھی دی تھی جن کے ساتھ میں مقامی مسجد میں اکثر باہم روابط رہتا تھا..... میں نے سوچا کہ اب وقت آن پہنچا تھا کہ بمبئی واپس چلا جائے اور ایسی ملازمت کی تلاش کی جائے جسے آغا جی شرف قبولیت بخشیں یا پھلوں کا کاروبار چلانے میں ان کی مدد کی جائے..... میں اب پہلے سے کہیں بڑھ کر پر اعتماد نوجوان تھا اور جوش و جذبے سے لبریز تھا اور میں حیران و پریشان تھا کہ میں آغا جی سے دور بھاگنے کے اپنے عمل کی کیسے وضاحت کر پاؤں گا..... مجھے یقین تھا کہ وہ مجھے اس وقت تک معاف نہیں کریں گے جب تک کہ اماں انہیں اپنے نرم انداز سے ایسا کرنے پر مجبور نہ کریں گی..... درحقیقت اگر میں ایک چھوٹے سے واقعہ پر آغا جی کے طیش میں آنے کی وجہ گھر چھوڑ کر فرار نہ ہو گیا ہوتا..... اگلے دن تمام صورت حال اپنے معمول پر واپس آ جانی تھی اور اماں نے اپنی راغب کرنے والی اہلیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے بحران کو ملیامیٹ کر دینا تھا..... یہ بھی مقدر کا لکھا کہ میں نے انہیں یا اپنے آپ کو صورت حال کو معمول پر لانے کا موقع نہ دیا تھا.....

میں اب خوش تھا کیونکہ میں نے اپنے پاؤں پر کھڑا ہوتے ہوئے گراں قدر تجربہ حاصل کیا تھا لیکن چونکہ میں تھوڑی بہت ''آزادی'' کے ذائقے سے بھی آشنا ہوا تھا اور مجھے یقین نہ تھا کیا میں آغا جی کی اطاعت یا ان کی خواہش کی اطاعت جاری رکھنے کا اہل ہوں گا اور ہر کام ان کی خواہش کے عین مطابق کر سکوں گا.....

میں عید الفطر سے چند روز قبل بمبئی واپس لوٹ آیا تھا..... میرے بڑے بھائی ایوب صاحب میری آمد کی تاریخ کی بابت جانتے تھے لیکن انہوں نے اسے مخفی رکھا تا کہ اماں کو سرپرائز دیا جا سکے..... میرا چھوٹا بھائی ناصر اور میری بہنیں بھی جانتی تھیں کہ اصلاح پذیر گناہ گار گھر واپس آ رہا تھا اور انہوں نے بھی اپنے لب بند رکھے تھے..... میری سب سے چھوٹی بہن ابھی ایک بچی تھی اور وہ کچھ نہیں جانتی تھی ماسوائے اس وقت رونے دھونے کے جب وہ بھوکی ہوتی تھی اور اسے دودھ پینے کی ضرورت ہوتی تھی۔

میں چوتھی منزل پر واقع اپنے گھر کی سیڑھیاں چڑھا..... میں اپنے دل کی دھڑکن بخوبی سن سکتا تھا..... گلی کی آشنا آوازیں..... ہمسائے مجھے گھور رہے تھے جیسا کہ وہ ہمیشہ کرتے تھے..... یہ تمام مناظر میں دیکھ رہا تھا..... میں نے محسوس کیا کہ میں ان مناظر سے کس قدر محروم رہا تھا جب کہ میں اس شہر سے دور رہا تھا.....

جب میں گھر میں داخل ہوا..... پہلے میری چھوٹی بہن نے مجھے دیکھا اور وہ اماں کو میری آمد کی اطلاع دینے کے لئے بھاگی..... اماں جلدی سے باہر نکلی اور میں جہاں کھڑا تھا وہیں پر کھڑا کا کھڑا رہ گیا..... میرے لئے ایک قدم بھی آگے بڑھنا ممکن نہ تھا کیونکہ میں خوشی سے کانپ رہا تھا..... اگلے ہی لمحے میں اماں سے بغلگیر ہو چکا تھا اور میرے بہن بھائی ہمارے اردگرد جمع ہو چکے تھے..... میں نے دروازے کے قریب قدموں کی آواز سنی جس کی بابت مجھے خدشہ تھا کہ یہ آغا جی تھے..... لیکن یہ چاچا عمر نکلے جنہوں نے پہلی منزل کے لوگوں سے میری آمد کی خبر سنی تھی اور وہ اس کی تصدیق کے لئے آئے تھے..... مختصر یہ کہ ملاپ کچھ ایسا تھا جیسا کہ فلموں میں دکھایا جاتا ہے کہ کوئی نہیں جانتا کہ کون کیا کہہ رہا تھا اور کس کو کہہ رہا تھا اور کیوں کوئی ہنس رہا تھا اور کوئی تمنا کر رہا تھا کہ اسے بھی سنا جائے..... اماں کی سسکیاں ہنسی میں تبدیل ہو چکی تھیں اور تب انہوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ کیا میرا روزہ تھا..... میں نے انہیں بتایا کہ میرا روزہ نہ تھا..... میں کلب میں روزہ رکھنے کا اہل نہ تھا کیونکہ وہاں پر روزہ رکھنا ممکن ہی نہ تھا.....

میں نے جلد ہی اپنے آپ کو اماں کے کمرے میں پر اطمینان پایا..... جدائی کے مہینوں کے بعد اب ملاپ کی

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

میں نے جلد ہی اپنے آپ کو اماں کے کمرے میں براجمان پایا..... جدائی کے مہینوں کے بعد اب ملاپ کی گھڑی آن پہنچی تھی..... مجھے یہ یقین کر لینے میں چند لمحات لگے تھے کہ میں حقیقت میں گھر واپس آ گیا تھا اور اماں کے پاس ان کے عمدہ اور بڑے بستر پر براجمان تھا..... وہ زرد اور تھکی ماندی دکھائی دے رہی تھیں..... ان کا لیس کے بارڈر کا حامل دوپٹہ ان کے کنگھی شدہ بالوں کو ڈھانپے ہوئے تھا..... مجھے یاد تھا کہ یہ وہی دوپٹہ تھا جو اس روز ان کے سر کو ڈھانپے ہوئے تھا جس روز میں پونا روانہ ہوا تھا..... وہ لیس میں نے ہی انہیں کرافورڈ مارکیٹ کے قریب واقع دوکان سے لا کر دی تھی جہاں سے انگریز اور پارسی خواتین بارڈر اور لیسیں خریدتی تھیں تا کہ انہیں اپنے لباس کی زینت بنا سکیں..... اماں اپنے لباس کی سج دھج پر بہت کم توجہ دیتی تھیں اور وہ اس سلسلے میں قطعاً کوئی تردد نہ کرتی تھیں لیکن میری آنٹیاں اس معاملے میں بے حد حساس واقع ہوئی تھیں اور وہ مجھے ہمیشہ کپڑے کے اسٹوروں پر بھیجتی رہتی تھیں اور میں ان کے لباس کے لئے کئی گز ریشم اور کاٹن خریدتا رہتا تھا..... وہ میرے انتخاب کو پسند کرتی تھیں لیکن وہ ہمیشہ یہ شکوہ اور شکایت کرتی دکھائی دیتی تھیں کہ میں اماں کے لئے بہترین رنگوں کا انتخاب کرتا تھا اور ان کے لئے ایسا نہ کرتا تھا..... حقیقت یہ تھی کہ میں اماں کے لئے ایسے رنگوں کا انتخاب کرتا تھا جو اماں کی رنگت کے لئے مناسب ہوتے تھے اور قطع نظر اس امر کے کہ وہ کیا پہنتی تھیں..... وہ ہمیشہ دیدہ زیب اور خوبصورت دکھائی دیتی تھیں.....

جیسا کہ میں ان کے پاس بیٹھا تھا..... میں نے سوچا کہ یہ درست وقت تھا کہ میں وہ رقم نکالوں جو میں نے کمائی تھی اور انہیں ایک سرپرائز دوں۔ میں نے اپنا بیگ کھولا اور وہ صاف ستھرا پیکٹ برآمد کیا جس میں وہ رقم محفوظ تھی جو میں نے کمائی تھی اور میں نے اسے ان کے نرم ہاتھوں میں تھما دیا جب کہ انہوں نے تجسس بھرے انداز میں میری جانب دیکھا..... میں نے اضطراب اور بے چینی کے ساتھ انتظار کیا اور ان کی خوشی محسوس کرنے کا منتظر رہا جیسے ہی انہوں نے محتاط انداز سے پیکٹ کو کھولا..... انہوں نے کرنسی نوٹوں کے بنڈل کی جانب دیکھا اور میری جانب دیکھا..... ان کے چہرے پر تفکرات اور خدشات کی واضح علامات بخوبی دیکھی جا سکتی تھیں.....

یہ کیا ہے؟

تم نے اسے کہاں سے حاصل کیا؟

انہوں نے استفسار کیا..... ان کی دھیمی آواز سے ان کی بے چینی اور اضطراب جھلک رہا تھا..... میں اس ردعمل کے لئے بمشکل تیار تھا.....

میں نے انہیں بتایا کہ یہ وہ رقم تھی جو میں نے محنت کے بل بوتے پر اور اپنے کاروبار کے توسط سے کمائی تھی..... انہوں نے منہ سے ایک لفظ ادا کئے بغیر سختی سے مجھے گھورا..... وہ اٹھ کر الماری کی جانب بڑھیں جہاں پر قرآن پاک رکھا تھا اور مجھے اشارے سے اپنی طرف متوجہ کیا..... انہوں نے مجھے کہا کہ میں قرآن پر قسم اٹھاؤں کہ یہ وہ رقم تھی جو میں نے باعزت طریقے سے کمائی تھی..... میں نے قرآن پاک پر ہاتھ رکھا اور قسم کھائی..... میں بخوبی دیکھ سکتا تھا کہ وہ مطمئن ہو چکی تھیں.....

©جملہ حقوق بحق ادارہ اُردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔

(C)-www.UrduPoint.com itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

آغا جی حسب معمول شام کے وقت گھر آئے..... وہ اپنے کنبے کے ہمراہ روزہ افطار کرنے کے لئے آئے تھے..... اس وقت میں اپنے کمرے میں موجود تھا..... میں غسل لے چکا تھا اور سفید پتلون اور شرٹ میں ملبوس تھا..... میں اس افطاری سے لطف اندوز ہونے کے لئے عین تیار تھا جو میری ماں نے تیار کی تھی..... میں نے انہیں آغا جی سے بات کرتے سنا کہ میں واپس آچکا تھا اور میں نے آغا جی کو کہتے ہوئے سنا کہ وہ اس بارے میں جانتے تھے..... یہ آغا جی کی مخصوص عادت تھی کہ وہ اپنے آپ کو غیر جذباتی اور لاتعلق ظاہر کرتے تھے..... محض ایک مرتبہ ان کی گرمجوشی اور تشویش منظر عام پر آئی تھی جب اماں کو دمہ کا شدید دورہ پڑا تھا جب ان کے سانس کی آمدورفت رک رہی تھی..... انہوں نے چلاتے ہوئے کہا تھا کہ کوئی دوڑ کر جائے اور ڈاکٹر کو بلا کر لائے جو گلی کے پار رہائش پذیر تھا..... اس وقت ان کا چہرہ مجبوری اور لاچاری کی ایک تصویر بنا ہوا تھا اور مجھے ہنوز یاد ہے کہ وہ دراز قد ہستی میری کمزور اور نازک سی اماں کو اپنے بازوؤں میں سمانے کے لئے ان کے اوپر جھکی ہوئی تھی.....

اگر آپ کو ''مشال'' میں معروف سین یاد ہو..... میں آپ کو بتاتا ہوں کہ اپنی ریہرسل کے دوران..... میں نے سین کی ادائیگی کے لئے اپنے جذبات اپنی اس یادداشت سے کشید کئے تھے جو آغا جی کی اذیت اور فوری طبی امداد کے حصول کی ضرورت کے حوالے سے میرے ذہن میں محفوظ تھے.....

واضح رہے کہ فلم ''مشال'' (1984ء) کے فلم ساز یاش چوپڑا تھا..... وہ سین مجھ پر فلمایا گیا تھا وہ ایک اندھیری رات کا سین تھا اور مجھے مدد کی شدید ضرورت تھی کیونکہ مجھے اپنی شدید علیل بیوی (یہ کردار وحیدہ رحمان نے ادا کیا تھا) کو اسپتال لے جانا تھا اور میں قریب سے گزرنے والی کسی بھی گاڑی کو روکنے کی کوشش میں مصروف تھا لیکن میری یہ کوشش بے سود ثابت ہوئی تھی.....

آغا جی اور میں گرمجوشی اور دل و جان سے ملے تھے جیسا کہ کچھ بھی تبدیل نہ ہوا تھا..... یہ امر میرے لئے باعث سکون تھا..... کم از کم میں تو یہی کہہ سکتا ہوں..... عید کے ایک ہفتہ بعد..... عید جو ہم نے روایتی جوش جذبے اور عقیدت کے ساتھ منائی تھی اور دیگر برادریوں کے لوگوں کو بھی مدعو کیا تھا کہ وہ اس تہوار کے کھانے میں ہمارے ساتھ شیئر کریں..... آغا جی میرے ساتھ سیب کے ایک باغ کی بابت بات کر رہے تھے جو نینی تال میں واقع تھا اور فروخت کے لئے موجود تھا..... وہ چاہتے تھے کہ میں وہاں جاؤں اور مالک سے بات کر کے کم سے کم دام میں سودا طے کروں..... یہ صورت حال میرے لئے بے حد خوشگوار تھی کیونکہ یہ اولین مرتبہ تھا کہ میرا باپ میرے ساتھ کاروبار کی بابت بات کر رہا تھا..... اگرچہ انہوں نے اور میں نے پونا کی قسط کی بابت ایک بھی لفظ کا تبادلہ نہ کیا تھا..... لیکن جس طرح انہوں نے مجھے کاروبار میں ملوث کرنے کی کوشش کی تھی اس سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ وہ میری کاروباری صلاحیتوں پر اعتماد کرنے لگے تھے اور انہیں میرے کاروباری رجحان کا ادراک ہو چکا تھا..... انہوں نے ڈبہ بند آڑو کی برآمد کے اپنے آئیڈیا کے بارے میں بھی میرے ساتھ گفتگو کی اور ہم اس کاروباری معاملے کو آپس میں زیر بحث لائے.....

درحقیقت سینڈوچ اسٹال کے ساتھ اپنی کامیابی کے بعد میں ذاتی طور پر قائل ہو چکا تھا کہ میں کاروبار کر سکتا تھا اور قرار واقعی منافع کما سکتا تھا..... جیسا کہ میں نے اپنے باپ کے آئیڈیا کو سنا جو نینی تال میں ایک باغ کی خریداری کے بابت تھا..... میں بذات خود کاروبار کی ایک بالکل نئی لائن اختیار کرنے کے آئیڈیا پر کام کر رہا تھا..... پنکھ تکیے (پروں کے حامل تکیے)..... میں اس شخص کے ساتھ رابطے میں تھا جو مجھے اپنا شراکت دار بنانے کا خواہاں تھا اور خواص کے ہاتھ اس قسم کے تکیے فروخت کرنے پر

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

مجھے مناسب کمیشن دینے پر آمادہ تھا..... میں نے اس کی پیش کش قبول کرلی تھی اور زر ضمانت بھی جمع کروا دی تھی.....

تھوڑا بہت مالی نقصان اٹھانے کے بعد میرے علم میں یہ بات آئی کہ تکیئے فروخت کرنے کا کام میرے لئے سود مند نہ تھا اور میں نے سوچا کہ میرے لئے یہ بہتر تھا کہ میں نینی تال جاؤں اور وہ کام کروں جو کام میرا باپ مجھ سے کروانے کا خواہاں ہے..... لہٰذا میں وہاں گیا اور باغ کے مالک سے ملاقات کی..... وہ ایک مہربان شخص تھا جو آغا جی کی عزت کرتا تھا اور ہمارے ہاتھ اپنی اراضی اور درخت فروخت کرنے پر آمادہ تھا..... میں دیکھ سکتا تھا کہ نصف باغ ٹڈی دل تباہ و برباد کر چکے تھے اور جو کچھ باقی بچا تھا وہ بمشکل ہی خریدنے کے لائق تھا..... میں نے اسے بتایا کہ ہمیں قیمت پر بات جیت کرنی چاہیے..... اس نے کہا "بے شک میں سمجھتا ہوں"..... مجھے کوئی آئیڈیا نہیں مجھے کیا قیمت طلب کرنی چاہیے اور کاروبار میں میری ناتجربہ کاری کو بھانپتے ہوئے اس نے مجھ سے کہا:.....

"بیٹا..... میں تم سے ایک روپیہ بطور زر بیعانہ لوں گا اور میں سودا ختم کردوں گا..... تم خان صاحب کے پاس واپس جاؤ اور خان صاحب مجھے وہ پیش کش کر سکتے جو وہ اس جائیداد کی خریداری کے لئے مناسب سمجھتے ہیں۔"

www.UrduPoint.com

لہٰذا میں گھر واپس لوٹ آیا اور آغا جی کو جائیداد کی بابت بتایا..... وہ بے حد خوش ہوئے..... اب انہیں احساس ہو رہا تھا کہ میں ایک اچھا بزنس مین (کاروباری) تھا..... لہٰذا انہوں نے مجھے حساب کتاب اور کھاتے وغیرہ سنبھالنے کے لئے کہا اور اس کے علاوہ وہ سب کچھ کرنے کے لئے کہا جو ان کے خیال میں میں بخوبی کر سکتا تھا..... وہ خوش تھے کہ ان کا ایک بیٹا پھلوں کی تجارت سرانجام دینے کا اہل تھا .....

تاہم اندرون خانہ کوئی چیز مجھے یہ احساس دلا رہی تھی کہ یہ سب بخوبی اچھا تھا کہ محمد سرور خان کا جانشین بنا جائے جو پھلوں کے ایک کامیاب تاجر تھے..... اور خاندانی کاروبار کو آگے بڑھایا جائے..... لیکن یہ وہ نہ تھا جس کیلئے مجھے بتایا گیا تھا.....

©جملہ حقوق بحق ادارہ اُردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

نقطۂ انقلاب

(TURNING POINT)

''اس کے سیاہ بال پیچھے کی جانب کنگھی کے کئے ہوئے تھے اور وہ اپنی آنکھوں کے ذریعے مجھ پر مسکرا رہا تھا دویکا رانی نے مجھے متعارف کروایا تھا..... یہ کہتے ہوئے کہ میں نے ابھی ابھی ایک اداکار کے طور پر شمولیت اختیار کی تھی.....اس نے ہاتھ ملانے کے لئے گرمجوشی کے ساتھ میرا ہاتھ تھام لیا اور یہ اس دوستی کا آغاز تھا جو ہمارے درمیان زندگی بھر قائم رہنی تھی..... وہ اشوک کمار تھا..... جو جلد ہی میرے لئے اشوک بھیا (بھائی) بن گیا۔''

ایک صبح..... میں چرچ گیٹ اسٹیشن پر محوِ انتظار تھا جہاں سے میں نے دادار کے لئے مقامی ریل گاڑی پکڑنی تھی جو وسطی بمبئی میں واقع تھا.....وہاں مجھے کسی کے ساتھ ملاقات کرنی تھی جو میرے لئے ایک کاروباری پیش کش کا حامل تھا..... یہ لکڑی کی چارپائیاں تھی جو فوجی چھاؤنیوں میں سپلائی کرنا تھیں.....وہاں پر ڈاکٹر مشانی میرے جاننے والے تھے.....وہ ماہر نفسیات تھے جو ایک مرتبہ ولسن کالج آئے تھے جہاں میں ایک برس تک طالب علم رہا تھا.....ڈاکٹر مشانی نے آرٹس کے طلباء کو پیشوں کے انتخاب کے بارے میں ایک لیکچر دیا تھا..... چرچ گیٹ پر..... میں ان کے پاس گیا اور اپنا تعارف کروایا .....وہ مجھے بخوبی جانتے تھے کیونکہ وہ آغا جی کے شناساؤں میں سے تھے.....

انہوں نے مجھ سے پوچھا:.....

''یوسف تم یہاں کیا کر رہے ہو؟''

میں نے انہیں بتایا کہ میں ملازمت کی تلاش میں تھا لیکن چونکہ فی الحال کوئی ملازمت میسر نہ آئی تھی لہٰذا میں کچھ کاروبار کرنے کی کوشش کر رہا تھا.....انہوں نے کہا کہ وہ ملاد (مغربی مضافات میں) جا رہے تھے تاکہ وہاں بمبئی ٹاکیز (ایک فلمی اسٹوڈیو) کے مالکان سے ملاقات کر سکیں اور یہ ایک بُرا آئیڈیا نہ ہوگا اگر میں بھی ان کے ساتھ چلتا ہوں اور ان لوگوں سے ملاقات کرتا ہوں.....

انہوں نے اتفاقیہ طور پر تذکرہ کیا:.....

''وہ تمہارے لئے ملازمت کے حامل ہو سکتے ہیں''

میں نے ایک لمحے کے لئے سوچا اور ان کے ساتھ چلنے کا فیصلہ کر لیا اور دادار جانے کا ارادہ ترک کر دیا.....

میرے پاس بندرا تک کا درجہ اول کا ٹکٹ موجود تھا (ملاد بندرا سے تقریباً 18 کلومیٹر دور ہے).....ڈاکٹر مشانی ٹکٹ چیکر کو جانتے تھے.....جس نے مجھے ملاد تک سفر جاری رکھنے کا پروانہ جاری کر دیا.....اگرچہ بمبئے ٹاکیز ملاد اسٹیشن سے زیادہ دور نہ تھا لیکن انہوں نے اس خیال کے تحت ایک ٹیکسی پکڑی کہ تقریباً دوپہر کے کھانے کا وقت ہو چکا تھا اور انہیں خدشہ تھا کہ مسز دویکا رانی.....بمبئی ٹاکیز کی باس کہیں دوپہر کے کھانے کے لئے روانہ نہ ہو جائے.....

میں نے اپنی زندگی میں کبھی فلم اسٹوڈیو نہ دیکھا تھا.....حتیٰ کہ فوٹو گراف میں بھی نہ دیکھا تھا .....میں نے راج کپور سے بمبئی ٹاکیز کی بابت سنا تھا جس نے اس کی بابت اس اسٹوڈیو میں بات کی تھی جہاں پر اس کے باپ پرتھوی راج کی فلم کی شوٹنگ ہو رہی تھی.....

بمبئی ٹاکیز ایک مکمل سرپرائز تھا..... یہ کئی ایکٹر پر محیط تھا اور اس میں ایک باغ تھا جس میں

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

ایک فوارہ بھی نصب تھا..... دفتر کی عمارت ایک خوبصورت بنگلہ زیادہ دکھائی دیتی تھی اور ایک مخصوص دفتری ڈھانچہ کم دکھائی دیتی تھی.....

جب ڈاکٹر مشانی اندر داخل ہوئے..... دویکا رانی نے ان کا گرمجوشی کے ساتھ استقبال کیا اور انہیں ایک نشست پیش کی اور میری جانب حیرانی سے دیکھا جب کہ میں اپنا تعارف کروائے جانے کے انتظار میں مصروف تھا..... وہ خوبصورتی کی ایک جیتی جاگتی تصویر تھی اور جب ڈاکٹر مشانی نے میرا تعارف کروایا تب اس نے نمستے کے ساتھ میرا استقبال کیا اور مجھ سے کہا کہ میں ایک کرسی کھینچ کر بیٹھ جاؤں..... اس کی نگاہیں مجھ پر جمی ہوئی تھیں جیسے اس کے ذہن میں میرے بابت ایک سوچ گشت کر رہی تھی..... اس نے امیا چکرابورتھی (ایک معروف ڈائریکٹر جیسا کہ مابعد میرے علم میں آیا) کے ساتھ ہمارا تعارف کروایا ..... جو ایک صوفے پر براجمان تھا..... اس نے مجھ سے پوچھا کہ کیا میں اردو بخوبی جانتا تھا..... میں نے اثبات میں جواب دیا اور ڈاکٹر مشانی نے مداخلت کرتے ہوئے میرا پس منظر اسے بتایا..... اور پشاور میں میرے ساتھ حالات کا تذکرہ کیا اور اسے آغا جی کی بابت بتایا اور اس کاروبار کی بابت بھی بتایا جو ہم کر رہے تھے..... اس نے دلچسپی کے ساتھ یہ سب کچھ سنا اور میں نے اس کے چہرے کا مشاہدہ کیا جو فطری چمک دمک کا حامل ہونے کے ساتھ ساتھ اس کی اچھی صحت کی عکاسی بھی کر رہا تھا..... میں حیران تھا کہ وہ مجھے کس قسم کی ملازمت دینے جا رہی تھی کیونکہ وہ اردو زبان میں میری کارکردگی کی بابت جاننے میں بے حد دلچسپی رکھتی تھی.....

وہ میری جانب مڑی اور ایک خوبصورت مسکراہٹ کے ساتھ اس نے مجھ سے وہ سوال پوچھا جو میری زندگی کے لائحہ عمل کو مکمل طور پر تبدیل کرنے والا تھا اور اس کے علاوہ غیر متوقع بھی تھا..... اس نے مجھ سے پوچھا کیا میں ایک اداکار بننا پسند کروں گا اور اسٹوڈیوں کی ملازمت قبول کروں گا جس کی تنخواہ 1250 روپے ماہوار ہوگی..... ایک لمحے کیلئے میری سمجھ میں نہ آیا کہ مجھے کیا کہنا ہے..... میں نے ڈاکٹر مشانی کی جانب دیکھا..... وہ بھی مساوی طور پر حیران تھے لیکن وہ اپنی حیرانی کا اظہار نہیں کر رہے تھے..... انہوں نے محض اپنے کندھے اچکائے اور میں سمجھ گیا کہ یہ میرے لئے ایک خاموش اشارہ تھا کہ میں اسے جواب سے نوازوں..... میں فضول سوچ بچار میں وقت ضائع کرنے کا عادی نہ تھا..... لہٰذا میں نے اس کی دل کش مسکراہٹ واپس لوٹاتے ہوئے اسے بتایا کہ یہ اس کی مہربانی تھی کہ اس نے مجھے ایک اداکار کی ملازمت پیش کی تھی لیکن مجھے اس قسم کا کوئی تجربہ نہ تھا اور میں آرٹ کے بارے میں کچھ بھی نہ جانتا تھا..... مزید برآں..... میں نے محض ایک ہی فلم دیکھی تھی..... جو جنگ پر ایک دستاویزی فلم تھی جو ڈیولالی میں فوجیوں کیلئے پیش کی گئی تھی..... اس نے جلدی سے توجیہ پیش کرتے ہوئے کہا:.....

''تم نے اپنے خاندان کی پھلوں کی تجارت کا تجربہ کیسے حاصل کیا؟''

میں نے اسے بتایا جیسا کہ میں سیکھ رہا تھا..... میں زیادہ تجربے کا دعویٰ نہیں کر سکتا تھا..... تب اس نے کہا:.....

''یہ ہوئی نا بات..... اگر تم پھلوں اور پھلوں کی کاشت کے بارے میں سیکھنے کی سردردی مول لے سکتے ہو تم یقیناً فلم بنانے اور اداکاری کرنا سیکھنے کی سردردی بھی مول لے سکتے ہو..... مجھے ایک نوجوان..... خوبصورت..... پڑھے لکھے اداکار کی ضرورت ہے اور میں محسوس کر سکتی ہوں کہ تم میں ایک اچھا اداکار بننے کی اہلیتیں موجود ہیں۔''

جلد ہی دوپہر کھانے کا وقت آن پہنچا اور اس نے ہمیں اپنے ساتھ کھانے میں شریک ہونے

itsurdu.blogspot.com

کی دعوت دی.....ڈاکٹر مشانی نے بڑی سہولت کے ساتھ معذرت کرلی اور ہم نے اس سے رخصت ہونے کی اجازت طلب کی.....واپسی پر ڈاکٹر مشانی نے زیادہ بات چیت نہ کی.....مجھے اس پیش کش پر غوروفکر کرنے کی ضرورت تھی.....یہ ایک ایسی پیش کش تھی جس کی توقع ہم دونوں میں سے کوئی بھی نہیں کررہا تھا.....اب میں اس بارے میں مزید فکرمند نہ تھا کہ میں سینما اور اداکاری کے بارے میں کچھ نہ جانتا تھا.....حقیقت میں بہتر محسوس کررہا تھا اور شکرگزار بھی تھا کہ ایک دلکش مشاہرے کی حامل ملازمت میرے شرف قبولیت کی منتظر تھی.....

گھر پہنچنے پر میں نے ایوب صاحب کو اس میں پیش کش کی بابت بتایا.....انہیں یقین ہی نہ آیا کہ دویکا رانی نے مجھے 1250 روپے ماہوار مشاہرے پر ملازمت کی پیش کش کی تھی.....انہوں نے کہا کہ ماہوار مشاہرے کی بجائے سالانہ مشاہرہ ہوسکتا تھا.....انہوں نے کہا کہ وہ جانتے تھے کہ راج کپور 170 روپے روپے ماہوار مشاہرہ پارہے تھے.....میں نے محسوس کیا کہ ایوب صاحب درست کہہ رہے تھے.....وہ کیسے مجھے ہر ماہ اس قدر بھاری مشاہرہ دے سکتی تھی؟ اور اگر یہ سالانہ مشاہرہ تھا تب یہ قبول کرنے کی لائق نہ تھا اور یہ آغا جی کا مالی بوجھ ہلکا نہ کرسکتا تھا.....میرے لئے یہ ضروری تھا کہ میں اس قدر کماؤں کہ آغا جی کا مالی بوجھ بانٹ سکوں.....

ایوب صاحب کے علاوہ گھر میں کوئی بھی اس معاملے کے بارے میں نہ جانتا تھا.....نور صاحب (میرے سب سے بڑے بھائی) کا ان معاملات سے کوئی تعلق نہ تھا اور وہ اپنی ہی دنیا کے باسی تھے.....وہ محض کھانا کھانے کے اوقات کے دوران ہی گھر میں دیکھے جاتے تھے.....

میں نے سوچا کہ میرے لئے بہتر تھا کہ میں ڈاکٹر مشانی کو اپنے فیصلے کی بابت بتاؤں.....لہٰذا میں چرچ گیٹ میں واقع ان کے گھر جا پہنچا اور انہیں بتایا کہ ایک سالانہ 1250 روپے مشاہرہ ایک قلیل مشاہرہ تھا اور اس مشاہرے سے میرے سفر کے اخراجات کی تکمیل بمشکل ہوسکتی تھی جو مجھے روزانہ ملاد کی جانب طے کرنے ہوں گے اور مجھے اپنی پیشہ وارانہ ذمہ داریوں کی تکمیل کے لئے جوتگ ودو اور محنت کرنا ہوگی اس کی بھی بخوبی تلافی ممکن نہ ہوگی.....ڈاکٹر مشانی کو یقین تھا کہ جو مشاہرہ مجھے پیش کیا گیا تھا وہ ماہانہ مشاہرہ تھا اور سالانہ مشاہرہ ہرگز نہ تھا.....انہوں نے رضاکارانہ طور پر یہ تجویز پیش کی کہ وہ دویکا رانی سے اس مشاہرے کی بابت بات کرکے غلط فہمی کو دور کرنے کی کوشش کریں گے.....لہٰذا انہوں نے فون پر دویکا رانی سے رابطہ کیا اور ان کے چہرے کے تاثرات اور مسکراہٹ مجھے باور کروا رہی تھی اور میں بخوبی سمجھ سکتا تھا کہ وہ ان سے کوئی ایسی بات کررہی تھی جس سے ڈاکٹر صاحب بے حد خوش تھے.....جب انہوں نے ریسیور نیچے رکھا.....انہوں نے مجھے بتایا کہ اس نے 1250 روپے ماہوار مشاہرے کی پیش کش کی تھی اور یہ ماہوار مشاہرہ تھا سالانہ مشاہرہ ہرگز نہ تھا.....وہ چاہتی تھی کہ وہ اس قدر زیادہ ماہوار مشاہرے کی پیش کش کرے جو میں بخوشی قبول کرلوں.....

اگلے روز دوپہر کے کھانے کے بعد میں نے چرچ گیٹ پر ڈاکٹر مشانی سے ملاقات کی.....برس 1942ء تھا اور دن جمعہ تھا (مجھے تاریخ یاد نہیں ہے).....میں نے دوپہر کا کھانا کھانے اور نماز ادا کرنے کے بعد خاموشی سے گھر کو چھوڑا.....کوئی نہیں جانتا تھا کہ میں کہاں جارہا تھا.....

©جملہ حقوق بحق ادارہ اُردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

بمبئی ٹاکیز کے گیٹ اس دوپہر کسی نہ کسی طرح کچھ زیادہ ہی دعوت دیتے ہوئے اور خوش آمدید کہتے ہوئے دکھائی دیے جب چوکیدار نے انہیں ہماری ٹیکسی کے اندر داخل ہونے کے لئے کھولا .....اپنے دفتر میں دویکا رانی اکیلی بیٹھی تھی..... بات چیت مختصر تھی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ میں پیش کش قبول کرنے کے لئے آیا تھا.....اس نے کہا کہ کاغذی کارروائی اور ملازمت کے ضابطے کی کارروائی اس کا معاون مسٹر آئیر سرانجام دے گا.....وہ چاہتی تھی کہ میں جلد از جلد ملازمت جوائن کرلوں اور اپنے کام کا آغاز کردوں .....اس نے کہا کہ بہتر ہوگا کہ میں اگلے دن ہی اسٹوڈیو پہنچ جاؤں اور ان لوگوں سے ملاقات کروں جن کے ساتھ مجھے کام کرنا ہوگا.....رقم کی بابت بات کرنے کی میری ہچکچاہٹ نے مجھے تنخواہ کی دوبارہ تصدیق کرنے سے باز رکھا.....اگرچہ ان دنوں چار ہندسوں پر مشتمل تنخواہ کمانا ایک بہت بڑی کامیابی تھی .....یہی بات مجھے ایک ایسے پیشے میں گھسیٹ لائی تھی جس کی بابت میں جانتا تھا کہ میرے باپ کے دل میں اس پیشے کے لئے محض تھوڑی بہت ہی عزت واحترام موجود تھا.....

ہمارے لئے چائے پہنچ چکی تھی جو بڑے قرینے اور سلیقے سے ٹرے میں سجائی گئی تھی ..... آفس بوائے نے بڑے سلیقے کے ساتھ ہمیں چائے کے کپ تھمائے وہ بخوبی تربیت یافتہ دکھائی دیتا تھا .....چائے پیش کرنے کے دوران اس نے چائے کا ایک قطرہ بھی کہیں گرنے نہ دیا.....یہ حیران کن امر تھا کہ ایک انڈین لڑکا اس قدر عمدگی کے ساتھ چائے پیش کررہا تھا جس کے دعویدار محض انگریزی بٹلر ہی تھے.....

میں شام گئے گھر واپس آیا اور جب میں نے اماں کو یہ بتایا کہ میں نے ایک ملازمت تلاش کرلی تھی جس کی ماہانہ تنخواہ 1250 روپے تھی اور ہر مہینے مجھے 1250 روپے ملنے تھے.....جو اُن کے کچن کے اخراجات پورے کرنے کے علاوہ میرے چھوٹے بھائی بہنوں کے تعلیم کی تکمیل بھی کریں گے ..... بے تحاشہ متفرق اخراجات بھی تھے اور کچھ رقم ان کی تکمیل کے لئے بھی مختص کی جاسکتی تھی.....وہ یہ جاننا چاہتی تھیں کہ وہ کون سی ملازمت تھی جو اس قدر زیادہ تنخواہ کی حامل تھی.....میں نے انہیں یقین دلایا کہ وہ ایک باعزت ملازمت تھی اور میں اس کے حصول میں محض اس لئے کامیاب ہوا کہ مجھے اردو زبان پر مکمل عبور حاصل تھا.....وہ خوش دکھائی دیتی تھیں.....میرے جواب نے انہیں مطمئن کردیا تھا.....اس وقت دوسری عالمی جنگ جاری تھی اور ہماری آزادی کی جدوجہد بھی اپنے عروج پر تھی .....ایسے وقت میں یہ ملازمت ایک نعمت غیر مترقبہ تھی.....

اگلا دن بھی حسب معمول طلوع ہوچکا تھا.....میں نے لباس زیب تن کیا اور تیار ہوکر چپکے سے گھر رخصت ہوگیا.....میں عین وقت پر صبح 9 بجے اسٹوڈیو پہنچا.....دویکا رانی نے میرا استقبال کیا اور مجھے ذاتی طور پر اس فلور پر لے گئی جہاں ایک شوٹنگ کے لئے تیاری زوروں پر تھی.....اس نے مجھے ایک شخص کے حوالے کیا جو لباس میں بخوبی ملبوس تھا اور نمایاں دکھائی دے رہا تھا.....وہ مجھے آشنائی کا حامل دکھائی دیا اور مجھے یاد آیا کہ میں نے اسے کرافورڈ مارکیٹ کے قریب اشتہاروں کی زینت سے دیکھا تھا .....اس کے سیاہ بال پیچھے کی جانب کنگھی کیے ہوئے تھے اور وہ اپنی آنکھوں کے ذریعے مجھ پر مسکرایا..... دویکا رانی نے میرا تعارف کروایا..... یہ کہتے ہوئے کہ میں نے ابھی ابھی بطور ایک اداکار جوائن کیا تھا .....اس نے گرمجوشی کے ساتھ مصافحہ کرتے ہوئے میرا ہاتھ تھام لیا جو ایک ایسی دوستی کا آغاز تھا جو ہمارے درمیان زندگی بھر قائم رہنی تھی.....وہ اشوک کمار تھا.....جو جلد ہی میرا اشوک بھیا (بھائی) بن گیا .....(وہ 10 دسمبر 2001ء کو فوت ہوگیا تھا)

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

اشوک کمار فلور سے باہر آیا اور ایک لڑکے کو پکارا اور اسے اپنا میک اپ روم کھولنے کے لئے کہا ..... جیسے ہی لڑکا کمرے کی چابیاں لینے کے لئے بھاگا میں نے ایک دوسرے نوجوان شخص کو پہچان لیا جو چل کر ہماری جانب آ رہا تھا..... وہ راج کپور تھا..... مجھے دیکھ کر اسے دھچکا لگا تھا..... اسے اس وقت سخت حیرانی ہوئی جب میں نے اسے بتایا کہ میں نے بطور ایک اداکار اسٹوڈیو جوائن کر لیا تھا:.....

''کیا تمہارا باپ جانتا ہے؟''

اس نے شرارت بھرے انداز میں مجھ سے پوچھا..... میں نے اسے کوئی جواب نہ دیا کیونکہ اشوک بھیا اور دویکا رانی دونوں ہمارے قریب کھڑے تھے اور انہیں خوشگوار حیرت ہوئی یہ جان کر کہ راج اور میں ایک دوسرے کو جانتے تھے..... راج نے خالصہ کالج میں ہمارے فٹ بال کے دنوں کا مختصر سا تذکرہ کیا..... جس کے جواب میں دویکا رانی نے کہا:.....

''درحقیقت وہ بہت عمدہ ہے..... یہ ایک ایسا کھیل ہے جس کی بابت میری خواہش تھی کہ میں بھی اسکول میں لڑکوں کی مانند کھیل سکتی۔''

دویکا رانی ہمیں ایک دوسرے کیساتھ گپ شپ لڑانے کیلئے چھوڑ کر تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے واپس اپنے دفتر کی جانب چلی گئی..... اشوک کمار اور راج غیر رسمی طریقے سے آپس میں باہم روابط ہوتے تھے..... جسے میں نے بیحد پسند کیا..... یہ ایک دفتر کی مانند نہ تھا جہاں پر آپ کسی سینئر کو ''سر'' کہہ کر مخاطب کرتے تھے اور محض اسی وقت بات کرتے تھے جب وہ آپ کو مخاطب کرتا تھا..... یہاں راج مسلسل باتیں کر رہا تھا اور خالصہ کالج میں ہماری احمقانہ آوارہ گردیاں بیان کر رہا تھا اور میں سوچ رہا تھا کہ وہ اس راز کو راز ہی رہنے دے تو بہتر ہے کہ میں نے آغا جی کے علم میں لائے بغیر اسٹوڈیو جوائن کیا تھا ..... یہ ایسی بات تھی جس کی بابت میں نہیں چاہتا تھا کہ یہ اسٹوڈیو کے علم میں آئے کیونکہ اس طرح میرا یہ تاثر ابھرتا کہ میں خفیہ طور پر کام کرنے کا عادی ہوں..... خوش قسمتی سے وہ اس موضوع پر نہ آیا اور میں نے سکھ کا سانس لیا..... اس میں کوئی شک نہیں کہ راج مجھے وہاں دیکھ کر خوش ہوا تھا اور اس نے مجھے اس پیشے میں خوش آمدید کہا تھا..... وہ جانتا تھا کہ میں کالج میں کس قدر شرمیلا ہوا کرتا تھا اور وہ حیران تھا کہ میں کیسے اس پیشے میں موزوں ثابت ہوں گا جو شرمیلے اور لئے دیے رہنے والے لوگوں کیلئے نہ تھا.....

اگلے دن اسٹوڈیو میں میں ایک ایسے شخص کے ساتھ متعارف ہوا جس کا نام شاہ نواز خان تھا .....وہ ایک غیر مہذب اور اکھڑ شخص تھا..... اس نے مجھ سے پوچھا کہ کیا میں ایک پٹھان تھا اور میں نے جب اثبات میں جواب دیا تب وہ ایسے ہنسنے لگا جیسے میں نے اسے ناقابل یقین حد تک مضحکہ خیز چیز بتا دی تھی..... اس نے کہا کہ وہ میرے چہرے کی رنگت اور میرے رخساروں کی رنگت کی وجہ سے جانتا تھا کہ میں ایک پٹھان تھا..... لہٰذا اگر وہ جانتا تھا تب اس میں اس قدر کیا مضحکہ خیزی تھی کہ وہ گھوڑے کی طرح ہنہنا کر ہنسنے لگا تھا..... میں اس سے پوچھنا چاہتا تھا..... اس کے بعد اس نے پوچھا کہ میرے کتنے بھائی تھے..... میں نے اسے بتایا میرے پانچ بھائی تھے..... اسے دوبارہ دورہ پڑ گیا تھا اور مجھے یقین تھا کہ میں اس پاگل شخص کے ساتھ محض وقت ضائع کر رہا تھا..... اس نے کہا:.....

''تم اگر چھ بھائی ہوتے تو میرا کیا بگاڑ لیتے؟''

اب بہت زیادتی ہو چکی تھی اور وہ اب ذاتیات پر اتر آیا تھا..... لہٰذا میں اٹھا اور دویکا رانی کے پاس چلا آیا اور اسے بتایا کہ اس شخص کے کس قدر احمقانہ انداز میں میرے ساتھ بات کی تھی..... اس نے منہ سے تو کچھ نہ کہا..... اس نے محض میرے پیٹھ پر تھپکی دی تھی اور مجھے گھر واپس بھیج دیا.....

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

میری روانگی کے بعد..... اس نے لازماً اس کی سرزنش کی ہوگی کیونکہ اگلے دن وہ معذرت کر رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ اس کا مقصد میری دل آزاری ہرگز نہ تھا..... اس قسم کا مذاق بمبئی ٹاکیز میں عام چلتا تھا..... یہ اس کا کہنا تھا..... میں حیران تھا کہ کیا وہ مجھے سچ بتا رہا تھا کیونکہ میں جن لوگوں سے ملا تھا مثلاً اشوک بھیا اور داؤد ابراہیم (ایک قابل ذکر کریکٹر ایکٹر) وہ اس قدر مہذب اور نرم گفتار تھے..... میں نے محسوس کیا کہ داؤد جانتا تھا کہ شاہ نواز نے میرے ساتھ کیا کیا تھا..... چند دنوں بعد بکرا عید تھی.....

''کیا تم عید پر عید کارڈوں کا تبادلہ کرو گے؟''

داؤد نے ہم سے دریافت کیا کیونکہ اس نے محسوس کیا تھا کہ میں شاہ نواز سے کنی کترا رہا تھا.....

عید کے دن..... مجھے شاہ نواز کی جانب سے عید کارڈ موصول ہوا..... اس کے ساتھ ایک چھوٹا سا زرد پیکٹ بھی تھا اور ایک چھوٹی سی تحریر بھی تھی..... یہ تمہارے گھنے اور خوشنما بالوں کے لئے..... میں دہشت کے عالم میں بات بھی نہ کر سکا..... پہلے میں نے دویکا رانی کے پاس جا کر اسے یہ تحریر دکھانے کا فیصلہ کیا..... لیکن پھر میں نے سوچا کہ ایسا کرنا میرے لئے ایک احمقانہ فعل ہوگا..... لہٰذا میں نے اپنے غصے کا اظہار نہ کیا اور گھر روانہ ہو گیا..... اگلے دن جب میں اسٹوڈیو پہنچا..... میں داؤد کے پاس گیا اور میں نے چھوٹا سا زرد پیکٹ ایک کارڈ اور تحریر کے ہمراہ اس کی میز پر چھوڑ آیا..... جب داؤد نے یہ سب کچھ اپنی میز پر پڑا دیکھا..... اس نے شاہ نواز کو بلا کر اسے یہ سب کچھ دکھایا..... وہ تھوڑی دیر تک ہنستے رہے..... اس کے بعد..... شاہ نواز نے مجھے بتایا:.....

''اب تم ہم میں سے ایک ہو..... ہم نے سوچا کہ ہمیں تمہیں کسی قدر طیش دلانے کی ضرورت ہے تاکہ تم اپنی کم گوئی پر قابو پا سکو۔''

اس کے بعد وہ بے ساختہ مجھ سے بغلگیر ہو گیا اور اس نے مجھے یقین دلایا کہ آئندہ کبھی طیش نہیں دلایا جائے گا.....

©جملہ حقوق بحق ادارہ اُردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

روشنیاں.....کیمرہ.....ایکشن

(LIGHTS, CAMERA, ACTION)

''میں .....اس امر سے آشنا ہوا کہ ایک اداکار کو اپنی اندرونی تحریک کو تقویت پہنچانے کی ضرورت ہے کیونکہ حقیقی اور غیر حقیقی کے درمیان دوشیت کو دماغ کے ذریعے چھانٹ کر ایک نہیں کیا جا سکتا .....جو کسی بھی نارمل صورت حال میں حقیقت اور منطق سے زیادہ متعلق ہوتی ہے.....دماغ آپ کو ہمیشہ یہ بتائے گا کہ یہ حماقت ہے..... یہ محض اندرونی تحریک یا جبلت ہے جو آپ کو جذب کرنے میں معاون ثابت ہوگی جو آپ نے اسکرپٹ سے جذب کرنا ہے اور آپ اپنی پرفارمینس میں حقیقت کا رنگ بخوبی بھر سکیں اگرچہ آپ کے علم میں ہوگا کہ یہ سب کچھ من گھڑت اور ڈرامہ ہے۔''

زندگی کے اس مرحلے پر بمبئی ٹاکیز ایک بہترین چیز تھی جو مجھے میسر آئی تھی.....میں اس سے بہتر ملازمت تلاش نہیں کر سکتا تھا جو دویکا رانی نے مجھے پیش کی تھی..... یقیناً..... مجھے کوئی علم نہ تھا کہ کیمرے کے سامنے اداکاری کیا تھی..... یہ ایک ایسی چیز تھی جو مطالعہ مشق اور سیکھنے کا عمل درکار رکھتی تھی .....جو خوش کن بات تھی وہ یہ تھی کہ اسٹوڈیو مختلف مناظر میں گھرا ہوا تھا جس کے بارے میں مجھے علم ہوا کہ وہ مستقل سیٹ تھے جو شوٹنگ کے لئے تخلیق کئے گئے تھے.....اس نے میری دلچسپی کو ابھارا کہ میں یہ جان سکوں کہ یہ جو سب کچھ میں دیکھ رہا تھا اسے ایک فلم کی شوٹنگ میں کیسے استعمال کیا جا سکتا تھا.....لہٰذا اولین دو ماہ تک.....دویکا رانی نے یہ یقین دہانی حاصل کی کہ میں تمام شوٹنگز پر حاضر رہتا تھا.....میں روزانہ صبح اسٹوڈیو پہنچ جایا کرتا تھا اور سیدھا ان سیٹوں کا رخ کرتا تھا جہاں پر شوٹنگ ہو رہی ہوتی تھی.....

اشوک بھیا اُن دنوں فلم ''قسمت'' (1943ء میں نمائش کے لئے پیش کی گئی) کے آخری حصوں کی شوٹنگ میں مصروف تھے.....اور بے تحاشہ کارگزاریاں سرانجام دی جا رہی تھیں کیونکہ گیان مکھر جی.....ڈائریکٹر.....اور ان کے معاونین سیٹوں پر ساز و سامان کو لائٹنگ کے نمونے کے مطابق حرکت دیتے رہتے تھے.....

اشوک بھیا ایک بے حد کامیاب اسٹار تھے جیسا کہ مجھے معاونین نے بتایا تھا.....ان کی 1941ء میں نمائش کے لئے پیش کی جانے والی فلم ''جھولا'' نے کامیابی کے جھنڈے گاڑے تھے اور وہی ڈائریکٹر ''قسمت'' بنا رہے تھے.....لہٰذا جوش و خروش دیدنی تھا اور یہ سب کچھ میرے لئے نیا تھا کیونکہ مجھے کچھ علم نہ تھا کہ فلم کیسے کامیابی کے جھنڈے گاڑتی ہے اور کیسے اسٹوڈیو اور پروڈیوسر کے لئے مال کماتی ہے.....

میں نے محسوس کیا کہ میں بخوبی جانے پہنچانے اور مشہور و معروف اسٹار کی موجودگی میں تھا جب اشوک بھیا سیٹ پر پہنچے اور ڈائیریکٹر کے ساتھ خوش باش انداز میں باتیں کرنے لگے.....گیان مکھر جی کے ساتھ.....اور پروڈیوسر.....ششدھر مکھر جی جو بطور ایس۔ مکھر جی مقبول عام تھے کے ساتھ..... جن کے ساتھ وہ انتہائی آسودہ اور پرسکون دکھائی دیتے تھے..... جب انہوں نے مجھے دیکھا.....وہ میرے پاس آئے اور میرے ساتھ غیر رسمی باتیں کرنے لگے ایسے جیسے ہم ایک دوسرے کو برسوں سے جانتے تھے.....انہوں نے کہا وہ جانتے تھے کہ میں کیوں وہاں پر موجود تھا.....انہوں نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا:.....

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

''یہ سب بے حد سادہ ہے۔''

وہ میرے ہمراہ چلتے ہوئے دروازے سے باہر نکلے اور ہم اسٹوڈیو فلور سے باہر کھلے مقام پر آن پہنچے..... انہوں نے کرسیاں طلب کیں اور اسٹوڈیو ملازمین نے فوراً ان کے حکم کی تعمیل کی.....

انہوں نے اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا:.....

''تم ایک خوبصورت شخص ہو اور میں محسوس کر سکتا ہوں کہ تم سیکھنے کے مشتاق ہو..... یہ سب بے حد سادہ ہے..... تم محض وہ کرو جو تم ایسی صورت حال میں کر سکتے ہو اگر تم حقیقت میں ایسی صورت حال میں موجود ہوتے ہو..... اگر تم اس کا مظاہرہ کرو گے یہ اداکاری ہوگی اور یہ بے حد احمقانہ دکھائی دے گی۔''

انہوں نے میرے چہرے کی پریشانی کو بھانپ لیا اور ہنسنے لگے..... ان کی ہنسی میں حقیقی گرمجوشی تھی اور ان کے الفاظ بتدریج میری سمجھ میں سمانے لگے..... اس سین میں جو میں نے گزشتہ دن دیکھا تھا..... جب کہ میں کیمرہ مین کے معاونین کے ساتھ کیمرے کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا..... وہ عین ویسے ہی انداز سے ہنسے تھے جس انداز سے وہ ابھی ابھی ہنسے تھے..... انہوں نے ایک ردعمل کے خلاف ایک حقیقی ردعمل کا اظہار کیا تھا جیسا کہ انہوں نے ابھی ابھی میرے چہرے پر پریشانی بھانپ کر کیا تھا.....

اشوک بھیا نے جلد ہی مجھے ششدھر مکھر جی سے متعارف کروایا جو ان کے بہنوئی تھے (اشوک بھیا کی ہمشیرہ ستی دیوی ششدھر مکھر جی سے بیاہی ہوئی تھی)..... اشوک بھیا کی فطرت ایسی تھی کہ اجنبیوں کے ساتھ بھی دوستی استوار کر لیتے تھے اور اسٹوڈیو میں موجود ہر فرد کے لئے آسانیاں پیدا کرنے کے لئے کوشاں رہتے تھے..... ان میں کینٹین بوائے سے لے کر ٹیکنشین اور ساتھ کام کرنے والے اداکار بھی شامل تھے..... میری ان سے روزانہ ملاقات ہوتی تھی اور وہ میرے ساتھ ایک چھوٹے بھائی جیسا سلوک کرتے تھے جس کی رہنمائی اور تحفظ جیسے ان کا فریضہ تھا..... میرے شرمیلے پن اور کم گوئی میں اب کمی واقع ہونی شروع ہوگئی تھی اور اس کی وجہ اشوک کمار کی محبت اور دوستی تھی اور ان کے وہ محبت بھرے جذبات تھے جن کے وہ میرے لئے حامل تھے اور یہ سب کچھ ''قسمت'' کی شوٹنگ کے دوران منظر عام پر آیا تھا.....

میں جو کچھ دیکھ رہا تھا اسے بے حد پسند کرتا تھا اور میں نے سوچا کہ یہ زیادہ دلچسپ اور جذب ہونے والا تھا بہ نسبت دفتر کا کام یا آغا جی کا کام جو پھلوں کے کاروبار سے متعلق تھا.....

اشوک بھیا قریب ہی رہتے تھے اور ایس مکھر جی صاحب نے بھی ایسا ہی کیا تھا..... یہ بمبئی ٹاکیز کے لئے تغیر کا دور تھا جیسا کہ دویکا رانی..... جو اپنے خاوند اور اسٹوڈیو کے شریک بانی ہمانشو رائے کی وفات کے بعد (16 مئی 1940ء کو) اسٹوڈیو کا نظم ونسق چلا رہی تھی..... وہ روس کے مصروف مصور سویٹوسلاوا اورچ کے ساتھ شادی کرنے کے منصوبہ بندی کر رہی تھی اور اس نے اسٹوڈیو کا نظم ونسق ایس مکھر جی صاحب اور امیا چکرا بھورتھی کے ہاتھوں میں دے دیا تھا.....

وہ شوٹنگ کے دوران سیٹوں کا دورہ کیا کرتی تھی اور گراں قدر تجاویز بھی پیش کیا کرتی تھی..... اسے فلم سازی کے میدان سے متعلقہ ہر چیز اور ہر کام کا بخوبی علم تھا کیونکہ اس نے یو۔ایف۔اے (یونی ورسم فلم اسکیین کیس لس شافٹ) میں بطور ایک ٹرینی کام کیا تھا..... وہ نہ صرف اداکاری میں تربیت یافتہ تھی بلکہ میک اپ کے فن..... سیٹ ڈیزائننگ..... اور ملبوسات ڈیزائننگ میں بھی بخوبی مہارت رکھتی تھی..... وہ بذات خود بھی دلکش لباس میں ملبوس رہتی تھی اور پروقار اور دلکش انداز سے ہم سب کے ساتھ باہم روابط ہوتی تھی..... وہ خوش تھی کہ ایشوک بھیا اور ایس مکھر جی صاحب کے ساتھ میں ایک

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

مضبوط بندھن میں بندھ رہا تھا..... فلمانے کے عمل کے وقفے کے دوران جب وہ آتی تھی تب زیادہ تر لوگ خاموش ہی رہتے تھے اور جرمن کیمرہ مین جو سینما ٹوگرافی کا ذمہ دار تھا اس کے ساتھ اپنی مادری زبان میں بات کرتا تھا اور اسی زبان میں اس کا جواب سن کر ہمیں خوشی ہوتی تھی.....

ان دنوں اشوک بھیا فرانسیسی زبان سیکھ رہے تھے تا کہ غیر ملکی زبانوں کی اپنی اس فہرست میں اضافہ کر سکیں جو وہ بول سکتے تھے..... وہ دویکا رانی اور سینما ٹوگرافر کی گفتگو میں شریک ہو جایا کرتے تے جب کہ ایس۔ مکھر جی صاحب اور میں خاموش کھڑے رہتے تھے.....

اب تک میں ایس۔ مکھر جی صاحب کے ساتھ کافی گھل مل چکا تھا وہ ایک اچھے شریف النفس شخص تھے..... ایک دوپہر انہوں نے مجھ سے استفسار کیا کہ کیا میں اردو شاعری کا کلام بھی بخوبی پڑھ سکتا ہوں..... میں نے جواب دیا کہ میں فارسی کلام بھی بڑی آسانی سے پڑھ سکتا ہوں کیونکہ میں ایک ایسے ماحول میں پروان چڑھا تھا جہاں میری تعلیم یافتہ آنٹیاں اور چچا فارسی اور اردو کلام کے تبادلے سے اس وقت لطف اندوز ہوتے تھے جب وہ پشاور میں واقع ہمارے گھر میں باہم اکٹھے ہوتے تھے..... انہوں نے سر ہلاتے ہوئے کہا:.....

''آج جب ہم پیک اپ کے بعد چائے سے لطف اندوز ہونے کے بعد ملتے ہیں میں تم سے کچھ فارسی اور اردو کلام سنوں گا..... میں دیکھنا چاہتا ہوں وہ کس ردعمل کا اظہار کرتا ہے۔''

میں جانتا تھا ایس..... مکھر جی صاحب کا اشارہ اشوک بھیا کی جانب تھا اور وہ ان کا حوالہ دے رہے تھے اور اس کا مطلب محض دل لگی تھا کیونکہ وہ کبھی کبھار اپنی لسانیاتی کے حوالے سے شیخی مارتے تھے..... اس شام جب کہ سورج نے لمحہ بہ لمحہ ان بڑے بڑے درختوں کے پیچھے چھپانا شروع کیا جو اسٹوڈیو کے احاطے کی چار دیواری کے ساتھ قطار در قطار کھڑے تھے..... اشوک بھیا..... ایس مکھر جی صاحب اور میں اسٹیج سے باہر بید کی کرسیوں پر براجمان ہو گئے جیسا کہ ہم ہمیشہ کرتے تھے..... تب ایس۔ مکھر جی صاحب نے مجھے تھوڑا بہت اردو کلام سنانے کے لئے کہا.....

انہوں نے کہا:.....

''یہ کس قدر خوبصورت شام ہے..... یوسف..... ہم تم سے تھوڑا بہت اردو کلام سننا چاہتے ہیں۔''

میں فطری طور پر تیار تھا اور میں نے انہیں وہ کلام سنایا جو میں اکثر اپنے بھائی ایوب صاحب کو اس وقت سنایا کرتا تھا جب وہ کشمیر میں حادثاتی طور پر گھوڑے سے گرنے کے بعد ریڑھ کی ہڈی زخمی ہونے کی وجہ سے محض بستر تک ہی محدود ہو کر رہ گئے تھے.....

اشوک بھیا حیرانی کے عالم میں بغور سنتے رہے لیکن ایس۔ مکھر جی ان سے بڑھ کر میرے کلام سنانے میں محو ہو چکے تھے.....

©جملہ حقوق بحق ادارہ اُردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

انہوں نے انکشاف کرتے ہوئے کہا.....

''میں چاہتا ہوں ہمارے تمام اسٹوری اجلاسوں میں تم وہاں پر موجود رہو اور ہماری رائٹنگ ٹیم (لکھاریوں کی ٹیم) کا حصہ بنو..... تمہیں زبان پر عبور حاصل ہے جس کی ہماری بنگالی لکھاریوں کو ضرورت ہے۔''

میں نے سوچا کہ یہ میرے لئے معقول ہوگا کہ میں اس بحث مباحثے میں حصہ لوں جو ان کہانیوں کے ڈائیلاگ (مکالموں) سے متعلق ہے جو اس قسم کے ممتاز ڈائریکٹروں نے تحریر کی ہیں جیسے امیا چکرابورتھی اور گیان مکھر جی وغیرہ وغیرہ..... تاہم یہ ایسا نہ تھا..... کم از کم ایس۔ مکھر جی صاحب نے اسے ان کے لئے اور میرے لئے سہل اور دوستانہ بنا دیا تھا اور اس کام کے لئے وہ اپنا خصوصی انداز بروئے کار لائے تھے..... یہ ایسا کام تھا جس کی مجھے بے حد کم امید تھی ..... یہاں پر میرا درجہ ایک نئے آنے والے کا تھا جس نے اپنی آزمائشی شوٹ کے لئے بھی کیمرے کا سامنا نہیں کیا تھا..... اور میں تجربہ کار لکھاریوں کے ساتھ ان کی مساوی حیثیت کا حامل ہوتے ہوئے بیٹھ رہا تھا..... وہ اپنی مادری زبان بنگالی میں شاندار کارکردگی کے حامل تھے اور چونکہ اردو زبان میں ان کی کارکردگی متاثر کن نہ تھی لہٰذا انہیں مجھ جیسے بندے کی ضرورت تھی جو اردو زبان پر دسترس رکھنے کی وجہ سے ان کے ڈائیلاگ (مکالموں) کی نوک پلک سنوار سکتا تھا.....

اسٹوڈیو میں ہر کوئی ایس۔ مکھر جی صاحب کی عزت کرتا تھا..... ان کی تعلیمی اہلیت اور قابلیت اور انگریزی زبان میں سہولت کے ساتھ اور روانی کے ساتھ بات چیت کرنے کی وجہ سے ان کی عزت میں مزید اضافہ ہوا تھا..... انہیں ہیمانشو رائے اسٹوڈیو میں لائے تھے جو بمبئی ٹاکیز کے بانی تھے..... ان دونوں کی ملاقات حادثاتی طور پر بمبئی میں ہوئی تھی جہاں ایس مکھر جی صاحب (الہ آباد یونیورسٹی کے فزکس کے شاندار پروفیسر) کسی تعلیمی ماہر سے ملنے کے لئے آئے ہوئے تھے جو ایک غیر ملکی یونیورسٹی کے بارے میں معلومات اور روابط رکھتے تھے جس میں ایس۔ مکھر جی صاحب مزید تعلیمی استعداد کے حصول کے لئے داخلہ لینے کے خواہاں تھے..... ہیمانشو رائے کو اس وقت ایک اہل فرد کی ضرورت تھی جو بمبئی ٹاکیز کے ساؤنڈ ڈیپارٹمنٹ کو قائم کر سکے اور اس کا نظم ونسق چلا سکے اور انہوں نے محسوس کیا کہ ایس۔ مکھر جی صاحب وہ فرد تھے جن کی وہ تلاش میں تھے..... انہوں نے اس بنگالی پروفیسر کو قائل کر لیا کہ وہ فزکس کے میدان میں اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے ملک سے باہر جانے کے آئیڈیا سے دست بردار ہو جائیں اور ان کے خواب کا ایک حصہ بن جائیں جو کہ انڈیا میں پیشہ وارانہ نظم ونسق کے تحت انڈیا میں ان خطوط پر ایک اسٹوڈیو قائم کرنے کے حوالے سے تھا جن خطوط پر جرمنی میں یو۔ ایف۔ اے اسٹوڈیو قائم تھے جہاں پر انہوں نے بطور پروڈیوسر کام کیا تھا اور وہ واحد ایشیائی تھے جو تمام پروڈکشن یونٹ کے انچارج تھے ہمراہ فرٹز لینگ اور جوزف اسٹرنگ برگ جیسے مایہ ناز ڈائریکٹران.....

ایس۔ مکھر جی صاحب نے اس پیشے میں ہمارے مقدر کو سنوارنے میں اہم کردار ادا کیا جس کے بارے میں ہم تصور تک بھی نہ کر سکتے تھے..... وہ مغربی تعلیم کی ایک مصنوعہ تھے..... انہوں نے اسکول کے زمانے ہی سے انگریزی میڈیم میں تعلیم حاصل کی جو جھانسی (اب اتر پردیش میں) میں واقع تھا اور میں نے بھی ڈیولالی میں برنس اسکول سے تعلیم حاصل کی تھی جس کا نصاب بھی انگریزی زبان میں تھا..... وہ اکثر انگریزی میں بات چیت کرتے تھے ماسوائے جب ہم بنگالیوں کے ہمراہ ہوتے تھے..... جو کہ اسٹوڈیو میں محض چند ایک ہی تھے..... میرا اقاعدگی کے ساتھ شوٹنگ دیکھنے کا عمل اور اشوک بھیا کے

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

ساتھ میرے باہمی روابط مجھے پہلے پہل فلم کے میدان میں اترنے کے لئے تیار کر رہے تھے..... میں نے اس وقت اشوک بھیا کا قریبی مشاہدہ کرنا شروع کر دیا تھا جب وہ ریہرسل کر رہے ہوتے تھے یا کیمرے کا سامنا کر رہے ہوتے تھے..... میں نے محسوس کیا کہ وہ کیمرے کے سامنے سوچی سمجھی حرکات کرتے تھے..... مثال کے طور پر وہ ایک سگریٹ سلگائے بغیر اپنے ہونٹوں میں پکڑتے تھے اور متلاشی نظروں سے اردگرد دیکھتے تھے..... اس کے بعد وہ سگریٹ اپنے ہونٹوں سے نکال باہر کرتے تھے..... دو قدم چلتے تھے..... تب سگریٹ واپس اپنے ہونٹوں کے درمیان رکھتے تھے اور اسے سلگاتے تھے اور کیمرے میں جھانکتے ہوئے دیے گئے ڈائیلاگ ادا کرتے تھے..... یہ سب کچھ میرے لئے بے حد مسحور کن تھا اور میں اندازہ لگا سکتا تھا کہ ان کا کیا مطلب تھا جب انہوں نے مجھے بتایا کہ ایک اچھا سین دینے کا راز کیمرے کے سامنے اداکاری کرنا نہ تھا اشوک بھیا ''اداکاری نہ کرنے کے'' کے راز سے بخوبی واقف تھے اور وہ اپنے ذہن میں قلعی طور پر سوچی سمجھی اسکیم کے تحت روبہ عمل ہوتے تھے جب وہ پرفارم کرتے تھے اور اس سوچی سمجھی اسکیم کی ریاضی ان کی اپنی تھی..... میں نے سمجھنے کا آغاز کر دیا تھا کہ اس کلی کام دھندے کے حوالے سے مجھے اپنے نظریے پر پہنچنا تھا جو جذبات اور احساسات کو تحریک دینے کے حوالے سے تھا.....

جب مجھے مکھرجی صاحب سے تنہائی میں بات کرنے کا موقع ملا..... میں نے ان کے ساتھ اپنے مشاہدے کا تذکرہ کیا کہ میں جاتا ہوں اور اس قدر فیچر فلمیں دیکھتا ہوں جس قدر میں دیکھ سکتا ہوں تاکہ میں مشاہدہ کر سکوں کہ مختلف اداکار کیسے کیمرے کے سامنے اپنی اہلیت کی سطحات حاصل کرتے ہیں بالخصوص طویل اور مشکل سین فلمائے جانے کے حوالے سے..... میرا خیال تھا کہ وہ جو کچھ کہہ رہے تھے اس میں ایک نکتہ پنہاں تھا لیکن یہ ایک مشکل کام تھا کہ اسٹوڈیو سے سیدھا سینما تھیٹر جایا جائے اور فلم دیکھ کر رات کو دیر سے گھر پہنچا جائے..... اس کے علاوہ اگر کسی نے مجھے تھیٹر جاتے ہوئے دیکھ لیا اور آغا جی سے میری شکایت کر دی تب ان کے ذہن میں مختلف سوالات جنم لیں گے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ مجھے اس تفریح سے کوئی دلچسپی نہ تھی جو تفریح فلمیں فراہم کرتی تھیں..... ان کی نگاہوں میں مَیں ایک اتھلیٹ تھا اور فٹ بال کا ایک جذباتی کھلاڑی تھا جو فٹ بال یا کرکٹ کی ایک اچھی گیم سے اپنی خوشی اور جوش..... جذبہ اور ولولہ اخذ کرتا تھا جو شہر کے کسی بھی کھلے میدان میں کھیلی جاتی تھی.....

میں ہر شام تقریباً چھ بجے گھر کے لئے روانہ ہوتا تھا..... میں ملاد سے چرچ گیٹ تک کا سفر ایک مقامی ریل گاڑی سے طے کرتا تھا..... اس سفر کو طے کرنے کے لئے میرے پاس درجہ دوم کا سیزن ٹکٹ موجود ہوتا تھا جس کی بنا پر میں بڑی سہولت کے ساتھ اپنا سفر طے کر لیتا تھا اور مجھے کسی قسم کی بھی پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑتا تھا.....

چرچ گیٹ سے میں بس پر سوار ہوتا تھا اور کرافورڈ مارکیٹ تک کا سفر بس میں طے کرنے کے بعد ناگ دیوی اسٹریٹ میں واقع اپنے گھر تک کا بقایا سفر میں پیدل طے کرتا تھا..... روزانہ راستے میں میرے اپنے دوستوں کے ساتھ ملاقات ہوتی تھی جو مجھ سے کئی سوالات پوچھتے تھے جو اتفاقی نوعیت کے حامل ہوتے تھے..... یہ زیادہ تر اس ملازمت کے بارے میں ہوتے تھے جو میں کر رہا تھا اور میں ہمیشہ انہیں یہی بتاتا تھا کہ میں ایک کمپنی میں کام کر رہا تھا جو ایک شاندار کمپنی تھی اور اس کمپنی کے تقریباً 1500 ملازمین تھے اور میں اس کمپنی میں بہت کچھ سیکھ رہا تھا..... میں کبھی گفتگو کو طویل کرنے کی کوشش نہ کرتا تھا بلکہ گفتگو سے اپنی جان چھڑانے کی کوشش کرتا تھا اور میں یہ ظاہر کرتا تھا کہ مجھے گھر جانے کی جلدی تھی.....

گھر پر..... اماں نے ایک دو مرتبہ مجھ سے سوال کیا تھا..... یہ سوال اس کام کے بارے میں

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

تھا جو میں کر رہا تھا اور میں نے انہیں یہی تاثر دیا تھا کہ میں جو کام کر رہا تھا وہ ایک اچھا اور باعزت کام تھا اور میں بے حد خوش تھا..... وہ ایک بڑے گھرانے کی ذمہ داریاں نبھانے میں اس قدر مصروف رہتی تھیں کہ وہ مجھ سے زیادہ سوال نہ کرتی تھیں..... میری بڑی بہن سکینہ آپا..... وہ تجسس کی ماری ہوئی تھیں..... وہ ہر ایک کا کھوج لگانے میں مصروف رہتی تھیں..... درحقیقت وہ ہر اس کام کی گہرائی تک رسائی حاصل کرتی تھیں جو کوئی کرتا تھا..... خواہ یہ ہمارے اپنے گھر میں ہو یا ہمارے پڑوسی کے گھر میں ہو..... وہ کچن کے امور میں اماں کا ہاتھ نہ بٹاتی تھی اور نہ ہی کسی اور کام میں اماں کی مدد کرتی تھی اور اماں نے کبھی شکایت بھی نہ کی تھی..... وہ ڈرتی تھیں کہ اس طرح سکینہ آپا کے ساتھ ایک بے معنی بحث مباحثہ چھڑ جائے گا اور سکینہ آپا مشتعل ہو کر نہ جانے کیا کر بیٹھیں گی..... سکینہ آپا ہر مرتبہ میری تفتیش کرنے کی کوشش کرتی تھیں ..... میں انہیں مختلف کام بتاتا رہتا تھا اور اپنی ملازمت کے بارے میں بڑی کامیابی کے ساتھ انہیں مغالطے کا شکار بنائے رکھتا تھا..... وہ اس تنخواہ کے بارے میں خوش تھیں جو میں گھر میں لانے جا رہا تھا اور اسی خوشی کے عالم میں وہ مطمئن رہتی تھیں.....

میرے بھائی ایوب صاحب بخوبی آشنا تھے کہ میں کیا کر رہا تھا کیونکہ میں نے انہیں پہلے ہی دن اعتماد میں لے لیا تھا..... ایوب صاحب میرے بے حد قریب تھے اور ہم ایک ایسے بندھن میں بندھے ہوئے تھے جو کبھی ٹوٹ نہ سکتا تھا..... جیسا کہ پہلے تذکرہ کیا گیا تھا کہ وہ بے حد ذہین اور حساس فرد تھے جو اردو اور انگریزی ادب کے مطالعہ کے رسیا تھے اور اس مطالعہ نے انہیں ایک قسم کا مفکر اور ادبی شخصیت بنا دیا تھا..... اگرچہ وہ میری اس ملازمت کے حوالے سے بے حد خوش تھے لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ خائف بھی تھے..... انہیں یہ خدشہ لاحق تھا کہ کیا اب میں اپنے اس پیشے میں کامیاب ہو سکوں گا کیونکہ میں ایک شرمیلا اور لئے دیے رہنے والا فرد تھا..... سب سے بڑھ کر انہیں یہ خدشہ لاحق تھا کہ آغا جی کا اس وقت کیا ردعمل ہوگا جب وہ میری ملازمت کے بارے میں سنیں گے کہ وہ کس نوعیت کی حامل تھی ..... میں انہیں یہ کہتے ہوئے ان کے خدشات دور کر دیتا تھا جو میں ہر اس فرد سے کہتا تھا جو کسی ایسے کام کے نتیجے سے خائف ہوتا تھا جو وہ کرنے جا رہا ہوتا تھا..... میں نے انہیں بتایا کہ میں اس بارے میں بہت زیادہ نہیں سوچتا کہ کیا رونما ہوگا کیونکہ اس طرح میری ان کوششوں کو دھچکا لگے گا جو میں اپنے کام کو اپنی بہترین اہلیت کے ساتھ کرنے کے حوالے سے کر رہا ہوں.....

میں رتی برابر بھی مضطرب اور بے چین نہ تھا اور نہ ہی مجھے کسی قسم کا کوئی خدشہ لاحق تھا..... ایک صبح جیسے میں اسٹوڈیو میں داخل ہوا تب مجھے یہ پیغام ملا کہ دو یکا رانی اپنے دفتر میں مجھ سے ملاقات کرنے کی خواہاں تھی..... میں حیران تھا کہ کیا بات ہو سکتی تھی..... مجھے یقین تھا کہ وہ کم از کم میرے ساتھ ناراضگی کا اظہار نہیں کر سکتیں کیونکہ جب بھی میری ان کے ساتھ ملاقات ہوتی تھی وہ بڑی مہربانی کے ساتھ میرے ساتھ پیش آتی تھیں اور جب مجھ سے دریافت کرتی تھیں کہ میں کام کے حوالے سے کیسا جا رہا تھا اور میرا جواب سن کر وہ خوش ہوتی تھیں..... لہٰذا اب کیا بات ہو سکتی تھی؟

©جملہ حقوق بحق ادارہ اُردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

جب میں ان کے کمرے میں داخل ہوا..... وہ ہمیشہ کی طرح پروقار انداز میں اپنی نشست پر براجمان تھی..... مجھے دیکھ کر انہوں نے مسکراتے ہوئے مجھے اپنی نشست سنبھالنے کے لئے کہا..... میں بیٹھ گیا اور پر تجسس انداز میں ان کی جانب دیکھنے لگا..... انہوں نے مہربان انداز میں مجھ سے دریافت کیا کہ کیا میں چائے نوش کرنا پسند کروں گا..... ان کے لئے چائے خصوصی طور پر چائے اس پتی سے تیار کی جاتی تھی جو وہ شہر کے انگریزی اسٹور سے خریدتی تھیں..... میں حیران تھا کہ ان کے ذہن میں کیا چل رہا تھا حتیٰ کہ مطلب کی بات کی جانب آ گئیں..... انہوں نے انگریزی میں بات کی..... وہ انگریزی بڑی روانی سے بولتی تھیں..... انہوں نے کہا:.....

''یوسف..... میں سوچ رہی تھی کہ میں جلد ہی تمہیں بطور ایک اداکار متعارف کرواؤں اور میں نے محسوس کیا ہے کہ یہ ایک بڑا آئیڈیا ہرگز نہیں ہے اگر تم ایک اسکرین نام اختیار کر لو..... تم جانتے ہو..... ایک ایسا نام جس کے تحت تم جانے اور پہچانے جاؤ گے اور جو تمہارے سامعین کے لئے بے حد مناسب ہوگا اور ایک ایسا نام جو اس رومانی تصور کے ساتھ ہم آہنگ ہوگا جو تم اسکرین پر اپنی موجودگی سے حاصل کرو گے..... میرا خیال ہے کہ دلیپ کمار ایک عمدہ نام ہے..... یہ عین اس وقت میرے ذہن میں ابھرا تھا جب میں تمہارے لئے اور موزوں نام تجویز کرنے کے حوالے سے سوچ رہی تھی..... یہ نام تمہیں کیسا لگتا ہے؟''

میں ایک لمحے کیلئے کچھ بھی نہ بول سکا کیونکہ میں اپنی ایک نئی شناخت کیلئے قطعی تیار نہ تھا جو وہ میرے لئے تجویز کر رہی تھی..... میں نے ان سے کہا اگرچہ یہ ایک اچھا نام ہے لیکن مجھے یہ بتائیں کہ کیا ایسا کرنا حقیقی طور پر ضروری تھا..... انہوں نے اپنی میٹھی سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا کہ ایسا کرنا ضروری تھا..... انہوں نے مزید کہا کہ میں نے بڑی سوچ بچار کرنے کے بعد تمہیں ایک اسکرین نام عطا کیا ہے..... اپنی روایتی اتھارٹی کے ساتھ..... انہوں نے مجھے بتایا کہ وہ میرے لئے فلموں میں ایک طویل اور کامیاب کیریئر کی پیش گوئی کرتی ہیں اور یہ ایک بہتر امر ہے کہ اسکرین کی ایک ایسی شناخت کا حامل بنا جائے جو نوعیت کے اعتبار سے سیکولر ہو..... میں نے ان کے جذبات کو سراہا لیکن اس کے ساتھ ساتھ میں نے انہیں یہ بھی بتایا کہ مجھے تھوڑا بہت سوچنے کی ضرورت ہے..... انہوں نے جواب دیا:.....

''بہت خوب۔۔۔۔ اپنی سوچوں کے ساتھ میرے پاس واپس آنا۔''

جیسے ہی میں رخصت ہونے کے لئے اپنی نشست سے اٹھا انہوں نے کہا:.....

''ہم اب تمہیں متعارف کروانے کے لئے اپنی تیاریوں کے آغاز کے لئے عین تیار ہیں..... لہٰذا ہمیں جلدی کرنی چاہیے۔''

میں نے اپنا بقایا دن حسب معمول گزارا لیکن نام دلیپ کمار میرے ذہن میں گونجتا رہا.....

ایس۔ مکھرجی صاحب نے محسوس کیا کہ میں سوچ کے سمندر میں غوطہ زن تھا..... یہ اسی دن دوپہر کا واقعہ ہے جب ہم نے کینٹین سے دوپہر کے کھانے کا آرڈر دیا اور تلی ہوئی اس مچھلی سے بھی لطف اندوز ہوئے جو اشوک بھیا کے گھر سے آئی تھی..... اس دوپہر کھانا کھانے کے بعد..... جب شوٹنگ کے مرحلے کے کام کا آغاز ہوا..... انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ میں کس وجہ سے بے چین دکھائی دیتا تھا اور اگر میں اپنی بے چینی کی وجہ ان کے ساتھ شیئر کر سکتا ہوں یا نہیں..... ہم سب جانتے تھے کہ اسٹوڈیو انتظامیہ میں ایس۔ مکھرجی نمبر 2 تھے اور عام تاثر یہی پایا جاتا تھا کہ وہ جلدی انتظامیہ کی بھاگ دوڑ سنبھال لیں گے..... میں نے ان کے ساتھ کافی زیادہ شناسائی استوار کر رکھی تھی کیونکہ میرے علم میں آیا

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

تھا کہ وہ نہ صرف فنی علم کے حوالے سے قابل غور حد تک قدر و قیمت کے حامل تھے.....انہوں نے یہ علم غیر ملکی ٹیکنیشنوں کے ساتھ باقاعدہ باہمی روابط اور متعلقہ ادب کے متواتر مطالعہ سے حاصل کیا تھا بلکہ شخصی حوالے سے بھی وہ ایک ایسے دوست تھے جن پر اعتماد اور انحصار کیا جا سکتا تھا.....

میں نے ایس۔مکھر جی صاحب کو اس تجویز سے آگاہ کیا جو دویکا رانی نے میرے سامنے رکھی تھی.....انہوں نے ایک لمحے کے لئے غور و فکر کیا.....سیدھا میری آنکھوں میں جھانکا اور کہا:.....

''میرا خیال ہے وہ ایک نکتے کی حامل ہے..... یہ عین تمہارے مفاد میں ہوگا اگر تم وہ نام اختیار کر لیتے ہو جو اس نے اسکرین کے لئے تجویز کیا ہے..... یہ بے حد عمدہ اور اچھا نام ہے.....اگر چہ میں تمہیں ہمیشہ یوسف کے نام سے ہی جانوں اور پہچانوں گا جس طرح تمہارے سب بھائی بہن اور والدین تمہیں جانتے اور پہچانتے ہیں۔''

مابعد میرے علم میں آیا کہ کمود لعل کنجی لعل گنگولی کا اسکرین نام اشوک کمار تھا.....لہٰذا یہ بات میرے دل کو لگی اور وہیں پر میری سوچیں واضح ہو گئیں..... میں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ اپنے نئے نام کے بارے میں کسی سے بات نہیں کروں گا.....حتیٰ کے ایوب صاحب سے بھی بات نہیں کروں گا.....

اس کے بعد آنے والے دن اسٹوڈیو میں خوشی بھرے دن تھے کیونکہ ''قسمت'' نمائش کے لئے پیش کر دی گئی تھی اور 1943ء میں اس فلم نے کامیابی کے جھنڈے گاڑے تھے اور یہ فلم باکس آفس ریکارڈ تخلیق کرنے کی راہ پر گامزن تھی.....

اب اشوک بھیا سپر اسٹار تھے لیکن انہوں نے اپنی اس حیثیت کا قطعاً کوئی اثر قبول نہ کیا اور ایسے رویے کا مظاہرہ کرتے رہے جیسے ان کی زندگی میں کوئی تبدیلی نہ آئی تھی.....انہوں نے ایس۔مکھر جی صاحب کے ساتھ مل کر انتظامیہ میں گہری دلچسپی لینے کا آغاز کیا اور وہ خوش تھے کہ میں فلم ''جوار بھاٹا'' میں متعارف کروایا جا رہا تھا.....اس فلم کے ڈائریکٹر امیا چکر بورتی تھے.....

میں پہلے بھی امیا چکر بورتی کے ساتھ باہم روابط تھا لیکن اب ہم بطور ڈائریکٹر اور اداکار زیادہ وقت اکٹھے گزار رہے تھے جیسا کہ وہ ''جوار بھاٹا'' کی شوٹنگ (فلمانے) کی تیاریوں میں مصروف تھے.....

ایک عجیب و غریب سچائی یہ تھی کہ میں بالکل بھی پریشان نہ تھا.....اس حقیقت کے حوالے سے کہ میں پہلی مرتبہ کیمرے کا سامنا کر رہا تھا حتیٰ کہ میری اولین شوٹ کا دن آن پہنچا.....

مجھے پہننے کے لئے ایک سادہ سی پتلون اور شرٹ کی دی گئی اور دویکا رانی بہ نفس نفیس سیٹ پر آئی اور میری جانب دیکھا اور مجھے ہمیشہ کی طرح پرسکون پایا.....وہ میک اپ میں خاصی مہارت رکھتی تھی اور عین درست طور پر جانتی تھی کہ سیٹ کی لائٹنگ اور فلمائے جانے والے سین کی نوعیت کے لئے کیا موزوں اور مناسب تھا.....انہوں نے میرے میک اپ پر پڑنے والی روشنی کا جائزہ لیا.....وہ ہر کام کے ساتھ عین مطمئن تھی ماسوائے میرے ابرو (بھویں).....انہوں نے مجھے کرسی پر بیٹھنے کے لئے کہا اور انہوں نے میک اپ مین سے موچنا طلب کیا اور میرے بھوؤں کے کچھ بال نوچ کے انہیں مناسب شکل عطا کی جب کہ میں اپنا سانس روکے بیٹھا رہا اور بال نوچنے کی وجہ سے جو تکلیف ہو رہی تھی اسے برداشت کرتا رہا.....

وہ ہنسیں جب انہوں نے میری آنکھوں میں آنسو دیکھے جو بال نوچنے کی تکلیف سہنے کی وجہ سے میری آنکھوں سے جاری ہوئے تھے اور انہوں نے مجھے مشورہ دیا کہ میں آئینے میں اپنا چہرہ دیکھوں جب کہ میک اپ مین نے جلدی جلدی متاثرہ جگہ پر کریم لگا دی تا کہ مجھے کچھ سکون میسر آ سکے.....انہوں

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

نے میرے لئے نیک خواہشات کا اظہار کیا اور مابعد وہ وہاں سے رخصت ہو گئیں.....

امیا چکر بورتھی نے مجھے میرا پہلا شوٹ (سین) سمجھایا.....انہوں نے زمین پر ایک نشان لگاتے ہوئے مجھے بتایا:.....

''تم یہاں سے اپنی پوزیشن لو گے اور تم بھاگو گے جب میں کہوں گا ''ایکشن''.....میں پہلے کہوں گا ''اسٹارٹ کیمرہ'' لیکن وہ تمہارے لئے نہیں ہوگا.....ایکشن تمہارے لئے ہوگا اور تم بھاگنا شروع کرو گے اور تم بھاگنا اس وقت بند کر دو گے جب میں کہوں گا ''کٹ''۔''

میں نے ان سے پوچھا کیا مجھے بتایا جائے گا کہ میں کیوں بھاگ رہا تھا.....انہوں نے جواب دیا کہ ہیروئن کی زندگی بچانے کے لئے جو خودکشی کا ارتکاب کرنے جا رہی تھی.....وضاحت کے ساتھ مطمئن ہونے کے بعد.....میں نے انہیں بتایا کہ میں تیار تھا.....یہ ایک آؤٹ ڈور سین تھا اور کیمرہ کہیں نہ کہیں فاصلے پر تھا.....یہ برانڈ نیو کیمرہ تھا جو جرمنی سے درآمد کیا گیا تھا اور اسے پہلی مرتبہ استعمال کیا جا رہا تھا.....میں وہاں پر کھڑا تھا جہاں پر کھڑا ہونے کے لئے مجھے کہا گیا تھا.....میں کالج میں ایک اتھلیٹ رہا تھا اور 200 میٹر کی دوڑ متواتر جیتتا رہا تھا.....لہٰذا میں قطعاً پریشان نہ تھا جب مجھے ''کٹ'' کی آواز سننے تک دوڑنے کے لئے کہا گیا تھا بلکہ میں خوش تھا کہ یہ ایک ایسا کام تھا جو میرے لئے آسان اور سادہ تھا!

شاٹ تیار تھا اور جس لمحے میں نے ''ایکشن'' سنا.....میں برق رفتاری سے بھاگا اور میں نے ڈائریکٹر کو چلاتے ہوئے سنا.....''کٹ۔کٹ۔کٹ''.....میں نے دیکھا کہ وہ مجھے کچھ بتانے کی کوشش کر رہا ہے لیکن میں اندازہ نہ لگا سکا کہ وہ مجھے کیا بتانا چاہتا تھا.....میں اسی جگہ پر کھڑا ہو گیا جہاں پر میں پہنچ چکا تھا اور امیا چکر بورتھی میرے پاس آئے.....وہ کسی قدر ناخوش دکھائی دے رہے تھے.....انہوں نے مجھے بتایا کہ میں اس قدر تیزی کے ساتھ بھاگا تھا کہ یہ ایک دھندلی یا بگڑی ہوئی شکل تھی جو کیمرے میں مقید ہوئی تھی.....میں نے وضاحت کی کہ مجھے اس رفتار کا کوئی آئیڈیا نہ تھا جو رفتار میں نے برقرار رکھنی تھی.....تب انہوں نے کہا:.....

''فکر نہ کرو.....ہم اسے دوبارہ کریں گے لیکن رفتار سست رکھنا۔''

یہ امر میرے لئے پریشان کن تھا جب انہوں نے مجھے رفتار سست کرنے کے لئے کہا تھا کیونکہ میں نے سوچا تھا کہ میرے لئے اس قدر تیز بھاگنا ضروری تھا جس قدر تیز میں بھاگ سکتا تھا تاکہ اس لڑکی کی زندگی بچا سکوں جو اپنی زندگی ختم کرنے جا رہی تھی.....تاہم جب امیا چکر بورتھی نے ایکشن کی وضاحت بیان کرتے ہوئے کہا کہ یہ ایک ایسی چیز ہے جو کیمرے میں فلم پر رجسٹر ہونی چاہئے.....جو ایک مخصوص رفتار سے حرکت کرے گا.....میں سمجھ گیا کہ یہ ایک بہت بڑا چیلنج ہرگز نہ تھا اور اداکاری کا کام ایک سادہ سا کام تھا.....

بہرکیف تین یا چار مرتبہ کٹ پکارے جانے کے بعد شوٹ او۔کے ہو گیا تھا.....

©جملہ حقوق بحق ادارہ اُردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

مجھ سے یہ اکثر پوچھا جاتا ہے کہ میں نے اپنی اولین پرفارمنس (کارکردگی) اور اپنی اولین فلم کی بابت کیا سوچا تھا..... جو 1944ء میں نمائش کے لئے پیش کی گئی تھی..... ایمانداری کی بات ہے کہ کلی تجربہ مجھ پر زیادہ اثر انداز ہوئے بغیر ہی گزر گیا تھا..... میں نے وہی کچھ کیا جو کچھ کرنے کے لئے مجھے کہا گیا تھا اور اکثر اوقات یہ اس قدر آسان نہ تھا..... یا اکثر اوقات حقیقت کے ساتھ ہم آہنگ ہونا کہ یہ سب کچھ کسی کی حقیقی زندگی اور حقیقی وجود پذیری کے ساتھ غیر حقیقی اور غیر متعلقہ ہوتا تھا..... کسی ایسی ہستی کے ساتھ محبت کا اظہار کرنا جو کسی کے لئے حقیقت میں مکمل طور پر انجانی اور غیر وابستہ ہوتی تھی اس دور اور زمانے میں..... ایک سخت مطالبہ تھا.....

میرا خیال ہے امیا چکر بورتھی میرے اس احساس سے بخوبی واقف تھے لیکن وہ اس قدر اہل تھے کہ وہ رومانی مناظر میں مجھ سے معقول نتائج حاصل کر لیتے تھے..... جب میں نے اپنے آپ کو اسکرین پر دیکھا..... میں نے اپنے آپ سے پوچھا:.....

''کیا میں اپنی آنے والی فلموں میں ایسے ہی پرفارم کرنے جا رہا ہوں اگر اسٹوڈیو میری خدمات کو جاری رکھنے کی خواہش کا اظہار کرتا ہے؟''

میرا جواب تھا:.....

''نہیں۔''

میں نے محسوس کیا کہ یہ ایک مشکل کام تھا اور اگر مجھے اس کام کو جاری رکھنا ہے..... مجھے اسے سرانجام دینے کا اپنا منفرد طریقہ تلاش کرنا ہوگا..... اور اہم سوال یہ تھا کہ:.....

''کیسے؟''

میرا خیال تھا کہ میں حقیقت میں خوش قسمت واقع ہوا تھا کہ میں نے ابتدائی عمر میں ہی کام کا آغاز کیا تھا اور مجھے بمبئی ٹاکیز کا محرک ماحول میسر آیا تھا..... لکھاری جنہوں نے کلکتہ (اب کولکتہ) کے نئے تھیٹروں کو خیر باد کہا تھا اور بمبئی ٹاکیز کے ساتھ وابستہ ہوئے تھے..... جنہوں نے ایک ایسے اسٹوڈیو میں عزت کمائی تھی جس نے بے حد کامیاب فلمیں تخلیق کر کے نمائش کے لئے پیش کی تھیں..... ان میں سے اکثر فلموں میں اشوک بھیا نمایاں کردار میں جلوہ گر ہوئے تھے..... وہ تخلیق کاری کا عطیہ تھیں لیکن اب انہوں نے ایس۔ مکھر جی صاحب کے مشورے کے تحت اردو ذخیرہ الفاظ کے لئے مجھ سے رجوع کیا تھا..... میں نے ان کے ساتھ اپنے باہمی روابط سے خاطر خواہ استفادہ کیا تھا اور مجھ پر یہ حقیقت بخوبی واضح ہو چکی تھی کہ اسکرین پلے فلم کی ریڑھ کی ہڈی تھا..... میں اس امر سے بھی آشنا ہوا تھا کہ ایک اداکار کو اپنے وجدان یا اندرونی تحریک کو بھی تقویت پہنچانے کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ حقیقی اور غیر حقیقی کے درمیان دوثانیت کی چھانٹی دماغ سے نہیں کی جا سکتی تھی..... جس کا کسی بھی معمول کی صورت حال میں زیادہ تر تعلق سچائی اور منطق کے ساتھ ہوتا ہے.....

دماغ آپ کو ہمیشہ یہ بتائے گا کہ یہ حماقت ہے..... یہ خاتون جسے تم ''ماں'' کہہ کر مخاطب کر رہے ہو تمہاری ماں ہرگز نہیں ہے یا تم اس لڑکی کے ساتھ محبت نہیں کرتے جو تمہاری جانب محبت بھری نگاہوں سے دیکھ رہی ہے..... تمہاری ماں..... تم جانتے ہو..... ایک پیاری خاتون ہے اور پان چبانے کی وجہ سے اس کے دانتوں پر پان کے داغ دھبے موجود نہیں ہیں اور تم یہ بھی جانتے تھے کہ وہ لڑکی کون ہے..... یہ محض وجدان یا اندرونی تحریک ہے جو آپ کو وہ جذب کرنے میں معاون ثابت ہوگی جو کچھ آپ نے اسکرپٹ سے جذب کرنا ہے اور آپ کو ایک ایسی پرفارمنس کے لئے آمادہ کرنا ہے جس پر

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

حقیقت کا خول چڑھا ہوا ہے اس حقیقت کے باوجود بھی کہ آپ جانتے ہیں کہ یہ سب کچھ من گھڑت اور ڈرامہ ہے.....

باب نمبر 10

نئی آرزوئیں اور تمنائیں..... نئے تجربات

(NEW ASPIRATIONS, NEW EXPERIENCES

''خاموشی کا قفل آغا جی نے اس وقت توڑا جب وہ ایک شام ایک فیملی فرینڈ سے ملاقات کرنے کے بعد گھر واپس آئے جہاں پر انہوں نے میری تعریف سنی اور فلم ''جگنو'' (1947ء) میں میرے بطور ایک اسٹار جلوہ گر ہونے کی خبر سنی ..... انہوں نے مجھے اندر آتے ہوئے دیکھا اور مجھے پکارا جیسا کہ وہ ہمیشہ کرتے تھے اور بڑی سہولت کے ساتھ میرے ساتھ بات کرنے کا آغاز کیا..... میں پرسکون اور خوش تھا..... یہ سوچتے ہوئے کہ وہ اپنی سوچوں اور جذبات کا اظہار کرنے میں کبھی بخل سے کام نہ لیتے تھے..... انہوں نے کہا کہ حقیقت یہ تھی کہ میں نے ایک ایسے پیشے کا انتخاب کیا تھا جس کے بارے میں انہیں ذرہ برابر بھی توقع نہ تھی کہ میں اس پیشے کے ساتھ وابستہ ہو جاؤں گا۔''

میں نے باقاعدگی کے ساتھ فلمیں دیکھنے کا آغاز کر دیا..... مجھے اب اس امر کی کوئی پرواہ نہ تھی کہ مجھے کوئی ایسا فرد دیکھ لے گا جو میری فیملی کو جانتا ہوگا..... اب میں بہادر بن چکا تھا..... مجھے یہ اعتراف کرنا چاہیے کہ بطور دلیپ کمار ایک نئی شناخت نے مجھ پر آزادی حاصل کرنے کے اثرات مرتب کئے تھے..... میں نے اپنے آپ کو یہ باور کروایا تھا کہ یوسف کو فلمیں دیکھنے یا ان کا مطالعہ کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی لیکن دلیپ کمار کو یقیناً یہ مشاہدہ کرنے کی ضرورت درپیش تھی کہ اداکار کیمرے کے سامنے کیسے خیالی یا فرضی جذبات..... بول چال..... اور رویے کا مظاہرہ کرتے ہیں..... لہٰذا میں نے فلمیں دیکھنے کا آغاز کیا..... میں ایک دن میں ایک فلم دیکھتا تھا..... لگاتار دو فلمی شو دیکھا کرتا تھا..... وہی فلم 3:30 بجے دیکھنا ضروری تھا اور 6:30 بجے بھی دیکھنا ضروری تھا..... کیونکہ پہلی مرتبہ فلم دیکھنے پر کوئی چیز جو میری توجہ کا مرکز بنتی تھی اسے دوسری بار قریبی طور پر دیکھا جا سکتا تھا..... اس لئے چند دنوں تک مجھے اسٹوڈیو سے جلد ہی چھٹی کرنا تھی.....

آغاز میں مَیں نے ہالی وڈ اداکاروں اور اداکاراؤں کا مشاہدہ کیا جن میں درج ذیل اداکار شامل تھے:.....

☆جیمز اسٹیوارٹ ☆پال مونی ☆ان گرڈ برگ مین ☆کلارک کیبل

لیکن مجھے یہ محسوس کرنے میں دیر نہ لگی کہ ایک اداکار کو ایک دوسرے اداکار کی نقل نہیں کرنی چاہیے بلکہ اپنی شخصیت کو مؤثر انداز میں اسکرین پر پیش کرنے کی کوشش کرنی چاہیے..... میں بے حد آغاز میں ہی سمجھ گیا تھا..... جب کہ میں بمبئی ٹاکیز میں تھا..... ایسی فلموں کے بعد جیسے ملن (1946ء)..... کہ مجھے اپنا استاد خود ہی بننا ہے اور اپنے آپ کو بذات خود ہی تحریک دلانی ہے اور وقت گزارنے کے ساتھ ساتھ ارتقا پذیری لازمی تھی.....

ایس۔ مکھرجی صاحب اس وقت میرے عظیم معاون ثابت ہوئے جب میں ان کے ساتھ اس قسم کے موضوعات زیر بحث لایا جیسے ایک اداکار کا ارتقاء وغیرہ..... اشوک بھیا اس وقت ایک کامیاب اسٹار تھے..... مجھے یاد ہے کہ ایک شام کہ ایک شام جب انہوں نے میرے اور پی۔ جے راجی (ایک سینئر

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

اداکار اور ڈائریکٹر) کے ہمراہ مقامی ریل گاڑی کے ذریعے چرچ گیٹ تک سفر کرنے کا فیصلہ کیا..... ہم نے ایک فلم کے لئے ٹکٹ خریدے تھے اور وہ بذریعہ ریل گاڑی سینما ہال تک جانے کا اصرار کر رہے تھے ..... ملاد اسٹیشن پر..... جب لوگوں نے انہیں دیکھا اور پہچان بھی لیا..... تب وہ لوگوں کی توجہ کا مرکز بن گئے لیکن وہ اپنی تعریف سے بے پرواہ دکھائی دیتے تھے جب انہوں نے ہم سے بات کی..... جب ریل گاڑی کی آمد ہوئی..... لوگ اس ڈبے میں داخل ہو گئے جب ڈبے میں ہم نے سوار ہونا تھا..... لوگوں نے ان کے ساتھ ''کنگن'' (1939ء) اور ''جھولا'' اور ''قسمت'' نامی فلموں کے بارے میں باتیں کرنے کا آغاز کیا اور انہوں نے گرمجوشی کے ساتھ جواب دیا..... میں یہ تمام تر صورت حال دیکھ رہا تھا جو میرے لئے اس وقت پریشان کن اور چکرا دینے والی تھی.....

''یہ اس کی ابتدائی نمائش ہے جو تم مستقبل میں ایک بڑے پیمانے پر تجربہ کرنے جا رہے ہو ..... تمہارے جیسا ایک خوبرو اور خوبصورت شخص خواتین کو اپنے سے دور رکھنے میں مشکلات کا شکار ہوگا۔''

اس نے میرے تأثرات دیکھے اور خوب دل کھول کر ہنسا کیونکہ اس وقت بمبئی ٹاکیز میں یہ مشہور ہو چکا تھا کہ میں خواتین کی موجودگی میں کس قدر شرم محسوس کرتا تھا اور لئے دیے رہتا تھا.....

ایس۔ مکھر جی صاحب..... جو اشوک بھیا کے ساتھ متفق دکھائی دیتے تھے وہ بھی ہنس رہے تھے..... میں نے سوچا کہ یہ درست وقت تھا کہ میں ان دونوں کے ساتھ فلمی دنیا اور کسی فلمی ستارے کے منصب کے بارے میں بات کروں اور اس کا لازم یا قدرتی نتیجہ کیا ہوتا ہے اس کے ساتھ ساتھ اس کے اثرات جو ایک اداکار کے ذہن اور شخصیت پر مرتب ہو سکتے تھے..... بالخصوص اگر وہ ایک دوہرے تصور کا حامل تھا..... اس کی حقیقی ذات ہمراہ اس کا حقیقی نام اور ذاتی اور سماجی پس منظر جو اس کے اسکرین کے تصور کے پہلو بہ پہلو رکھا جاتا تھا ایک دوسرے نام اور شخصیت کے ساتھ..... جو ایک خیالی یا فرضی کردار سے اور ایک فلم سے ایک دوسری فلم سے تبدیل ہوتی تھی.....

اشوک بھیا فلمی دنیا اور اور کسی فلمی ستارے کے منصب اور کامیابی کو کم اہمیت دیتے تھے کیونکہ یہ ان کا مطمع نظر نہ تھا.....

انہوں نے زور دیتے ہوئے کہا:.....

''یہ (فلمی دنیا اور کسی فلمی ستارے کا منصب) تمہارے لئے تمہاری عزت نفس سے بڑھ کر اہم نہیں ہونا چاہیے اور تم جو کرنا چاہو وہ کرو گے اس انداز سے جس انداز سے تم کرنا چاہتے ہو۔''

میں جانتا تھا کہ وہ کیا کہنا چاہتے تھے اور ان کی مراد کیا تھی اور ان کا رویہ ریل گاڑی میں اس وقت روز روشن کی مانند عیاں تھا جب وہ ایسے لوگوں میں گھرے ہوئے تھے جو ان کے گرمجوش پرستار تھے..... وہ ان کے ساتھ بطور حقیقی اشوک کمار باہم روابط تھے..... ان کا رویہ اپنے اسکرین کے تصور اور اپنی فلمی دنیا سے مکمل طور پر ہٹ کر تھا.....

یہ ایس۔ مکھر جی صاحب تھے جنہوں نے مجھے ایک جواب سے نوازا جو اس وقت تک میرے ذہن میں گردش کر رہا تھا..... انہوں نے مجھ پر انکشاف کیا کہ امتیاز کا حصول آسان تھا اگر کوئی یہ سمجھے کہ:.....

©جملہ حقوق بحق ادارہ اُردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

''ادا کار فلمی ستارے سے بڑھ کر اہم ہے..... فلمی ستارا مارکیٹنگ کی تخلیق ہے اور کسی فلمی ستارے کا منصب ایک ادا کار کی محبت کا نتیجہ ہے جب بے تحاشہ لوگ اسے شرف قبولیت بخشتے ہیں..... جب کسی نہ کسی دن پرستار تمہارے پاس آئیں گے..... یاد رکھو کہ وہ تمہیں دیکھے اور محسوس کرنے کے لئے تمہارے پاس آرہے ہیں کیونکہ وہ تمہاری اداکاری پسند کرتے ہیں اور تمہاری اداکاری سے متاثر ہیں..... تمہیں جاننا چاہئے کہ یہ دلیپ کمار ہے جس سے وہ ملنے کی دہائی دے رہے ہیں۔''

یہ ایس۔ مکھر جی صاحب تھے جو اس وقت سنجیدگی کے ساتھ اور منطقی انداز میں بات کرتے تھے جب موضوع ان کے اندر چھپی دانشورانہ دلچسپی کو ابھارتا تھا..... ایسے وقت ان کے اندر چھپنا پروفیسر منظر عام پر آتا تھا..... وہ کئی انداز میں بیان کر سکتے تھے..... وہ زحمت گوارا کرتے ہوئے مجھے کیمرے کے پیچھے لے جاتے تھے اور مجھے دکھاتے تھے کہ کیمرہ اداکار کو اپنے سامنے کیسے دیکھتا ہے..... وہ مجھے دکھاتے تھے کہ کس طریقے کے تحت وہ کیمرے سامنے ایک خاتون کے چلنے کے انداز کو تحریک دلا سکتے تھے..... یہ ایک پرلطف نظارہ ہو سکتا تھا لیکن کیمرے کے عدسوں کے ذریعے اداکاری دیکھتے ہوئے مجھے سمجھنے میں کافی مدد میسر آئی تھی جو میں سمجھنا درکار رکھتا تھا جو کیمرے اور اداکار کے درمیان تعلق کے حوالے سے تھی جب وہ اس کا سامنا کر رہا ہوتا تھا یا اس کی جانب اپنی پیٹھ پھیر رہا ہوتا تھا اس روشنی کے تحت جو اس پر گر رہی ہوتی تھی..... وہ اپنے اداکاروں کو ہمیشہ پرفارم کر کے دکھاتے تھے جس کی عکاسی وہ ان سے کروانا چاہتے تھے..... وہ نہ صرف فنی غلطیوں کو بہت جلد بھانپ لیتے تھے بلکہ ڈائیلاگ کی ادائیگی اور چہرے کے تاثرات پیش کرنے کے حوالے سے بھی خامیوں اور غلطیوں کو بہت جلد بھانپ لیتے تھے..... سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ لکھاریوں کی بے حد عزت کرتے تھے اور اس امر پر یقین رکھتے تھے کہ سینما کا بڑا مقصد دیکھنے والے کو تصوراتی داستان گوئی میں مصروف کرنا تھا.....

بمبئی ٹاکیز میں مجھے بنانے اور ڈھالنے والے برس محض اس لئے یادگار تھے کہ میں نے اشوک بھیا اور ایس۔ مکھر جی کے ساتھ بڑا اچھا وقت گزرا تھا..... ان دنوں وہ اسٹوڈیو کے قریب ہی رہائش پذیر تھے..... اور مجھے ان کے گھروں میں ہمیشہ خوش آمدید کہا جاتا تھا اور بھاجیوں کے ساتھ میری تواضع کی جاتی تھی جو اشوک بھیا کی بیوی شوبھا بھابھی ہمارے لئے تیار کرتی تھی..... خالصہ کالج کے اپنے ایام کے بعد دوبارہ راج کپور کی محبت سے لطف اندوز ہونا بھی حیران کن تھا..... راج یہ جان کر خوش تھا کہ میں نے فلمی اداکاری کے پیشے کو سنجیدگی کے ساتھ اپنا لیا تھا..... اس نے ایک چھوٹے سے پرجوش بچے کی مانند مجھے اپنے ساتھ چمٹا کر اس وقت کہا تھا جب میں اپنے فن کا آغاز کرنے والا تھا:.....

''میں نے تمہیں بتایا تھا..... کیا میں نے تم سے نہ کہا تھا؟''

جب ہم خالصہ کالج میں پڑھتے تھے وہ مجھے پنجابی میں کہا کرتا تھا:.....

''تُسی ایکٹر بن جاؤ..... تُسی ہو بے حد خوبصورت۔''

(تمہیں ایک اداکار بننا چاہیے..... تم بے حد خوبصورت ہو)

اُس وقت میں سوچتا تھا کہ یہ میرا چائے کا کپ نہ تھا..... یہ اس کے لئے بہتر تھا کیونکہ اُس کے پاپا جی (پرتھوی راج) ایک عظیم اداکار تھے اور خوبصورت ترین مردوں میں سے ایک تھے جو میں نے اسکرین پر دیکھے تھے..... فطری طور پر..... راج اور اس کے چھوٹے بھائی..... شمی اور ششی ذہانت اور اچھے نین نقش کے حامل تھے..... یہ میرے حوالے سے ایک اچھا بیان دکھائی نہ دیتا تھا ہمراہ اس پس منظر کے جس سے میں آیا تھا.....

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

بمبئی ٹاکیز میں.....راج کا خاطر خواہ احترام کیا جاتا تھا اور اسے عزت بخشی جاتی تھی اور اس کا اس لئے بھی رعب تھا کہ وہ پرتھوی راج کا بیٹا تھا.....کوئی اداکار ایسا نہ تھا جو پرتھوی راج کی تعریف نہ کرتا تھا.....راج اپنے باپ کی وجہ سے اسٹوڈیو میں خصوصی سلوک کے حصول کا قائل نہ تھا.....وہ اور میں اکثر اشوک بھیا کے گھر بیڈمینٹن کی گیم کھیلنے کے لئے چلے جاتے تھے جس میں بھابی جی بھی شریک ہو جاتی تھیں اور وہ اپنے ہی قوانین کے تحت گیم کھیلا کرتی تھیں.....وہ گیم سے لطف اندوز ہوتی تھیں اور اپنی اس بوریت میں کمی محسوس کرتی تھیں جو وہ اتنے بڑے گھر میں تنہا رہتے ہوئے محسوس کرتی تھیں.....گیم کے بعد وہ مجھے اور راج کو چائے اور بھاجی کے لئے روک لیتی تھیں.....کبھی کبھار اشوک بھیا بھی اس وقت آن پہنچے تھے جب ہم بھاجی سے لطف اندوز ہو رہے تھے اور ہم سوچتے تھے کہ اب ہمارے لئے یہاں سے رخصت ہونے کا وقت آن پہنچا ہے کیونکہ وہ ایک طویل دن کے کام کے بعد گھر واپس آئے تھے .....تاہم اشوک بھیا برا نہ مناتے تھے.....وہ ہم سے مذاق کرتے ہوئے کہتے تھے:.....

''تم دونوں کو شرم آنی چاہیے تم یہاں آ کر میری بیوی سے فلرٹ کرتے ہو.....اور اس قسم کی عمدہ بھاجیوں سے لطف اندوز ہوتے ہو اور وہ بھی میری عدم موجودگی میں اور تم مجھے اپنے ساتھ گیم کھیلنے کا موقع دیے بغیر ہی یہاں سے رخصت ہونا چاہتے ہو۔''

لہٰذا ہم وہاں پر رک جاتے تھے جب کہ بھابی جی مزید گرما گرم بھاجیوں اور گرما گرم چائے کا وعدہ کرتی تھیں.....

اشوک بھیا بیڈمینٹن کے ایک پھرتیلے کھلاڑی تھے.....راج اس وقت ایک شاندار ریفری ہوتا تھا جب ہم خالصہ کالج کے میدانوں میں فٹ بال کھیلتے تھے اور وہ ہاتھ میں سیٹی تھامے گراؤنڈ میں کھڑا ہوتا تھا..... جب ہم بیڈمینٹن کھیلتے تھے تب وہ بہ آسانی تھک جایا کرتا تھا کیونکہ اسے اس گیم سے بہت کم دلچسپی تھی.....وہ وہاں پر زیادہ تر مزیدار بھاجیاں کھانے کیلئے موجود رہتا تھا.....اشوک بھیا اور راج دونوں میری قوت ارادی کو ناقابل یقین قرار دیتے تھے.....میں اس کی وجہ ان خشک میوہ جات کو قرار دیتا تھا جو میں کھاتے ہوئے پروان چڑھا تھا اور کسی قدر قوت ارادی مجھے آغا جی سے وراثت بھی میں ملی تھی.....

بمبئی ٹاکیز میں ایک اور دوست موجود تھا جس کا نام جے راج جی تھا.....وہ دیگر لوگوں سے بالکل مختلف تھا جیسے شاہ نواز خان اور وہ میرے کام میں گہری دلچسپی لیتا تھا اور اپنے خاص انداز میں مجھے مفید مشوروں سے نوازتا تھا.....جے راج جی اور داؤد ابراہیم اچھے دوست تھے اور وہ شرارتی دل لگی اور مذاق کا تبادلہ کیا کرتے تھے.....کچھ میں وہ مجھے شامل کر لیتے تھے اور دیگر ان کی بابت وہ مجھے بتاتے تھے کہ وہ ابھی میرے کانوں تک رسائی حاصل کرنے کے قابل نہیں ہیں.....قابل ذکر حقیقت یہ تھی کہ تمام حیران کن لوگ جن سے میں آشنا ہوا تھا اور جن کے ساتھ میں نے عظیم تر وقت شیئر کیا تھا وہ سب عمر میں مجھ سے بڑے تھے ماسوائے راج کپور.....میری عمر اس وقت بمشکل 21 برس تھی جب میں نے اپنے پہلے شوٹ کے لئے کیمرے کا سامنا کیا تھا اور درحقیقت یہ میری خوش قسمتی تھی کہ اداکاری کے میدان میں سینئر اداکار اور پنڈت نریندر شرما اور بھاگ وتی چرن جیسے لکھاری وہاں موجود تھے.....جے راج جی بے حد لئے دیے رہنے والا فرد تھا اور اگرچہ ریل گاڑی کے ذریعے چرچ گیٹ تا ملاد سفر کرنے کے درمیان بہت کم بات چیت ہوتی تھی.....لیکن بطور پیشہ وارانہ افراد ہم ایک دوسرے کے بے حد قریب تھے.....

اس مرحلے پر بمبئی ٹاکیز کی انتظامیہ تبدیل ہوتی دکھائی دے رہی تھی جیسا کہ دویکا رانی یقیناً

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

اسٹوڈیو کا نظم ونسق چلانے پر آمادہ نہ تھی کیونکہ اس نے سویٹوسلاوورچ کے ساتھ شادی کر لی تھی اور اپنی شادی کے بعد وہ اسٹوڈیو کے نظم ونسق چلانے سے دست بردار ہونا چاہتی تھی ..... 1944ء میں بطور اداکار میرے متعارف ہونے تک وہ رضا کارانہ ریٹائرمنٹ کے بارے میں سوچ رہی تھی ..... اس نے ایس۔مکھر جی صاحب اور امیا چکر بورتھی کی تقرری تمام تر پروڈکشن کی دیکھ بھال اور نگرانی کے حوالے سے کر دی تھی ..... اس کے باوجود بھی وہ اسٹوڈیو کا دورہ کرتی رہتی تھی اور ہر ایک کے ساتھ گرمجوشی سے بات کرتی تھی ..... وہ اپنی شکل وصورت کے حوالے سے اس قدر حیران کن تھی کہ وہ جب اسٹوڈیو میں آتی تھی تب ہر کوئی اسے دیکھنے کے لئے رک جاتا تھا ..... یہ اس نے اپنا معمول بنالیا تھا کہ اگر میں اسے نظر نہ آتا تھا تو وہ میرے بارے میں ضرور دریافت کرتی تھی ..... اگر میری اس سے ملاقات ہو جاتی تھی تب وہ مجھ سے پوچھتی تھی کہ میں کیسا جا رہا تھا اور بطور ایک سیکھنے والا میری کاوش کے بارے میں بھی پوچھتی تھی ..... اشوک بھیا ہی محض ایسی ہستی تھے جو اس کے ساتھ مذاق کیا کرتے تھے اور ایس۔مکھر جی صاحب واحد ہستی تھے جن سے وہ اسٹوڈیو چلانے کے ہر ایک اقدام اور معاملے کے بارے میں صلاح مشورہ کرتی تھی .....

اس مرتبہ اس نے مجھے سویٹوسلد واورچ سے متعارف بھی کروایا تھا ..... روس کا معروف مصور جس کے ساتھ وہ شادی کرنے جا رہی تھی ..... اس نے مجھے بتایا تھا کہ سویٹوسلاوکولووادی (اب ہما چل پردیش میں) سے کس قدر محبت کرتا تھا اور اس نے اسے ہماری فیملی کے پھلوں کے کاروبار کی بابت بھی بتایا تھا اور ہم وادی سے کیسے پھل حاصل کر سکتے تھے ..... سیب ..... چیری ..... اور رس بھرے آڑو وغیرہ وغیرہ ..... میں نے اورچ کی جانب دیکھا تھا جس کی آنکھوں میں آغا جی جیسی چمک تھی ..... میں نے سوچا تھا کہ وہ اس کے ساتھ بے حد خوش رہے گی جس طرح اماں آغا جی کے ساتھ خوش تھیں .....

جیسے ہی 1945ء آن پہنچا ..... دوسری عالمی جنگ اختتام پذیر ہونے جا رہی تھی اور ملک میں آزادی کی تحریک اپنے عروج پر تھی ..... اسٹوڈیو میں روزانہ اشوک بھیا اور ایس۔مکھر جی صاحب اس بحث مباحثے میں مصروف رہتے تھے جو کچھ انہوں نے سنا یا پڑھا ہوتا تھا ..... وہ سنجیدگی کے ساتھ محمد علی جناح کی تقاریر زیر بحث لاتے تھے اور ان پر میری رائے طلب کرتے تھے ..... مجھے اس وقت ایک یادگار تجربہ حاصل ہوا تھا جب میں نے پونا میں ولنگٹن سولجر کلب میں تقریر کی تھی ..... لہٰذا میں خاموش رہنا ہی بہتر تصور کرتا تھا .....

گھر پر ..... ایوب صاحب آزادی کی تحریک کے محاذ کے فروغ سے بخوبی آشنا تھے اور وہ ان لوگوں کی باتیں بغور سنتے تھے جو آغا جی اور چاچا عمر کے دوست تھے ..... آغا جی ایوب صاحب کی کامیابی پر بے حد فخر محسوس کرتے تھے جو بڑی روانی کے ساتھ اردو بولنے اور لکھنے کے حوالے سے تھی ..... ذاتی طور پر ..... میں بھی ایوب صاحب کی انگریزی اور اردو زبان بخوبی بولنے اور لکھنے کی اہلیت سے مرعوب تھا اگرچہ انہوں نے اسکول کی روائتی تعلیم حاصل نہ کی تھی ..... جیسا کہ پہلے تذکرہ کیا گیا تھا ..... انہیں بطور ایک لڑکا ان کی خرابی صحت کی بنا پر گھر پر ہی زیور تعلیم سے آراستہ اور مزین کیا گیا تھا .....

©جملہ حقوق بحق ادارہ اُردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

جس وقت میں نے ''جگنو'' میں اپنا کام ختم کیا تھا اس وقت تک ہمارا ملک برطانوی راج سے نجات پانے کی راہ پر گامزن تھا..... مجھے وہ دن ہنوز یاد ہے..... 15 اگست 1947ء..... ہمارے لئے ان عظیم مردوں اور خواتین نے آزادی حاصل کی تھی جو کئی عشروں تک اِس کے حصول کے لئے جدوجہد کرتے رہے تھے اور آزادی کی جنگ لڑتے رہے تھے..... میں چرچ گیٹ اسٹیشن کے قریب فٹ پاتھ پر چل رہا تھا اور کوئی میری جانب توجہ نہیں دے رہا تھا اگرچہ میں تین فلموں میں اپنی اداکاری کے جوہر دکھا چکا تھا..... جوار بھاٹا (1944ء)..... پراتما (1945ء)..... اور ملن (1946ء)..... جب میں نے دیکھا کہ لوگ اپنے چہروں پر خوشی کے تأثرات سجائے گھروں کی جانب بھاگ رہے تھے..... میں جب گھر پہنچا اور میں نے تمام تر فیملی کو باہم اکٹھا دیکھا اور ہر ایک چہرے سے خوشی عیاں تھی اور ان کے چہرے خوشی سے چمک اور دمک رہے تھے تب مجھے احساس ہوا کہ یہ یوم آزادی تھا..... میں نے انڈیا کی آزادی کا جشن منانے کا حصہ بننے میں بالکل بھی وقت ضائع نہ کیا.....

''جگنو'' 1947ء کے اواخر میں نمائش کے لئے پیش کی گئی تھی..... یہ فلم ایک ہٹ فلم تھی اور اس کے اشتہارات کئی مقامات پر آویزاں کئے گئے تھے بشمول کرافورڈ کے قریب ایک مقام پر بھی اشتہار آویزاں تھا..... ایک صبح جب کہ آغا جی مارکیٹ میں اپنی تھوک کی دوکان پر سیبوں کی ایک کھیپ موصول کر رہے تھے..... راج کے دادا..... بشیش ورناتھ..... آغا جی کے پاس چلا آیا اور دونوں بڑی گرمجوشی کے ساتھ ایک دوسرے سے ملے..... وہ دونوں برسوں سے ایک دوسرے کے دوست تھے اور آغا جی سے مذاقاً کہا کرتے تھے کہ اسے اپنی مونچھوں کو تاؤ دینے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ اس کا بیٹا اور پوتا اداکاری کے کاروبار سے منسلک تھے..... آغا جی محسوس کرتے تھے کہ کپور لڑکے سرکاری ملازمت کے اہل تھے..... جوان دنوں بہت سے والدین کی تمنا ہوا کرتی تھی..... وہ جانتے تھے راج اور میں ایک ہی کالج میں زیر تعلیم تھے اور ان دنوں کالج کی تعلیم حاصل کرنا اور بمبئی یونیورسٹی میں منعقد ہونے والی کانووکیشن میں گریجوایشن کی ڈگری حاصل کرنا ایک بہت بڑا واقعہ ہوا کرتا تھا..... وہ ناخوش تھے کہ راج نے ایک اداکار بننے کا انتخاب کیا تھا اور ایک اہم سرکاری اہل کار بننے کا انتخاب نہ کیا تھا بشیش ورناتھ جی کی مانند جو پشاور میں کمشنر کے عہدے کا حامل تھا..... تاہم بشیش ورناتھ جی قطعاً ناخوش نہ تھے کہ ان کے بیٹے پرتھوی راج نے اداکاری کے پیشے کا انتخاب کیا تھا اور وہ ایک مصروف فن کار تھا اور ان کے پوتے راج نے بھی پرتھوی راج کی پیروی کی تھی اور اپنے باپ کے نقش قدم پر چلنے کو ترجیح دی تھی.....

یہ آغا جی کی خواہش اور آرزو تھی کہ میں بھی ایک باعزت سرکاری ملازمت تلاش کروں اور میں ایک اس قدر اہم عہدہ حاصل کروں کہ میرے نام کے ساتھ او بی ای جڑا ہوا ہو..... جب میں نے کالج جانے کا آغاز کیا تھا تب انہوں نے بے حد فخر محسوس کیا تھا اور انہوں نے مجھے بتایا تھا کہ یہ ان کا بہت بڑا خواب تھا کہ مجھے اپنا نام بطور یوسف خان او بی ای لکھنا چاہیے.....

اس صبح بشیش ورناتھ جی کی مونچھوں تلے شرارتی مسکراہٹ دبی ہوئی تھی..... انہوں نے اپنی مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے آغا جی سے کہا کہ ان کے پاس انہیں دکھانے کے لئے کوئی چیز موجود تھی..... ایسی چیز جو ان کا سانس لے اڑے گی..... آغا جی حیران تھے کہ یہ چیز کیا ہو سکتی تھی..... بشیش ورناتھ جی انہیں مارکیٹ سے باہر لے گئے اور انہیں ''جگنو'' کا بڑا سا اشتہار دکھایا جو سڑک عین پار آویزاں تھا..... تب انہوں نے کہا:.....

''وہ تمہارا بیٹا یوسف ہے''

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

آغا جی نے بعد میں مجھے بتایا کہ انہیں ایک لمحے کے لئے اپنی آنکھوں پر یقین ہی نہ آیا لیکن انہیں مجھ پر کسی اور کا شبہ نہیں ہوسکتا تھا کیونکہ وہ جس چہرے کو اس قدر اچھی طرح جانتے تھے وہ اشتہار پر ایک بہت بڑے سائز میں چھپا ہوا تھا اور سلور اسکرین پر ایک روشن نئے ستارے کی آمد کی خبر دے رہا تھا .....نام یوسف نہ تھا.....یہ دلیپ کمار تھا.....

بشیش ورناتھ جی ..... جو ان کے ساتھ کھڑے تھے ..... وہ بڑی توجہ کے ساتھ ان کے تأثرات کا مشاہدہ کر رہے تھے اور انہیں بتا رہے تھے کہ مایوس ہونے کی کوئی ضرورت نہ تھی کیونکہ میں نے ایک دوسرا نام اختیار کر لیا تھا تا کہ خاندان کی عزت جوں کی توں رہے اور جو کچھ اہم تھا وہ یہ تھا کہ میں فلمی دنیا میں ایک بڑا دھماکہ کرنے جا رہا تھا.....وہ تمام الفاظ آغا جی کے کانوں پر موسیقی نہ تھے.....انہوں نے بہت بعد میں مجھے بتایا..... جب کہ وہ میرے پیشے کے انتخاب کو قبول کر چکے تھے.....اس لمحے وہ مایوسی کے خوفناک احساس کا شکار ہوئے تھے ..... وہ فطری طور پر بے حد ناراض تھے .....آغا جی نے اپنی ناراضگی کا انکشاف نہ کیا تھا اور اپنے فخر کو درست الفاظ یا غصے کی کسی اور طرز سے مجروح نہ کیا تھا.....وہ کچھ دنوں تک بالکل خاموش رہے تھے اور مجھ سے بات نہ کی تھی۔ حتیٰ کہ دیگر اوقات پر جب ہم ایک دوسرے کے ساتھ یک رکنی لفظ سے بات کرتے تھے.....میں نے ان کی آنکھوں میں جھانکنے کی جرات نہ کی تھی .....جلد ہی صورت حال نا معقول اور نا موافق ہوگئی اور میں نہیں جانتا تھا کہ مجھے کیا کرنا تھا.....

برف کی موٹی تہہ کو کسی نہ کسی طرح ٹوٹنا تھا.....میں نے راج پر بھروسا کیا اس نے کہا وہ جانتا تھا کہ یہ کچھ رونما ہونے جا رہا تھا اور اس نے کہا کہ مصالحت کرانے کے لئے بہترین فرد پرتھوی راج تھا .....اور وہ درست تھا.....ایک دن پرتھوی راج نے اچانک ہمارے گھر کا دورہ کیا.....شام کو جب میں گھر واپس آیا تب اماں نے مجھے بتایا کہ پرتھوی راج کی آمد قابل غور حد تک کامیاب ثابت ہوئی تھی اور انہوں نے محسوس کیا تھا کہ آغا جی بہت زیادہ پرسکون اور خوش باش ہو گئے تھے..... میں ہنوز اپنے آپ میں اس قدر ہمت اور جرأت محسوس نہیں کر رہا تھا کہ ان کے پاس جا کر ان کے ساتھ بات چیت کا آغاز کر سکوں.....

آغا جی نے اس وقت خاموشی کو توڑا جب وہ ایک شام ایک فیملی فرینڈ سے ملاقات کرنے کے بعد ان کے گھر سے واپس آئے جہاں پر انہوں نے میری تعریفیں سنیں اور ''جگنو'' میں بطور ایک ستارہ فلمی دنیا کے افق پر میرے چمکنے اور دمکنے کے بارے میں سنا.....انہوں نے مجھے اندر آتے ہوئے دیکھا اور انہوں نے ہمیشہ کی طرح مجھے بلایا اور بڑی سہولت کے ساتھ میرے ساتھ باتیں کرنے لگے.....میں پرسکون اور خوش تھا یہ سوچتے ہوئے کہ وہ اپنی سوچوں اور جذبات کو زبان دینے کے حوالے سے اپنی مثال آپ تھے.....انہوں نے کہا کہ انہوں نے حقیقت کو قبول کر لیا تھا.....میں نے ایک ایسے پیشے کا انتخاب کیا تھا جس پیشے میں وہ میرے قدم رکھنے کی بھی توقع نہ کرتے تھے ..... وہ ہمیشہ میرے ساتھ پشتو میں بات کرتے تھے اور ان کا کلام واضح اور موقع محل کے عین مطابق ہوتا تھا.....وہ کبھی اونچی آواز میں بات نہ کرتے تھے اور میں نے اپنے والدین کو اپنے اور اپنے بہن بھائیوں کے سامنے کبھی بحث مباحثہ کرتے ہوئے نہ دیکھا تھا.....اگر ان کے درمیان کوئی مسئلہ مسائل ہوتا تھا.....وہ اسے ہمارے علم میں لائے بغیر حل کیا کرتے تھے.....اس شام انہوں نے ناراضگی اور ناخوشی کو بالائے طاق رکھتے ہوئے میرے ساتھ بات کی ..... وہ حقہ سے لطف اندوز ہو رہے تھے ..... جسے اکثر وہ اپنے ان دوستوں کے ساتھ شیئر کرتے تھے جو ان کے ساتھ ملاقات کرنے کے لئے آتے تھے.....انہوں نے مجھے اپنے سامنے

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

بیٹھنے کے لئے کہا اور اس لڑکے کو حقے میں خوشبودار تمباکو بھرنے کے لئے کہا جوان کی خدمات پر مامور
.....ان کے اس عمل درآمد سے میں نے اندازہ لگایا کہ وہ برے موڈ میں ہرگز نہ تھے اور میرے جاننے کے
لئے یہ کافی تھا کہ انہوں نے مجھے معاف کر دیا تھا..... انہوں نے اس شام جس سہل انداز سے میرے
ساتھ گفتگو کی تھی اور ساتھ ساتھ حقے کے کش بھی لگاتے رہے تھے اس سے میں نے یہ اندازہ لگایا تھا کہ
اگرچہ وہ فلموں میں میرا کام کرنا اچھا محسوس نہیں کرتے تھے لیکن وہ اسے نامنظور بھی نہ کرتے تھے.....

باب نمبر 11

ذاتی اور پیشہ وارانہ کے درمیان

(BETWEEN THE PESONAL AND THE PROFESSIONAL

''دویکا رانی نے مجھے جو کچھ بتایا تھا وہ میرے لئے ایک سبق تھا جو میں نے ہمیشہ اپنے ذہن
میں محفوظ رکھا اور اس کا اطلاق اپنے کام پر کیا اور کبھی کبھار ڈائریکٹر بھی حیران ہو جاتے تھے.....اس نے
انکشاف کیا تھا کہ ایک ڈائریکٹر اس شوٹ سے مطمئن ہو سکتا ہے جو ایک اداکار دیتا ہے لیکن اداکار کو
بذات خود بھی یہ شناخت کرنی چاہیے کہ کیا اس نے حقیقت میں اپنا بہترین فن پیش کیا ہے.....اس نے
مزید بتایا.....اداکار کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس سین کو دوبارہ فلمانے کے لئے درخواست کرے اگر وہ
محسوس کرے کہ وہ مزید بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کر سکتا ہے۔''

تاہم میری خوشی دیرپا ثابت نہ ہوئی بلکہ یہ ایک مختصر دورانیے پر محیط رہی۔ جلد ہی ایوب صاحب پھیپھڑے
کے عارضہ میں مبتلا ہو کر شدید علیل ہو گئے۔ بہترین ڈاکٹر بھی انکی زندگی میں اضافہ کرنے میں ناکام رہے
اگرچہ میں نے ان کیلئے غیر ممالک سے ادویات منگوانے کا بندوبست بھی کیا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ
زیادہ دیر تک ہمارا ساتھ نہ دے سکتے تھے لہٰذا وہ اکثر مجھ سے ساحل سمندر پر جانے کی درخواست کرتے
تھے جہاں پر ہم بیٹھ کر سورج غروب ہونے کے نظارے سے لطف اندوز ہوتے تھے۔۔ سورج لمحہ بہ لمحہ
ایک ایک انچ نیچے جاتے ہوئے سمندر کے آغوش میں چھپنے کیلئے بے قرار ہوتا تھا اور رات کی آمد کی رسم
ہموار کرتا تھا.....

ایک دن میں اپنے معمول سے ہٹ کر جلد گھر واپس آ گیا اور دیکھا کہ ایوب صاحب نہ صرف زرد دکھائی
دے رہے تھے بلکہ انہیں سانس لینے میں بھی دقت محسوس ہو رہی تھی۔ حتیٰ کہ وہ چھوٹے چھوٹے سانس
لینے میں بھی دقت محسوس کر رہے تھے۔ میں نے چاچا کو روانہ کیا کہ وہ مارکیٹ سے آغا جی کو بلا لائیں اور
ساتھ ہی ڈاکٹر کو بھی اپنے ہمراہ لیتے آئیں۔ میں نے اپنے بھائی کو اپنے بازوؤں میں بھر لیا اور وہ پرسکون
تھے اور مجھ پر مسکرا رہے تھے جیسے ہی میں نے انہیں ایسی آنکھوں سے دیکھا جن میں خوف کے سایے لہرا
رہے تھے۔ چاچا عمر آغا جی کو بلا لائے تھے اور بھاگم بھاگ ڈاکٹر کو بلانے کیلئے چلے گئے تھے.....آغا جی
ایوب صاحب کے قریب بیٹھ گئے۔ میں اس وقت انکے ہاتھ کو کانپتے ہوئے بخوبی دیکھ سکتا تھا جب انہوں
نے اپنے بیٹے کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لیا۔ ایوب صاحب ہنس رہے تھے اور اگرچہ وہ سانس لینے کی جدوجہد میں مصروف تھے لیکن انکے خوبصورت چہرے پر غیر معمولی تابندگی اور سکون موجود تھا۔ قبل اسکے کہ ہم
اسے جانتے۔ تابندہ شام کے سورج کی مانند جسے دیکھنا وہ پسند کرتے تھے۔ وہ چند منٹوں میں رخصت ہو
گئے۔ حتیٰ کہ ڈاکٹر کی آمد سے قبل۔ تمام تر تابندگی اپنے ہمراہ لے جاتے ہوئے۔

©جملہ حقوق بحق ادارہ اُردو پوائنٹ محفوظ ہیں
C)-www.UrduPoint.com
itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

بمبئی ٹاکیز کے ساتھ معاہدہ اختتام پذیر ہونے جارہا تھا اور اسٹوڈیو کی مینجمنٹ میں بھی تبدیلیاں رونما ہورہی تھیں..... اشوک بھیا بھی خیر باد کہہ چکے تھے اور ایس۔ مکھر جی صاحب بھی فلمستان تشکیل دینے میں مصروف تھے..... ذہین فلم بنانے والے حب الوطنی اور سماجی مقاصد کی تکمیل پر مبنی فلمیں بنارہے تھے.....

وی شانتارام پہلے ہی درج ذیل فلمیں بنا چکے تھے:.....

☆دنیا نہ مانے (1937ء) ☆آدمی (1939ء) ☆پڑوسی (1941ء)

☆شکنتلا (1941ء) ☆ڈاکٹر کوٹنس کی امر کہانی (1946ء)

درج بالا فلموں کو خوش آمدید کہا گیا اور انہیں بخوبی سراہا گیا کیونکہ ان میں سماجی امور زیر بحث لائے گئے تھے..... بابوراؤ پینٹر نے ''رام جوشی'' (1947ء) بنائی تھی..... سہراب مودی تاریخی کہانیوں کو فلمارہا تھا..... لہٰذا میرے لئے اور دیگر لوگوں کے لئے کام کے مواقع کی ہرگز قلت نہ تھی جنہوں نے بمبئی ٹاکیز میں پرورش پائی تھی.....

بمبئی ٹاکیز کا معیار اور عزت واحترام اس کے نام میں پنہاں تھا..... اس امر نے اسٹوڈیو کے اکثر ملازمین کے لئے اس امر کو آسان بنادیا تھا کہ وہ دیگر اسٹوڈیوز میں ملازمت تلاش کرسکتے تھے.....

میں نے ایس۔ مکھر جی صاحب کی اس دعوت کو قبول کرنے میں کسی بھی ہچکچاہٹ کا مظاہرہ نہ کیا جس کے تحت انہوں نے مجھے فلمستان میں بننے والی فلموں میں کام کرنے کی پیش کش کی تھی..... اس پیش کش کا سودمند پہلو یہ تھا کہ انہوں نے ایک معاہدے یا سمجھوتے کی بات نہ کی تھی جس کے تحت میں محض ان کی فلموں میں ہی کام کرنے کا پابند ہوتا..... جیسا کہ یہ تھا..... اسٹوڈیو کی ملازمت کا نظام مائل بہ تبدیلی تھا اور اس کی تبدیلی ناگزیر تھی ..... اب انتظامیہ اداکاروں اور ٹیکنشنوں کی خدمات فری لانس بنیادوں پر حاصل کرنے کی متلاشی تھی اور معاوضہ بھی تجربے..... مہارت ..... اور سابقہ ریکارڈ اور کارکردگی کے عین مطابق طے کیا جانے لگا تھا.....

تاہم میں نے فلمستان کو اس لئے ترجیح نہ دی تھی کہ اس نے مجھے مالی اضافے کی پیش کش کی تھی..... میں ہر ماہ بمبئی ٹاکیز سے جو مشاہرہ وصول کررہا تھا وہ ان ضروری اخراجات کی تکمیل کے لئے کافی تھا جو اماں کو ہر ماہ گھر کا خرچہ چلانے کے لئے درکار ہوتے تھے کیونکہ گھر کی آبادی میں پشاور سے ملنے جلنے والے کنبے کے اراکین کی آمد کی وجہ سے متواتر اضافہ ہوتا رہتا تھا اور اماں کے بارہ بچوں کے علاوہ چاچا عمر اور آغا جی کی دو بہنوں اور ملاقاتیوں کے نہ ختم ہونے والے سیلاب کے اخراجات کی تکمیل بھی بخوبی ممکن ہوتی تھی..... اس میں کوئی شک نہیں کہ کمائی میں اضافے کو خوش آمدید کہا گیا تھا لیکن میں یہ عہد کرچکا تھا کہ میرے کام کی چوائس اور میرے کیریئر کی جانچ مالی فوائد سے نہیں کی جائے گی..... ایک نوجوان شخص کے لئے یہ ایک مشکل فیصلہ تھا جو ایک کامیاب کیریئر کی دہلیز پر کھڑا تھا..... بہت سے پروڈیوسر ایسے تھے جن کی نظر مجھ پر پڑی تھی اور وہ میرے ساتھ اپنی مجوزہ فلموں پر بات کرنا چاہتے تھے ..... ایس۔ مکھر جی صاحب بھی اس حقیقت سے بخوبی آشنا تھے اور انہوں نے میرے اس فیصلے کو قدر اور احترام کی نگاہ سے دیکھا جس کے تحت میں نے ان کے فلمستان کے ساتھ منسلک ہونے اور کام کرنے کی حامی بھری تھی.....

فلم ''شہید'' (1948ء میں نمائش کے لئے پیش کی گئی) تھی..... اس موضوع نے میرے تصور کو جلا بخشی اور میں نے محسوس کیا کہ یہ ایک دانشمندانہ فیصلہ تھا کہ حب الوطنی پر مبنی ایک فلم بنائی جائے

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

اور وہ بھی اس مرحلے پر جب ہم سب برطانوی راج سے آزادی حاصل کرنے کی جدوجہد سے گزرنے کا تجربہ کر چکے تھے اور آزادی کی جنگ لڑنے والوں کی قربانیوں کو بھی دیکھ چکے تھے جس کا تعلق مختلف مذاہب.....ذاتوں.....عمر کے گروپوں اور سماجی مقام سے تھا.....میں ''شہید'' میں اپنے کردار سے بے حد مطمئن تھا اور اس کی وجہ مروجہ سماجی اور سیاسی آب وہوا تھی اور میرے اپنے حب الوطنی کے جذبات بھی نکاس کی ایک راہ کی تلاش میں تھے جو بخوبی تحریر کردہ سینوں (SCENES) اور مکالموں کی شکل میں موجود تھی.....اگرچہ فلم کے ہدایتکار رمیش سہگل تھے لیکن ہماری کارکردگی کو تحریک ایس۔ مکھری صاحب نے بخشی تھی.....

ساتھی اداکارہ کامنی کوشال کے ساتھ میری مفاہمت اور ہم آہنگی تھی.....وہ ڈائریکٹر کی درکاریات پر پورا اترتی تھی اور اسکرپٹ کے مطالبے کے عین مطابق اپنی کارکردگی پیش کرتی تھی.....وہ ایک ایسی اداکارہ تھی جو ضرورت پڑنے پر مطلوبہ اختیار کے ساتھ اپنی کارکردگی کا مظاہرہ کر سکتی تھی.....وہ اس پیشے میں نئی نہ تھی.....وہ پہلے ہی چیتن انند کی ''نیچا نگر'' (1946ء) میں اپنی اداکاری کے جوہر دکھا چکی تھی.....مزید برآں وہ ایک تعلیم یافتہ اداکارہ تھی جس کے ساتھ دلچسپ گفت وشنید کی جا سکتی تھی.....وہ انگریزی زبان بولنے میں قرار واقعی مہارت رکھتی تھی جو ان دنوں ایک اداکارہ کے لئے ایک غیر معمولی اہلیت تصور کی جاتی تھی اور ایس۔ مکھر جی صاحب اس کی اس اہلیت سے بے حد خوش تھے کیونکہ وہ اسی زبان میں گفتگو کرنے کو ترجیح دیتے تھے.....درحقیقت دن بھر ایسے فلمی مناظر پر کام کرتے ہوئے جو شدید جذباتی ہوتے تھے ہم ذہنی اور جسمانی تھکاوٹ محسوس کرتے تھے لہٰذا ہم نے اپنا ایک چھوٹا سا حلقہ تشکیل دے رکھا تھا تاکہ معیاری دل لگی پر مبنی گفتگو کرتے ہوئے اپنی دن بھر کی تھکن کا مداوا کیا جا سکے.....ہمارے اس حلقے میں کبھی کبھار اشوک بھی شامل ہو جایا کرتے تھے.....رمیش سہگل بات چیت کے میدان میں مہارت رکھتا تھا اور وہ اولین فرد تھا جو کامنی کوشال کو اس کے حقیقی نام یوما سے مخاطب کرتا تھا.....

باکس آفس پر ''شہید'' کو وہ کامیابی نصیب ہوئی جس کی وہ حقدار تھی.....وہ قرار واقعی کامیابی سے ہمکنار ہوئی اور فلم بینوں نے کامنی کوشال کے ساتھ میری جوڑی کو بے حد پسند کیا اور فلمستان ہمیں ''ندیا کے پار'' (مابعد 1948ء میں نمائش کے لئے پیش کی گئی) میں منتخب کر چکا تھا.....اور اس کے علاوہ ''شبنم'' (1949ء) کے لئے بھی منتخب کر چکا تھا.....جس نے زیادہ بڑھ کر کامیابی حاصل کی.....1946ء کی دہائی میں فن کار فلمی دنیا کے علاوہ حقیقی دنیا میں بھی اسی طرح آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ رابطے میں رہتے تھے جس طرح آج کل رابطے میں رہتے ہیں.....فرق محض اتنا تھا کہ ہم پروقار انداز میں ایک دوسرے باہم روابط ہوتے تھے اور ہمارے میل جول اور ملاقاتوں کی داستانیں اخبارات یا رسائل کی شہ سرخیاں نہیں بنتی تھیں اور نہ ہی ہماری زندگیاں لوگوں کے بحث مباحثے کا عنوان بنتی تھیں.....اس وقت بھی زرد صحافت کا رواج تھا اور کچھ رسائل اوچھی حرکتیں کرتے تھے اگرچہ ٹیلی وژن ہنوز منظر عام پر نہیں آیا تھا.....اگر ہم ایک دوسرے میں جذباتی طور پر ملوث بھی ہوتے تھے تب بھی اس امر کی عوامی نمائش نہ ہوتی تھی اور فلمی دنیا میں بھی اس کی تشہیر نہ ہوتی تھی اور ہم معمول کے مطابق اپنے کام کو جاری رکھتے تھے.....

میری عمر اس وقت 20 برس تھی جب میں نے ''شہید''.....''ندیا کے پار''.....اور ''شبنم'' میں اپنی اداکاری کے جوہر دکھائے تھے.....میں کوئی مافوق الفطرت ہستی نہ تھا.....اس وقت تعلیم یافتہ خواتین میں سینما کے لئے کوئی کشش موجود نہ تھی اور سینما سے وابستہ ہونا ایک لڑکی یا عورت کے لئے ایک

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

اعزاز تصور نہ کیا جاتا تھا..... میرا تعلق ایک ایسے خاندان سے تھا جو ادبی رجحان کا حامل تھا..... اور میں ایک ایسے گھر میں پروان چڑھا تھا جس میں اس قدر نمایاں اور ممتاز ملاقاتی اور مہمان آتے تھے جیسے مولانا عبدالکلام آزاد (ایک مفکر اور مہاتما گاندھی اور جواہر لعل نہرو کا قریبی ساتھی)..... سعادت حسن منٹو (ایک مایہ ناز لکھاری) اور مرزا غلام احمد (ایک اور مایہ ناز لکھاری) وغیرہ وغیرہ..... یہ لوگ آغا جی کے ساتھ بے تکلف گفتگو کرتے تھے اور کبھی کبھار میرے اور ایوب صاحب کے ساتھ بھی وہ آزادانہ گفتگو کرتے تھے ..... یہی وجہ تھی کہ میں ایسے ساتھی اور دوستوں کو ترجیح دیتا تھا جو تعلیم یافتہ تھے اور بخوبی باخبر لوگ تھے..... فلمی ستارے کے حوالے سے شہرت مجھے خوش کرنے کی بجائے پریشان کرتی تھی اور میرا خیال ہے میں عقلیت اور جذباتی حوالے سے یوما کی جانب زیادہ کھنچا چلا جا رہا تھا جس کے ساتھ میں ایسے معاملات اور موضوعات پر بات کر سکتا تھا جو میرے لئے دلچسپی کے حامل تھے اور کام کے حوالے سے ہمارے تعلقات سے ہٹ کر ہوتے تھے..... اگر وہ محبت تھی..... ہوسکتا ہے وہ محبت ہو..... میں نہیں جانتا اور میرا خیال ہے اس معاملے میں زیادہ پڑنے کی کوئی ضرورت بھی نہیں ہے.....

ہاں..... حالات کے ہاتھوں مجبور ہو کر ہم نے فلموں میں باہم اکٹھے جلوہ گر ہونے کا سلسلہ ختم کر دیا تھا..... ہم نے چند فلمیں اکٹھے مکمل کی تھیں لیکن اس کے بعد اکٹھے کام کرنے کا سلسلہ محض اس لئے منقطع کرنا پڑا کیونکہ اگر ایک ہی فلمی جوڑا بار بار ہر فلم میں اکٹھے جلوہ گر ہوتا رہے تب ناظرین اسے پسند نہیں کرتے بلکہ اس سے اکتا جاتے ہیں اور یہ امر کاروبار پر برے اثر امر تب کرتا ہے.....

مجھے ایک سوال اکثر پوچھا جاتا ہے کہ اگر اداکار حقیقی زندگی میں ایک دوسرے کی محبت میں ڈوبے ہوئے ہوں تب کیا فلم میں محبت کا سین فلماتے ہوئے وہ کوئی اہم فرق نمایاں کر سکتے ہیں یا نہیں ..... میرا ایماندارانہ جواب ہاں اور ناں دونوں میں ہے..... محبت کے مناظر میں ..... بالخصوص ایسے مناظر جن میں جذباتی گرمجوشی اور جسمانی قربت ملوث ہوتی ہے..... دونوں اداکاروں سے ایک مخصوص درجہ حرارت کی توقع کی جاتی ہے جس کی تخلیق ہدایت کار کے ذریعے ہوتی ہے اور اس کے لئے ضروری نہیں ہے کہ اس کی تخلیق کی وجہ فنکاروں کے درمیان وہ آشنائی بنے جس کے کام کے ماحول سے باہر وہ حامل ہیں ..... بطور اداکار..... ہم ایسے مناظر کی عکس بندی اس مکمل علم کے ساتھ کروانے کے عادی ہوتے ہیں کہ ہم جذبات کی عکاسی کیمرے کے لئے کر رہے ہیں اور اس میں کوئی حقیقت اور سچائی ہرگز نہیں ہے..... دوسری جانب..... یہ بھی عین ممکن ہے کہ فن کاروں کی آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ جذباتی وابستگی جس کے وہ اپنی حقیقی زندگی میں حامل ہوتے ہیں وہ ان کی جذباتی شدت میں اضافہ کر سکتی ہے اور اداکاری کے درجہ حرارت کو اس سطح تک بڑھا سکتی ہے جو اسکرپٹ کا مطالبہ نہیں ہوتا.....

مجھ سے یہ سوال خصوصی طور پر اس حوالے سے پوچھا جاتا رہا ہے جس کے تحت میں نے مغل اعظم (1960ء میں نمائش کے لئے پیش کی گئی) بطور شہزادہ سلیم مدھوبالا کے ساتھ بطور سلیم کی محبوبہ انار کلی مناظر کی عکس بندی کروائی تھی..... اور اس سوال کا جواب اس قدر دیانت داری اور ایمانداری کے ساتھ آنے والے کسی باب میں دوں گا جس قدر شائستگی اجازت دیتی ہے.....

©جملہ حقوق بحق ادارہ اُردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔

(C)-www.UrduPoint.com itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

اپنی داستان کے ساتھ جاری رہنے کے لئے..... اب ہمارے لئے یہ ضروری ہو گیا تھا کہ ہم اپنی رہائش ان مضافات میں منتقل کر لیں جو مغربی بمبئی میں واقع تھے اور جہاں پر بہت سے فلم اسٹوڈیوز موجود تھے اور اب بھی موجود ہیں.....

اب آغا جی ہفتے میں ایک مرتبہ فروٹ منڈی کا دورہ کرتے تھے کیونکہ اب میری آمدنی اس قدر کافی تھی کہ فیملی (کنبے) کی معاونت کر سکتی تھی..... دو وجوہات ایسی تھیں جن کی بنا پر وہ منڈی جانا ترک نہ کرتے تھے..... اول..... وہ یہ سننا پسند نہیں کرتے تھے کہ میں تن تنہا ہی گھر کے اخراجات چلا رہا تھا اور وہ چاہتے تھے کہ ان سے جو کچھ ممکن ہو سکے وہ گھر کے اخراجات میں دست تعاون دراز کرنے کے لئے ضرور کریں اور اپنے کاروبار سے وابستہ رہیں دوم..... وہ اپنے منڈی کے دوستوں اور رفقا سے دور نہیں رہنا چاہتے تھے..... وہ ان کی گرمجوشی سے لطف اندوز ہونے اور ان کے ساتھ گفت وشنید سرانجام دینے سے محروم نہیں رہنا چاہتے تھے..... آغا جی کو کسی نہ کسی طرح قائل کرنے میں ہم کامیاب ہو چکے تھے اور وہ باندرہ (مغربی بمبئی میں ہی واقع تھا) منتقل ہونے کے لئے آمادہ ہو گئے تھے..... ہم نے پالی مالا میں ایک بنگلہ حاصل کر لیا جو کہ عیسائی آبادکاروں کی سکونت کے عین درمیان میں واقع تھا.....

اماں کے دمہ کے عارضے کی صورت حال ایسی تھی کہ انہیں باقاعدگی کے ساتھ طبی توجہ کی ضرورت تھی اور پالی مالا میں ہماری نئی رہائش گاہ سے مطلوبہ طبی توجہ کے حصول تک ہماری رسائی عین ممکن تھی..... اماں ایوب کی موت کے صدمے کو فراموش نہ کر سکتی تھیں..... وہ آغا جی اور ہمارے سامنے نہ روتی تھیں لیکن میں جانتا تھا کہ وہ کئی راتیں خاموشی سے روتی رہی تھیں اور ان کے آنسو ان کے تکیے میں جذب ہوتے رہے تھے..... غم اور صدمہ انہیں اندر ہی اندر سے کھائے جا رہا تھا اور ان کی صحت کو متاثر کر رہا تھا اور ان کی صحت بتدریج گرتی چلی جا رہی تھی اگرچہ انہیں بہترین علاج معالجہ میسر تھا اور ہم نہیں گھر پر ہی یہ علاج معالجہ فراہم کر رہے تھے..... اپنے اس نئے گھر میں جو باندرا میں واقع تھا..... وہ اپنی کمزور اور ناتواں حالت سے جنگ کر رہی تھیں اور میرے چھوٹے بہن بھائیوں کے سامنے بے حد بہادری کا مظاہرہ کر رہی تھیں جو چھوٹی سے چھوٹی ضروریات زندگی کی تکمیل کے لئے بھی ان سے رجوع کرتے تھے..... جب میں ان کے ساتھ تنہائی میں ہوتا تھا محض تب ہی وہ موت کے ناگزیر ہونے کی بابت بات کرتی تھیں اور جب وہ میرے چہرے پر دکھ..... درد اور تکلیف کے سائے لہرائے دیکھتی تھیں تب وہ جلدی سے موضوع بدل دیتی تھیں..... آغا جی جانتے تھے کہ اماں مجھ پر اعتماد اور بھروسہ کرتی تھیں اور درحقیقت وہ اپنے خواب اور سوچیں میرے ساتھ شیئر کرتی تھیں..... ایک دن آغا جی اپنے کمرے سے باہر نکلے اور انہوں نے مجھے باہر جانے کے لئے آمادہ پایا..... انہوں نے مجھے باہر جانے سے روکتے ہوئے کہا کہ میں جاؤں اور اماں کے پاس جا کر بیٹھوں..... انہوں نے کہا "اپنی اماں کے ساتھ رہو" اور محض ڈاکٹر کو بلانے کے لئے ہی گھر سے باہر نکلو جس کی رہائش سڑک کے اس پار تھی.....

میں اپنی آنکھ کے کونے سے انہیں اپنے جذبات کے آگے بند باندھتے اور ان پر قابو پاتے دیکھ سکتا تھا..... میں لمبے لمبے ڈگ بھرتا جلدی سے اماں کے پاس جا پہنچا..... اگرچہ اماں پرسکون دکھائی دے رہی تھیں لیکن ان کے چہرے پر کرب کے آثار بتا رہے تھے کہ انہیں فوری طبی توجہ کی ضرورت تھی..... میں ان کے بستر پر بیٹھ گیا اور ان کا سر اپنی گود میں رکھ لیا جیسا کہ میں ہمیشہ کیا کرتا تھا۔ میں نے نرمی کے ساتھ ان کا ہاتھ تھام کر اپنے لبوں سے لگا لیا یہ ان کے ساتھ میری محبت کا ایک خاموش اظہار تھا..... میری آنکھوں سے آنسو رواں تھے..... وہ میرے احساسات سے بخوبی واقف تھیں اور میرے احساسات

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

کو بخوبی سمجھتی بھی تھیں اور جب آغا جی ڈاکٹر کے ہمراہ واپس آئے تب انہوں نے اپنے آپ کو سنبھالا اور ٹھیک ٹھاک دکھائی دینے کی کوشش کرنے لگیں..... کسی نہ کسی طرح..... آغا جی جانتے تھے کہ ہم انہیں کھونے جا رہے تھے..... انہوں نے انہیں ڈیولالی میں واقع ہمارے گھر میں منتقل کرنے کا بندوبست کیا تاکہ وہ پہاڑی علاقے کے آلودگی سے پاک ماحول میں بہتر محسوس کر سکیں..... ڈیولالی میں آغا جی غم یاس کی تصویر بنے گھر میں ہی بیٹھے رہے اور وہ کبھی کبھار ہی گھر سے باہر نکلے..... اگرچہ وہ الفاظ میں اپنی تشویش کا اظہار نہ کر رہے تھے..... لیکن صاف ظاہر تھا کہ ان کی اندرونی آواز انہیں پریشان کر رہی تھی اور وہ مضطرب اور بے چین سوچوں کا شکار تھے اور اپنے اس ساتھی کو کھو دینے کے خدشے کا شکار تھے جس سے انہوں نے برس ہا برس تک سکون اور قوت اخذ کی تھی.....

چند دنوں کے اندر اندر..... 27 اگست 1948ء کو..... وہ ہمارے درمیان سے رخصت ہو چکی تھیں..... وہ بڑے پرسکون انداز سے زندگی کی ہلچل سے منہ موڑ کر ابدی سکون سے ہمکنار ہو چکی تھیں..... میں نے اپنے دکھ..... درج اور کرب کا اظہار نہ کیا اور میں اسے آغا جی سے اور اپنے چھوٹے بہن بھائیوں سے اس طرح چھپاتا رہا جس طرح میں نے اس وقت چھپایا تھا جب ایوب صاحب اس دنیا سے رخصت ہوئے تھے..... تمام لوگ انہیں اور آغا جی کو جانتے تھے وہ اس وقت تعزیت کے لئے آئے جب ہم بمبئی واپس لوٹے..... زیادہ غم زدہ وہ غریب لوگ تھے جو پڑوس میں رہتے تھے..... وہ کسی ایسے سوالی کو اپنے در سے خالی نہ جانے دیتی تھیں جو ان کے در پر سوالی بن کر آتا تھا.....

ہمارے دھوبی کی بیوی ہماری باقاعدہ ملاقاتی تھی جو اپنے نوجوان بیٹے پیارے لعل کے ساتھ آیا کرتی تھی اور اماں انہیں دے دلا کر رخصت کرتی تھیں..... پیارے لعل نے اپنے والدین سے دھوبی کا کام سیکھا تھا اور اپنے والدین کی وفات کے بعد وہ میرا ذاتی دھوبی بن گیا تھا..... اب اس کی عمر 70 برس ہے اور وہ ہمارے گھر میں بطور ماسٹر دھوبی اپنی خدمات سرانجام دے رہا ہے..... وہ میری سفید پتلونیں اور شرٹیں دھونے کے علاوہ سائرہ کے ان خوبصورت ملبوسات کی دھلائی بھی سرانجام دیتا ہے جو وہ زیب تن کرتی ہے..... آج تک پیارے لعل کو وہ حلوے اور دیگر پکوان یاد ہیں جو اماں اسے تھما دیا کرتی تھیں کہ انہیں گھر لے جائے اور اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کے ساتھ مل کر کھائے..... اور یہ پکوان اس کھانے کے علاوہ ہوا کرتے تھے جو اماں سے اور اس کی ماں کو کچن میں بٹھا کر کھانے کے لئے دیا کرتی تھیں.....

میں نے اپنی پوری طاقت اور قوت بروئے کار لاتے ہوئے اپنے دکھ..... درد اور غم کو اپنے ہی اندر کچل ڈالا اور اس نقصان کو چپ چاپ برداشت کر گیا جس سے میں ہمکنار ہو چکا تھا اور میں اپنے بہن بھائیوں کے سامنے مردانہ وار کھڑا رہا اور انہیں یہی تاثر پیش کیا کہ اب میں ان کی ماں اور باپ دونوں تھا کیونکہ آغا جی اب چپ رہنے لگے تھے اور وہ بے حد کم بات کیا کرتے تھے اور زیادہ سے زیادہ اپنی اپنی سوچوں میں گم رہتے تھے.....

ایک دن جب ہم دونوں تنہا تھے تب انہوں نے اپنی خواہش کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ یہ ان کی خواہش تھی کہ انہیں ڈیولالی میں اماں کے برابر دفن کیا جائے.....

میں نے ایک فیٹ کار خریدی تھی (1940ء کے عشرے کے اواخر میں) اگرچہ مجھے اس گاڑی کی زیادہ ضرورت نہ تھی بلکہ میں نے یہ گاڑی اپنی بہنوں کی ضرورت کے پیش نظر خریدی تھی کیونکہ انہیں باہر جانے کے لئے ایک گاڑی کی ضرورت تھی.....

گاڑی میں میرا اولین سفر بارلوں اسٹیڈیم تک کا تھا..... ایک کرکٹ میچ کھیلا جا رہا تھا اور یہ

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

اس میچ کا دوسرا دن تھا..... میں میچ دیکھنے کے لئے داخلے کا ٹکٹ حاصل کرنے کے لئے قطار میں کھڑا نہ ہوا تھا کیونکہ اب میں عوام میں کسی قدر جانا اور پہچانا جاتا تھا..... میں کرکٹر و جے مرچنٹ کو جانتا تھا جس کے ساتھ ڈاکٹر مشانی نے مجھے متعارف کروایا تھا..... جو بذات خود کرکٹ کے حوالے سے بے انتہا جوش..... جذبے اور ولولے کے حامل تھے..... میں نے اپنے ڈرائیور سے کہا کہ وہ مجھے چرچ گیٹ لے چلے جہاں سے میں نے ڈاکٹر مشانی کو اپنے ہمراہ لیا اور ہم بروقت اسٹیڈیم کے اس دروازے پر جا پہنچے جہاں سے خصوصی مدعوین کو داخلے کی اجازت تھی..... میری نشست ایک ایسے متاثر کن دکھائی دینے والے شخص کے ساتھ تھی جس نے شرٹ پر ایک ایسی جیکٹ پہن رکھی تھی جس کے بٹن کھلے ہوئے تھے..... وہ اپنے دائیں جانب بیٹھے ہوئے ایک شخص کے ساتھ جھک کر باتیں کر رہا تھا اور وہ کچھ سننے کی کوشش میں مصروف تھا جو وہ شخص مجھے دیکھنے کے بعد اسے بتا رہا تھا..... میں نے جونہی اپنی نشست سنبھالی اور چونکہ ان دونوں نے مسکرا کر مجھے دیکھا لہٰذا میں نے سوچا کہ بہتر ہے کہ مجھے انہیں سلام کرنا چاہیے..... صاف ظاہر تھا کہ وہ میرے ہم مذہب تھے کیونکہ وہ مسلمانوں کے لئے مخصوص احاطے میں موجود تھے..... لہٰذا میں نے ان سے کہا السلام علیکم (آپ پر سلامتی ہو) اور انہوں نے بڑی گرمجوشی سے میرے سلام کا جواب دیا.....

میچ شروع ہو چکا تھا اور کھیل جاری تھا کہ اس دوران متاثر کن دکھائی دینے والے شخص نے میرے ساتھ کلام کرنے کی ضرورت محسوس کی..... اس نے اپنے آپ کو بطور محبوب خان اور اپنے دوست کے بطور نوشاد میاں متعارف کروایا..... یہ دو دیرپا ثابت ہونے والی دوستیوں اور پیشہ وارانہ تعلقات کا میری زندگی اور کیریئر میں آغاز تھا..... نوشاد میاں (بنیادی طور پر ایک میوزک کمپوزر) نے وہ کہانی تحریر کی تھی جو فلم ''میلہ'' بنی اور اس نے مجھے دعوت دی کہ میں اگلے ہفتے اسے اور اس کے ہدیت کار ایس۔ یو۔ سنی سے ملاقات کروں..... نوشاد میاں اور محبوب خان دونوں ''شہید'' دیکھ چکے تھے.....

نوشاد میاں کے ساتھ میری ملاقات سنی کے چھوٹے سے دفتر میں ہوئی جہاں اس نے مجھے اختصار کے ساتھ ''میلہ'' کی کہانی سنائی..... اس نے مجھے یہ بھی بتایا کہ وہ ٹائیٹل گانا ریکارڈ کر چکے تھے جس کے ساتھ وہ شوٹنگ (عکس بندی) کا آغاز کرنا چاہتے تھے..... یہ میرے لئے کسی قدر نامعقول تھا کہ میں کہانی کی تفصیلات کے بارے میں سوالات کرتا لیکن میں نے سوچا کہ یہ ایک خطرہ ہو سکتا ہے کہ اگر میں کافی زیادہ چھان بین کیے بنا ہی فلم کو قبول کرتا ہوں.....

میں یہاں یہ تذکرہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ انتہائی آغاز سے ہی میرے کام کی چوائس اس معاوضے کی مرہون منت نہ تھی جو مجھے پیش کیا جاتا تھا..... یہ وہ کام تھا جو میں نے نیتن بوس اور دو یکا رانی سے سیکھا تھا جو میرے اولین اور بے حد متاثر کن معلم تھے..... ملن (1946) کی مارکیٹنگ کے دوران نیتن بوس کے ساتھ کام کرتے ہوئے..... میں نے سمجھ لیا تھا کہ ایک اداکار کے لئے یہ کس قدر ضروری تھا کہ وہ کردار کے اس قدر قریب ہو کہ اداکار کی شخصیت اور کردار کی تصوراتی شخصیت کے درمیان باریک لائن اس وقت فی الفور مٹ جائے جب آپ شوٹنگ (عکس بندی) میں مصروف ہوتے ہیں..... کردار کے قریب ہونے کے لئے یہ امر بے حد ضروری ہے کہ آپ کردار کی بابت ہر چیز جانتے ہوں اور اس کے ذہن اور جذبات کی بابت بھی جانتے ہوں.....

©جملہ حقوق بحق ادارہ اُردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

جبکہ میں ''ملن'' میں گہرائی کے ساتھ ملوث تھا..... ایک دن نیتندا نے مجھ سے پوچھا کیا میں نے سنجیدگی کے ساتھ ناول ''نوکا دوبی'' (بنگالی میں رابندر ناتھ کا تحریر کردہ) کا سنجیدگی کے ساتھ مطالعہ کیا تھا..... میں نے اسے بتایا کہ میں نے اس کا وہ ترجمہ پڑھا تھا جو مجھے دیا گیا تھا اور بے شک اسکرپٹ کا بھی مطالعہ کیا تھا جو بے حد مفصل تھا..... ہم اس سین (منظر) کی شوٹنگ (عکس بندی) کی تیاری کر رہے تھے جس میں وہ کردار جس کا نام رامیش تھا اس نے ساری رات ریل گاڑی کا سفر طے کیا تھا اور ورانا سی پہنچا تھا (اب اتر پردیش میں)..... جہاں اس نے اپنی ماں کی فانی باقیات (راکھ) گنگا میں بہانی تھیں ..... وہ اپنی ذمہ داری بھاری دل کے ساتھ نبھاتا ہے..... رات بھر کے سفر اور موسمی اثرات کی وجہ سے وہ تھکا ماندہ ہے..... نیتندا نے مجھ سے دریافت کیا کہ کیا میں نے رامیش کی ذہنی حالت کی بابت اور ریل کے سفر کے دوران اس کے احساس پر سوچ بچار کی تھی جب کہ وہ رات بھر اس برتن کو مضبوطی کے ساتھ تھامے بیٹھا رہا تھا تاکہ آخری باقیات اس میں سے گر کر ضائع نہ ہو جائیں..... نیتندا نے مجھ سے یہ بھی دریافت کیا کہ میں اس سین (منظر) پر بھی غور وخوص کروں..... رامیش کی بے چین اور بے قرار ذہنی حالت جیسا کہ وہ بیٹھا اس برتن کی جانب دیکھ رہا ہے اور اپنی ماں کو یاد کر رہا ہے جو اس کے ساتھ محبت بھرے لہجے میں باتیں کیا کرتی تھی اور اسے کھانا کھلاتی تھی اور صبح اسے جگا کر گرم چائے سے نوازتی تھی .....

''کیا تم تصور نہیں کرتے رامیش نے من ہی من میں سوچا ہوگا..... یہ میری ماں ہے جو راکھ میں تبدیل ہو چکی ہے..... میری ماں جو اس قدر نرم ہاتھوں اور اس قدر شفیق آنکھوں کی حامل تھی؟''

میں نے نیتندا کو بے تکلفی کے ساتھ بتایا کہ میں نے اس قدر گہرا تصور نہ کیا تھا کیونکہ اس قدر گہرائی اسکرپٹ میں موجود نہ تھی..... بے شک نیتندا سمجھ چکا تھا لیکن اس نے مجھے ایک گراں قدر درس دیا جو میں نے ذہن نشین کر لیا..... اس نے مجھے چار تا پانچ صفحات تحریر کرنے کے لئے کہا جس میں مجھے بطور رامیش دوران سفر اپنے احساسات کی وضاحت کرنا تھی..... میں نصف شب تک بیٹھا رہا اور لکھتا رہا اور دوبارہ لکھتا رہا حتیٰ کہ مجھ پر نیند کا غلبہ طاری ہو گیا..... اگلے دن بمبئی میں غور بندر میں ایک لوکیشن پر اس سین (منظر) کی شوٹ (عکس بندی) ہونا تھی..... اس سین کو فلمایا جانا تھا..... جب کیمرے نے رول کرنے کا آغاز کیا میں جذباتی انداز سے سین میں تھا اور تجربہ میرے لئے اور نیتندا کے لئے اطمینان بخش تھا.....

اس طرح نیتندا نے میری نوک پلک سنواری..... اس نے وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ ایک اچھا اسکرپٹ ہمیشہ ایک اداکار کا معاون ثابت ہوتا ہے اور وہ مؤثر انداز میں پرفام کر سکتا ہے لیکن اسکرپٹ سے ماورا ایسے میدان بھی ہوتے ہیں جس کی تحقیق اس اداکار نے سرانجام دینی ہوتی ہے جو مطلوبہ پرفارمینس سے بڑھ کر پرفارمینس دینے کا متمنی ہوتا ہے..... جب رابندر ناتھ نے یہ ناول تحریر کیا تھا تب اس کے وہم وگمان میں بھی نہ ہوگا کہ اس کی عمدہ ادبی تحریر ایک فیچر فلم کی بنیاد بنے گی..... لہٰذا یہ اب اسکرپٹ کے لکھاری کی ذمہ داری تھی کہ وہ تحریر کو ایک دوسری سطح پر لے جائے بطور ایک بصری تجربہ ہمراہ کرداروں کو زندہ کرتے ہوئے اور ان تمام تجربات کے ذریعے زندہ رہتے ہوئے جو اس کتاب میں بیان کئے گئے تھے.....

وہ اس امر سے متفق تھا کہ ایک اداکار کے لئے یہ ہرگز آسان کام نہ تھا کہ وہ اسکرپٹ سے ماورا ہو کر کام کرے لیکن یہ ناممکن بھی نہ تھا بشرطیکہ لکھاری..... اداکار اور ہدایت کار کے مابین اتحاد بخوبی

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

کام کرے.....

دویکا رانی نے مجھے جو کچھ بتایا تھا وہ بھی ایک سبق تھا جو میں نے ذہن نشین کرلیا تھا اور اس کا اطلاق میں نے اپنے کام پر کیا تھا اور کبھی کبھار میرے ہدایت کار حیران رہ جاتے تھے..... اس نے انکشاف کیا تھا کہ ایک ہدایت کار اس شوٹ سے مطمئن ہوسکتا ہے جو ایک اداکار دیتا ہے لیکن اداکار نے بذات خود اس امر پر غور کرنا ہوتا ہے کہ کیا اس نے حقیقت میں اپنی بہترین کارکردگی کا مظاہرہ کیا ہے..... اس نے مجھے مزید بتایا تھا کہ یہ ایک اداکار کا حق ہے کہ وہ سین کو دوبارہ فلمانے کے لئے درخواست کرے اگر وہ یہ محسوس کرتا ہے کہ وہ پہلے سے بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کرسکتا ہے.....

میں نے نہ صرف یہ سب کچھ ذہن نشین کرلیا تھا اور اپنے کام کے حوالے سے اس پر عمل بھی کرتا رہتا تھا بلکہ میں اپنے شریک اداکاروں کی خواہشات کا بھی احترام کرتا تھا جب وہ سین کو دوبارہ فلمانے کی خواہش کا اظہار کرتے تھے..... دیوکا رانی نے مجھے اور تمام اداکاروں کو مشورہ دیا تھا جن کی وہ بمبئی ٹاکیز میں تقرری کرتی تھی کہ اس وقت تک ریہرسل کرنا ضروری تھا حتیٰ کہ پرفارم کرنے کی اہلیت کی سطح حاصل نہ کرلی جائے..... آغاز کے برسوں کے دوران..... میرے لئے ریہرسل کرنا ایک ضرورت تھی..... لیکن مابعد آنے والے برسوں کے دوران..... اس کا مشورہ میرے ذہن میں موجود رہا اور میں اسے اس وقت بروئے کار لاتا تھا جب میں نے کارکردگی کی وہ سطح حاصل کرنا ہوتی تھی جس کا تصور میں نے اپنے ذہن میں کیا ہوتا تھا..... درحقیقت میں اس امر سے آشنا ہوں کہ میں بار بار ریہرسل کرنے کے حوالے سے جانا پہچانا جاتا ہوں جو میں کرتا ہوں اگرچہ بظاہر وہ سین ایک سادہ سین ہی کیوں نہ دکھائی دیتا ہو.....

www.UrduPoint.com

آیئے میں آپ کو ایک مثال پیش کرتا ہوں..... نیتن بوس کی دیدار (1951ء) میں ایک صورت حال تھی..... جس کے تحت اشوک بھیا اور مجھے لائنیں بولنی تھیں اور ان کی لائنوں کے لئے اشارہ میری لائنوں سے لیا جانا تھا..... اپنی ریہرسل کے دوران ہم نے باہمی فیصلہ کیا تھا کہ میرے ڈائیلاگ (مکالمے) میں لفظ ''ملائم'' (مطلب نرم) ان کا اشارہ ہوگا اور وہ اپنا چہرہ میری جانب موڑیں گے..... بمبئی ٹاکیز سے متعلق رہنے کے حوالے سے..... اشوک بھیا بھی ریہرسل کرنے کے اس قدر دیوانے تھے جس قدر میں بذات خود دیوانہ تھا اور اس لئے ہم پہلے ہی تقریباً آٹھ یا دس مرتبہ ریہرسل کرچکے تھے..... ہدایت کار نے ہمیں بتایا کہ عکس بندی کے لئے تیار ہوجائیں اور ایکشن کے لئے پکارا..... جب میں نے اپنا ڈائیلاگ (مکالمہ) بولا..... غلطی سے میں نے اپنا لفظ ''ملائم'' کو ''نرم'' کے ساتھ بدل دیا اور اشوک بھیا پٹڑی سے اتر گئے..... میں نہیں جانتا اس دن میرے ساتھ کیا گڑبڑ ہوئی تھی..... ہدایت کار نے پکارا..... ''کٹ'' اور مجھے آپ کو بتانے کی ضرورت نہیں کہ اس کے بعد کیا ہوا..... اگرچہ کسی نے مزاج کی برہمی کا اظہار نہ کیا..... اشوک بھیا نے مجھ سے کہا:.....

''ٹھیک ہے..... اب ہم ''نرم'' کے ساتھ ہی چمٹ جائیں گے۔''

©جملہ حقوق بحق ادارہ اُردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔

(C)-www.UrduPoint.com itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

فلمی زندگی بمقابلہ حقیقی زندگی

(REEL LIFE VERSUS REAL LIFE)

''کے۔آصف اس وقت اس کے لئے (مدھوبالا) صورت حال کو سنبھالا دینے کی سرتوڑ کوشش کررہا تھا جب ہمارے درمیان تعلقات میں بگاڑ پیدا ہونے کا آغاز ہوا تھا..... مجوزہ شادی کو ایک کاروباری قسمت آزمائی بنانے پر اس کے باپ کی کوشش کا شکریہ..... نتیجہ یہ تھا کہ ''مغل اعظم'' کی نصف پروڈکشن تک حتیٰ کہ ہم ایک دوسرے کے ساتھ بات بھی نہیں کررہے تھے..... کلاسیک سین ہمراہ پَر ہمارے ہونٹوں کے درمیان آتے ہوئے..... جس نے لاکھوں تصورات کو آگ لگادی..... اس وقت فلمایا گیا جب کہ ہم حتیٰ کہ ایک دوسرے کے ساتھ سلام دعا لینا بھی ترک کرچکے تھے۔''

''میلہ'' (1948ء میں نمائش کے لئے پیش کی گئی) کی جانب واپس آتے ہوئے..... مجھے ایس۔یو۔سنی کے ہمراہ گاڑی میں فلمستان کی جانب سفر کرتے ہوئے ہنوز یاد ہے..... ہم راستے میں کہانی زیر بحث لارہے تھے..... جب ہم اسٹوڈیو پہنچے اور اسٹیج کی جانب چلے..... ٹائیٹل گانا گایا جارہا تھا ..... میں نے ہدایت کار سے مجوزہ تصویر کشی کی جو وضاحت حاصل کی تھی وہ قطعی ہموار تھی..... میں نے صورت حال اور تصور کشی میں تبدیلیوں کی تجویز پیش کی..... جس کو ہدایت کار اور میوزک کمپوزر اور نوشاد میاں دونوں نے سراہا.....

''میلہ'' کی کہانی اس نوعیت کی حامل تھی کہ اس کے حوالے سے بھاگ وتی چرن ورما..... نارینڈر شرما..... گیان مکھرجی اور نابندو گوش جیسے لکھاریوں کے ساتھ محرک مباحثہ کیا جاسکتا تھا..... میں اس میں اداکاروں کے لئے گوشت کی عدم موجودگی محسوس کرنے کا اہل تھا اور میں نے محسوس کیا کہ اس پر ہدایت کار کی توجہ فی الفور مبذول کروانی چاہیے..... اس نے میرے ساتھ اتفاق کیا..... جو نہ صرف میرے لئے بے حد اچھا تھا بلکہ دیگر فن کاروں کے لئے بھی بے حد اچھا تھا..... ہم نے دماغ سوزی کے کچھ صحت مند اجلاس منعقد کئے..... جو کہانی میں منطق کے علاوہ گہرائی اور شدت شامل کرنے میں ہمارے معاون ثابت ہوئے..... ہم نے کرداروں کو مزید جذباتی حساسیت اور گہرائی عطا کرنے کا بھی بندوبست کیا.....

''میلہ'' ہنوز ماضی کی کچھ یادوں کو تازہ کرتی ہے اور مجھے انہیں لازماً شیئر کرنا چاہیے..... سب سے بڑھ کر یہ کہ..... یہ اولین فلم تھی جو آغا جی نے ایک سینما گھر میں دیکھی تھی کیونکہ نوشاد میاں نے انہیں اسے دیکھنے کی ترغیب دلائی تھی..... وہ چاچا عمر اور اپنے ایک دوست کے ہمراہ اس فلم کا پہلا شو دیکھنے کے لئے گئے تھے..... وہ پالی مالا میں ہمارے نئے گھر کے سامنے والے کمرے میں براجمان تھے جب کہ میں اس دن کسی قدر جلد گھر واپس آگیا تھا کیونکہ میں نے کچھ نئی ادویات خریدنا تھیں جو ڈاکٹر نے میری ماں کے لئے تجویز کی تھیں اور کسی نہ کسی طرح انہیں وہ مکسچر بھی پلانا تھا جسے وہ ناپسند کرتی تھیں..... میں نے انہیں ہمیشہ کی طرح سلام کیا اور انہوں نے مجھے اپنے پاس بیٹھنے کے لئے کہا..... چاچا عمر پہلے ہی ان کے قریب بیٹھے تھے اور ان کے چہرے پر شرارت بھری مسکراہٹ سجی ہوئی تھی..... لہٰذا میں حیران تھا کہ کیا ہونے جارہا تھا..... تب چاچا عمر نے اس بھید کا پردہ چاک کیا..... انہوں نے انکشاف کیا کہ وہ سینما گھر گئے تھے اور ''میلہ'' دیکھی تھی اور یہ انکشاف تھا کہ بہت سے لوگوں نے حقیقت میں داخلہ ٹکٹ خریدا تھا اور

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

ہال لوگوں سے بھرا ہوا تھا..... انہوں نے بتایا کہ یہ ایک بے حد لطف اندوز ہونے والا تجربہ تھا اور یہ ناقابل یقین تھا کہ میں عین وہاں اسکرین پر موجود تھا اور بے حد مختلف رویے اور بات چیت کرنے کا اظہار کر رہا تھا اور میں حیران تھا کہ اب اس کا شرمیلا پن کہاں گیا تھا جس کا اظہار وہ جنس مخالف کے ساتھ بات چیت کرنے کے حوالے سے کرتا تھا..... اب انہوں نے انتظار کیا کہ آغا جی بھی گفتگو میں حصہ لیں ..... آغا جی نے میری جانب دیکھا اور ان کی وضاحتی آنکھوں نے کسی چیز کے لئے تشویش کا اظہار کیا جو ان کے ذہن میں چل رہی تھی..... تب انہوں نے کہا:.....

''دیکھو اگر تم حقیقت میں اس لڑکی کے ساتھ شادی کرنا چاہتے ہو..... میں اس کے والدین سے بات کر سکتا ہوں ..... مجھے محض یہ بتا دو کہ وہ لڑکی کون ہے ..... تمہیں اس قدر ناخوش ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔''

ایک لمحے کے لئے میں یہ سمجھنے میں ناکام رہا کہ وہ دونوں کیا بات کر رہے تھے..... تب مجھ پر یہ بھید کھلا کہ وہ نرگس کی بابت بات کر رہے تھے (واضح رہے کہ نرگس نے بطور فاطمہ رشید یکم جون 1929ء کو جنم لیا تھا)..... وہ ''میلہ'' کی ہیروئن تھی..... وہ کہانی اور پرفارمینس کے زیر نظر ایسی بات کر رہے تھے..... میں سمجھتا تھا کہ انہوں نے چونکہ پہلی مرتبہ ایک فیچر فلم دیکھی تھی اس لئے وہ اسے حقیقت تصور کر رہے تھے..... میں اپنی ہنسی نہ روک سکا لیکن اس کے ساتھ ساتھ مجھے فوری طور پر اس تأثر کو دور کرنا تھا اور مجھے خدشہ تھا کہ کہیں آغا جی اور چاچا عمر نرگس کی تلاش میں ہی نہ نکل کھڑے ہوں اور مجھے ایک ہراساں کرنے والی صورت حال سے دوچار نہ کر دیں.....

دوم ..... فلم اس لئے ایک یادگار فلم تھی کہ اس فلم کی وساطت سے نوشاد میاں اور میرے درمیان میرے اور نرگس کے درمیان ایک پائیدار دوستی کا آغاز ہوا تھا..... نرگس کے ساتھ میری دوستی کا یہ عالم تھا جیسے یہ ایک ہی جنس کے حامل دو افراد کے درمیان دوستی تھی کیونکہ وہ مردوں کے درمیان ہونے والی بات چیت میں شریک ہونے سے ہچکچاتی نہ تھی..... اس کی ماں ..... جدن بھائی ..... اماں اور میری بڑی بہن کی دوست بن چکی تھی اور اس کی وجہ ہمارے گھر میں اس کا بکثرت آنا جانا تھی اور بعد میں آغا جی کے علم میں یہ بات آئی کہ نرگس ایک اداکارہ تھی جو اداکاری کے دوران میرے ساتھ جذباتی سین کرتی تھی اور ہمارے درمیان دوستی کے علاوہ کوئی اور تعلق نہ تھا.....

اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ نرگس ایک بے حد اہل اداکارہ تھی جس میں ہر فلم کے ساتھ بہتری آ رہی تھی..... میں بخوبی اندازہ کر سکتا تھا کہ اس وقت اس میں بے تحاشہ بہتری آ چکی تھی جب ہم محبوب خان کی ''انداز'' (1949ء) میں کام کرنے کیلئے منتخب کئے گئے تھے..... ''انداز'' میں کام کرنا ایک پرمسرت تجربہ تھا کیونکہ راج کپور بھی اس فلم میں موجود تھا اور ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے خالصہ کالج کا زمانہ واپس آ چکا تھا جب ہم فٹ بال کھیلا کرتے تھے..... وہ دھوپ میں کھڑا ہوتا تھا اور دھوپ کی تمازت سے اس کا چہرہ سرخ ہو رہا ہوتا تھا اور وہ اس وقت پنجابی میں چلاتا تھا جب میں اپنی ٹیم کیلئے گول کرتا تھا.....

راج اور نرگس اس انداز سے کام کرتے تھے جو ان کے سین کے لئے ایک اچھی مساوات بناتا تھا اور نرگس کے ساتھ کام کرنے کا میرا انداز بھی ایک اچھی مساوات کا حامل تھا.....

مثال کے طور پر..... اشوک بھیا اور نالینی جے ونت اس درجہ حرارت کی تعمیر کرنے کے اہل تھے اور اس کی ممکنہ وجہ یہ تھی کہ وہ ایک دوسرے کو بخوبی جانتے تھے..... نرگس اور راج وہ احساسات اجاگر کرتے تھے جن کا مطالبہ ان سے کیا جاتا تھا اور اس کے نتیجے میں وہ آسانی کے ساتھ اپنے سین کرتے تھے

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

.....میں اس آسانی کے حصول میں مدھوبالا کے ساتھ ''ترانہ'' (1951ء) میں کامیاب ہوا..... جو کئی وجوہات کی بنا پر میرے کیرئر کے ابتدائی برسوں کی یادگار فلموں میں سے ایک رہی ہے.....وہ بے ساختہ اپنے ردعمل کا اظہار کرتی تھی.....وہ ایک ایسی اداکارہ تھی جو اسکرپٹ کے مطالبے پر پورا اترتی تھی.....

میں محبوب صاحب کے ساتھ آرام دہ محسوس کرتا تھا.....کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے ساتھ کوئی بھی آرام دہ اور پرسکون محسوس کرنے کا آغاز کرتا ہے جیسے کہ وہ انہیں مدتوں سے جانتا ہے..... محبوب صاحب کے ساتھ روز اول سے ہی میں اسی طرح آرام دہ اور پرسکون محسوس کرتا تھا.....انہوں نے مجھے یہ آزادی فراہم کر رکھی تھی کہ میں ان کے ساتھ برملا بات کر سکتا تھا کہ میں کس طرح ایک سین کو پرفارم کرنا چاہتا تھا اور وہ مجھے اس امر کی اجازت فراہم کرتے تھے کہ میں انہیں وہ سین کر کے دکھاؤں جس طرح میں اسے کرنا چاہتا تھا قبل اس کے کہ وہ مجھے بتاتے کہ ان کے ذہن میں اس بابت کیا تصور تھا .....وہ صحت مند بحث مباحثے کو پسند کرتے تھے اور اس امر پر یقین رکھتے تھے کہ بحث مباحثے کے بعد جو نتیجہ منظر عام پر آتا تھا وہی کارگر ثابت ہوتا تھا اور وہ ایک ٹیم ورک میں اس بحث کو لاحاصل تصور کرتے تھے کہ فلاں آئیڈیا کس کا تھا.....

ہم محبوب صاحب کے گھر اپنے اجلاس منعقد کیا کرتے تھے یا پھر نوشاد میاں کے گھر میں اپنے اجلاس منعقد کرتے تھے اور ایسے ہی ایک اجلاس میں (میرا خیال ہے 1950ء کی دہائی کے آغاز میں) میں نے یہ آغاز کیا کہ میں مزاحیہ اداکاری کرنے کا ارادہ رکھتا تھا کیونکہ ایسا کرنے کا مشورہ مجھے ڈاکٹر ڈبلیو۔ ڈی۔ نکولس نے دیا تھا جس کا میرے ساتھ تعارف ڈیم مارگریٹ رتھر فورڈ اور ڈیم سیبل تھورن ڈائیک نے کروایا تھا جس کے ساتھ میں نے طویل بحث کی تھی جب لندن میں ایک ڈرامہ کوچ کے ذریعے میری ان کے ساتھ ملاقات ہوئی تھی.....

www.UrduPoint.com

ڈاکٹر نکولس نے خصوصی مہربانی کرتے ہوئے اس وقت میرے ساتھ پورا ایک گھنٹہ گزارا جب میں اس سے ملاقات کرنے گیا تھا.....میں نے مصروف ماہر نفسیات کے ساتھ اپنے خدشات شیئر کئے اور اس نے یہ کہتے ہوئے مجھے تسلی دی کہ اس حوالے سے فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی کیونکہ اس کے بہت سے مریض جو اداکاری کے پیشے سے منسلک تھے اس کے یہی خدشات لے کر آتے تھے اور وہ انہیں وہی کچھ بتاتا تھا جو کچھ وہ مجھے بتانے جا رہا تھا.....اس نے مجھے مشورہ دیا کہ میں ان فلموں کی صنف میں فی الفور تبدیلی کروں جو میں کر رہا تھا.....اس نے وضاحت کرتے ہوئے مجھے بتایا کہ بہت سے اداکار جو بار بار ایک ہی قسم کی فلموں میں کام کرتے تھے وہ اس دوہری زندگی پر قابو پانے میں ناکام رہتے تھے جو وہ گزار رہے تھے.....کبھی کبھار غیر حقیقی بلکہ اکثر اوقات غیر حقیقی کا غلبہ اس قدر بڑھ جاتا ہے کہ حقیقی اس میں مدغم ہونے سے بچنے کا مطالبہ کرتا ہے.....

ڈاکٹر نکولس نے کہا کہ اسے یقین تھا کہ میں اپنے تحت الشعور میں اپنا کام گھر لے جاتا تھا اور اپنے ذہن میں بولی گئی لائنوں اور سینوں (SCENES) کی جانب بار بار رجوع کرتا تھا تاکہ اس کام پر نظر ثانی کر سکوں جو میں نے دن بھر کے دوران کیا تھا.....اپنی حالت کے حوالے سے اس کی عین درست تشخیص پر میں حیران رہ گیا.....اس نے بے حد سنجیدگی کے ساتھ مزید کہا:.....

©جملہ حقوق بحق ادارہ اُردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔

(C)-www.UrduPoint.com itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

''میرے عزیز نوجوان..... تم اکیلے اس بحران کا شکار نہیں ہو..... یہ ویسی ہی حالت ہے جس کا شکار وہ طالب علم ہوتا ہے جو اپنے آپ کو برتری دلانے کے لئے کوشاں ہوتا ہے۔''

اس مسئلے کا واحد حل یہ ہے کہ اپنے کام میں ورائٹی متعارف کرواؤ..... زیادہ سے زیادہ وقت اپنے ایسے دوستوں کے ساتھ گزارو جن کی صحبت میں تم خوشی محسوس کرتے ہو.....

میں سمجھ گیا کہ اس کی مراد کیا تھی..... درحقیقت میں اس کام میں اس قدر ملوث ہو گیا تھا جو میں کر رہا تھا کہ میں غیر ارادی طور پر اپنے بہن بھائیوں سے دور ہو گیا تھا..... میں ہر رات گھر واپس آنے پر ان کے ساتھ محض مختصر سی ملاقات کرتا تھا اور میں نے فٹ بال کھیلنا بھی تقریباً ترک کر دیا تھا اور کرکٹ کے کھیل کو بھی خیر باد کہہ دیا تھا..... یہ دونوں کھیل میں اکثر اپنے دوستوں کے ساتھ کھیلا کرتا تھا لیکن اب ان دونوں کھیلوں سے تقریباً کنارہ کشی اختیار کر چکا تھا.....

ایسا ہرگز نہ تھا کہ میں یہ محسوس نہ کرتا تھا کہ میں جو کچھ فلموں میں کر رہا تھا وہ غیر حقیقی تھا اور ڈرامائی انداز میری حقیقی زندگی کے برعکس تھا اور میری حقیقی ذات کے بھی برعکس تھا..... لیکن صورت حال ایسی تھی کہ لوگ میرے پاس آتے تھے اور کچھ المیہ مناظر کی بابت بات کرتے تھے جو میں نے انہیں قائل کرنے کی حد تک کئے ہوتے تھے یا کسی ایسی فلم کی بابت بات کرتے تھے جس کی کشش میں مبتلا ہو کر انہوں نے اسے بار بار دیکھا ہوتا تھا کیونکہ اس میں موت کا سین (منظر) خوبصورت انداز میں پرفارم کیا گیا تھا اور میں اس کی بابت سوچنے پر مجبور ہو جاتا تھا اگرچہ میں ایسا کرنا نہ چاہتا تھا..... تعریف سننا بہت اچھا محسوس ہوتا ہے..... بالخصوص ایسے مرحلے پر جب کوئی بطور ایک اداکار ارتقا کی منازل طے کر رہا ہوتا ہے لیکن اس کے تباہ کن اثرات مرتب ہوئے تھے.....

میری عمر بمشکل بیس برس یا اس سے کچھ زائد تھی اور میں المیہ کام کر رہا تھا..... مثال کے طور پر مغربی سینما کے معروف اور ممتاز المیہ کام کرنے والے اداکار سر جان گیل گڈ نے بھی اس عمر میں المیہ کردار ادا نہ کئے تھے..... اس وقت اس کی عمر تیس برس تھی جب اس نے المیہ کردار سرانجام دیے تھے.....

میں نے تفصیلی بات کی اور مجھے ہنوز یاد ہے کہ محبوب صاحب اور نوشاد صاحب دونوں نے مجھے گھور کر دیکھا..... وہ میرے گومگو کے معاملے کو سمجھنے سے قاصر تھے اور میری اس ضرورت کو بھی سمجھنے سے قاصر تھے کہ میں ان کی شرف قبولیت کا طلب گار تھا..... وہ تصور کرتے تھے کہ میں پاگل تھا جو انگلستان میں ماہر نفسیات سے مشاورت کرتا پھرتا تھا..... انہوں نے دیگر اداکاروں کے نام لئے جو ایک ہی قسم کی فلموں میں کام کر رہے تھے اور کسی قسم کے مسئلے کا ہرگز شکار نہ تھے..... میں مایوسی کے عالم میں گھر واپس چلا آیا.....

اگلے دن میں ایس۔ مکھر جی صاحب سے ملاقات کرنے کے لیے گیا اور میں نے انہیں بتایا کہ میں نے ایک تامل فلم دیکھی تھی جس کے دیکھنے کا اہتمام مدراس (اب چنائی) کے پروڈیوسر نے میرے لئے کیا تھا..... پروڈیوسر سری رامولو یندوا سے ہندی میں بنانا چاہتے تھے اور اگر میں اس فلم کو کرتا ہوں تو یہ میرے لئے ایک مکمل تبدیلی کا پیش خیمہ ہو سکتی ہے..... کے۔ آصف (1960ء کی ''مغل اعظم'' کے ہدایت کار) بھی اتفاقیہ وہاں پر موجود تھے جب میں مکھر جی صاحب سے بات کر رہا تھا..... وہ مسکرا رہے تھے..... انہوں نے کہا ''کر کے دکھائے''..... مکھر جی اس فیصلے کے حوالے سے دوسری سوچ کے حامل نہ تھے جو میں کرنے جا رہا تھا..... انہوں نے کہا:.....

''آگے بڑھو اور اسے کرو..... ایک اداکار کا کام اداکاری کرنا ہے اور اسے اس سے کوئی فرق

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

نہیں پڑتا خواہ وہ المیہ اداکاری کر رہا ہے یا مزاحیہ اداکاری کر رہا ہے..... جو کچھ دیکھا جاتا ہے وہ اداکار کی اہلیت ہے۔"

میں اعتماد کے احساسات لئے گھر واپس آ گیا..... میں جانتا تھا کہ مزاحیہ اداکاری کے لئے ایک خصوصی مہارت درکار تھی..... بنیادی طور پر میرا خدشہ یہ تھا کہ کیا میں اس مطلوبہ مہارت کا حامل تھا .....اب یہ ایک چیلنج تھا اور مجھے جرأت کا مظاہرہ کرنا تھا.....

"آزاد" (1955ء میں نمائش کے لئے پیش کی گئی)..... یہ فلم کئی لحاظ سے.....اولین فلم تھی جس نے مجھے وہ اعتماد بخشا جس کی مجھے ضرورت تھی اور میں اپنی کامیابی کے احساس سے بھی دوچار ہوا .....جس روز یہ فلم نمائش کے لئے پیش کی گئی اس دن میں مہابلیشور (مہاراشٹر میں ایک پہاڑی مقام) میں تھا..... میں جان بوجھ کر گھر سے اور بمبئی میں اپنے دوستوں سے دور قیام پذیر تھا.....

مجھے وی۔ وی۔ پُری صاحب نے جگایا..... اس وقت نصف شب گزر چکی تھی اور وہ مجھے دہلی سے فون کر رہے تھے اور یہ خوش خبری سنا رہے تھے کہ میری فلم ہٹ ہو چکی تھی ..... ہم ایک دوسرے کو مبارکباد دیتے رہے حتیٰ کہ ہم نے کسی قدر گہری نیند سونے کی ضرورت محسوس کی.....

اگلی صبح سری راملو یندو کے فون نے مجھے صبح سویرے جگا دیا..... میں اس سے بے حد خوش تھا کیونکہ اسے مجھ پر اس قدر اعتماد تھا کہ اس نے مجھے قطعی آزادی دے رکھی تھی کہ اسکرپٹ اور اسکرین پلے تفریحی بنانے کے لئے جو آئیڈیاز چاہوں اس میں شامل کر سکتا تھا.....

مینا کماری کے ساتھ کام کرنے کا تجربہ بھی ایک خوشگوار تجربہ تھا..... اس فلم نے اس پر چسپاں سنجیدہ اداکار کا لیبل اتار دیا تھا..... "بجو باورا" (1952ء) اور "پری نیتا" (1953ء) نے اس پر یہ لیبل چسپاں کیا تھا..... وہ یونٹ کے ہر رکن کے ساتھ تعاون کرتی تھی.....

یہ شوٹنگ کا اولین دن تھا..... نیدو بے حد خوش تھا..... پروڈکشن کے آغاز پر اس کی خوشی دیدنی تھی..... وہ اس قدر پرجوش اور خوش تھا کہ اس نے مدراس کے ایک گھر میں دوپہر کے کھانے کی میزبانی کا شرف حاصل کرنے پر اصرار کیا..... یہ گھر ایک دولت مند کاروباری شخص کا تھا..... وہ جنوبی فلم انڈسٹری کے ان تمام تر معروف لوگوں کے ساتھ میرا تعارف کروانا چاہتا تھا جن کو وہ جانتا تھا..... جیسا کہ جنوب میں ضیافت کے مواقع پر رواج تھا..... مہمانوں کو کھانا کھانے کیلئے پتوں پر پیش کیا گیا..... یہ پہلا موقع تھا کہ مجھے ایک مخصوص انڈین کھانا پیش کیا جا رہا تھا جو چار قسطوں میں پیش کیا گیا اور یکے بعد دیگرے تین مختلف اقسام کی شیرینی بھی پیش کی گئی..... سبزیوں کی تمام تر سیریز پتے پر پیش کی گئی اور اس کی ترتیب ایسی تھی جو مقررہ اور ناقابل تبدیل دکھائی دیتی تھی..... پتے کے درمیان میں چاولوں کا ایک ڈھیر پیش کیا گیا تھا اور اس میں سم بہار (ایک قسم کا بروتھ) شامل کیا گیا تھا..... میں ایک شریف آدمی کے ساتھ براجمان تھا جس کے چہرے پر مسکراہٹ سجی تھی اور اس نے مجھے تفصیل کے ساتھ بتایا کہ تامل میں سبزی کے ہر ایک پکوان کو کیا کہا جاتا تھا اور میں نے کیسے ایک پکوان سے دوسرے پکوان کی جانب پیش قدمی کرنا تھی تاکہ درست مجموعہ حاصل کر سکوں..... میں نے وہی کچھ کیا جو کچھ کرنے کی اس نے مجھے ہدایت کی تھی کیونکہ میں اسے اور میزبان کو مایوس نہ کرنا چاہتا تھا..... یعنی نیدو کو مایوس نہ کرنا چاہتا تھا جو میرے بالمقابل براجمان تھا اور کسی کے ساتھ گفتگو میں مصروف تھا جسے وہ بخوبی جاننے والا دکھائی دیتا تھا.....

سب اچھا تھا اور ٹھیک ٹھاک جا رہا تھا حتیٰ کہ "راسم" ..... جو پتلے سوپ جیسا تھا..... ایک پلی (بڑا چمچہ) میں آیا اور جو شخص اسے پیش کر رہا تھا وہ مضطرب انداز میں میرے سر پر کھڑا تھا اور پُرتجسس

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

مسکراہٹ بکھیر رہا تھا..... میں حیران اور پریشان تھا..... میں نے دیکھا کہ میرے برابر والی نشست پر میرا جو ساتھی بیٹھا تھا اس نے اپنی ہتھیلی کو کپ کی شکل دیتے ہوئے اس میں ''راسم'' لیا اور بڑے مزے کے ساتھ اسے نگل لیا..... مجھے یقین تھا کہ میں ایسا نہ کر سکتا تھا.....

وہ شخص میرے سر پر کھڑا اس انتظار میں مصروف تھا کہ میں اپنی ہتھیلی کو کپ کی شکل میں ڈھال کر اس ترغیب دلانے والی مائع کی ایک پلی اس میں لوں..... میرے ذہن میں اچانک ایک آئیڈیا آیا ..... میں نے چاولوں کے ڈھیر میں ایک چھوٹا سا کنواں (گڑھا) بنایا..... اس کے اردگرد ایک ڈیم بنایا تاکہ مائع باہر نہ بہہ سکے اور اس شخص سے کہا کہ وہ مائع اس میں انڈیل دے..... اس نے مسکراتے ہوئے مائع اس میں انڈیل دی اور میں نے بھی اس کی جانب ایک واپسی مسکراہٹ اچھالی..... میں اپنے آپ میں خوش تھا کہ میں نے بڑے فنکارانہ انداز میں اس صورت حال سے خلاصی پائی تھی اور اب میں جلدی جلدی اپنا کھانا ختم کرنے لگا تھا..... تاہم..... حقیقی امتحان ابھی باقی تھا.....

کھانا تناول کرنے کے بعد..... ہم ڈرائنگ روم میں چلے آئے جہاں پر نفیس صوفے مہمانوں کے انتظار میں تھے کہ وہ ان پر آرام و سکون کے ساتھ براجمان ہو جائیں..... وہ سب لوگ تامل زبان میں اونچی اونچی گفتگو کر رہے تھے اور میں نے یہی اندازہ لگایا کہ وہ سب کے سب یہ معاملہ زیر بحث لا رہے تھے کہ نیدو نے پاگل پن کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہندی میں فلم بنانے کا سوچا تھا اور وہ اپنی اس سوچ میں ناکامی سے ہمکنار ہوگا..... نیدو کا واحد حمایتی ایل۔ وی پرساد تھا (جنوب کا ایک معروف پروڈیوسر۔ ڈائریکٹر) جو حوصلہ افزا انداز میں بات کرتا اور اپنا سر ہلاتا رہا..... تمام مہمان مجھ پر مہربان تھے اور میرے ساتھ نفیس برتاؤ کر رہے تھے.....

دوپہر کا نقطہ عروج اس وقت آن پہنچا جب ایک بڑا چاندی کا پیالہ آن پہنچا جسے ایک پلیٹ کے اوپر رکھا تھا اور جس میں نیم گاڑھی مائع موجود تھی..... خانساماں جو اس پیالے کو ڈرائنگ روم میں لایا تھا وہ ایک مہمان سے دوسرے مہمان تک گیا اور میں نے دیکھا ان میں سے ہر ایک نے ایک چمچ پر برابر مائع لی اور اسے پیٹ پر ملا..... اپنی شرٹ اوپر اٹھاتے ہوئے اور مابعد شرٹ دوبارہ اس طور نیچے کر لی جیسے پیٹ پر کچھ بھی موجود نہ تھا..... مجھے صندل کی لکڑی کی خوشبو آ رہی تھی..... لہٰذا میں سمجھ گیا کہ یہ صندل کی پیسٹ کے علاوہ کچھ نہ تھا.....

©جملہ حقوق بحق ادارہ اُردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

جب پیالہ میرے پاس آیا تب میں نے کوئی سوال نہ کیا..... میں نے اس میں سے ایک چمچ برابر مائع لی اور اپنے بالوں سے بھرے ہوئے پیٹ پر مل لیا اور اسے فراموش کر دینے کا فیصلہ کیا..... لیکن یقین جانیں اسے فراموش کرنا میرے لئے آسان نہ تھا..... اس پیسٹ نے سوکھنا شروع کیا اور میرے پیٹ کے بال تن گئے تھے اور میرے لئے تکلیف دہ بن گئے تھے..... میں نے اپنے پیٹ پر سینکڑوں پنیں چبھتی ہوئی محسوس کیں اور میں سخت بے چینی محسوس کر رہا تھا..... اس قسم کی صورت حال میں کوئی کیا کرتا ہے..... میں نے معذرت کرتے ہوئے واش روم کی راہ لی..... میں نے دروازہ بند کر لیا اور اپنی شرٹ اور بنیان اتار دی..... میں نے بنیان کو پانی میں بھگویا اور اس کے ساتھ خشک پیسٹ کو صاف کیا..... ٹھنڈے پانی کے احساس سے مجھے کافی زیادہ سکون محسوس ہوا..... میں نے اس بڑے سے واش روم کے عقب میں ایک کھڑکی دیکھی جو ایک باغ میں کھلتی تھی..... میں نے بنیان اس کھڑکی سے باہر پھینک دی اور اپنی شرٹ پہن کر فاتحانہ انداز میں ڈرائنگ روم میں واپس آ گیا..... وہاں موجود کسی بھی مہمان نے بظاہر میری غیر حاضری محسوس نہ کی اور کسی کو میری اس حرکت کا علم نہ ہو سکا..... اگلے روز یقیناً مالی جھاڑی کے نیچے بنیان دیکھ کر ضرور حیران ہوا ہوگا اور وہ اسے کسی کی شرارت سمجھ کر نظر انداز کر دے گا.....

میں نے اس بارے میں نیدو کو بتانے کی ضرورت محسوس نہ کی..... اس کے بعد میں روایتی دوپہر کے کھانوں اور رات کے کھانوں سے بچنے کی کوشش کرتا رہا اور نیدو کا خیال تھا کہ غالباً یہ زبان کا مسئلہ تھا جس کی وجہ سے میں اس قسم کی سماجی کارگزاریوں میں شرکت سے دور ہی رہتا تھا..... جب کہ حقیقت اس کے برعکس تھی میں نے تامل زبان سیکھنے میں دلچسپی لینی شروع کی اور اسے اس طرح تیزی کے ساتھ سیکھنے لگا جیسے میں نے اشوک بھیا اور ایس۔ مکھر جی صاحب سے بنگالی زبان سیکھی تھی..... اس کے علاوہ..... تمام حیران کن لوگ جنہیں میں جنوبی سینما دارالحکومت میں جاننے لگا تھا وہ سب کے سب روانی کے ساتھ انگریزی زبان بولنے کے اہل تھے..... ہم وہ موضوع اس وقت زیر بحث لائیں گے جب میں آپ کو اپنے جنوب کے تجربات کی داستان سناؤں گا.....

میں نے ''شبنم'' (1949ء) کی کامیابی کے بعد اپنی اولین گاڑی خریدی تھی..... ''آزاد'' کی کامیابی نے مجھے کامیابی کا حقیقی شعور بخشا تھا..... اور میں اس شہر میں اپنی ذاتی رہائش کا حامل بننے کی بابت سوچنے لگا تھا جس کی میرے دل میں بطور آبائی سرزمین خصوصی جگہ تھی..... اور اپنی جائے پیدائش..... پشاور کے ساتھ میرے جذباتی وابستگی تھی جو شمال مغربی صوبہ سرحد میں واقع تھا.....

یہ میری دلی خواہش رہی تھی کہ اماں کو ایک ایسے گھر میں رہنے کا تحفظ اور آرام فراہم کروں جسے وہ اپنا کہہ سکیں اور یہ خواہش اس وقت میرے دل میں موجزن تھی جب وہ حیات تھیں۔۔ اُنکی صحت گرتی جا رہی تھی اور وہ گھر کا نظام چلانے کے قابل نہ رہی تھیں لہٰذا گھر کا انتظام سکینہ آپا نے خوشی خوشی سنبھال لیا تھا۔۔ جیسا کہ پہلے ہی تذکرہ کیا جا چکا ہے کہ مزاج اور رویے کے حوالے سے سکینہ آپا میری دادی کی مانند تھی جن کی ہٹلر جیسی آمریت ہمارے پشاور والے گھر اور گھرانے پر مسلط تھی۔۔ میری بہن نے یہ رویہ اپنی دادی سے دیکھا تھا لیکن میں حیران تھا اور یہ منطقی سوال میرے ذہن میں گردش کر رہا تھا۔

''انہوں نے اماں کا شریف النفس اور مہربان رویہ کیوں نہ سیکھا تھا؟''

میرا خیال ہے کچھ سوالات کا جواب نہ دینا ہی بہتر ہوتا ہے اور ان کا جواب تلاش کئے بنا ہی انہیں چھوڑ دینا چاہیے.....

یادداشتوں کو دماغ سے کھرچنا یا مٹانا مشکل ہوتا ہے..... اکثر میں جب کمرے میں تنہا ہوتا

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

تھا میں یاد کرتا رہتا تھا کہ اکثر شاموں کو کیسے..... میں دن بھر کے تھکا جانے والے کام سے واپس آتا تھا اور اماں کو اپنے دمے کی کھانسی اور سانس لینے کے متاثرہ عمل کے ساتھ جدوجہد کرتے ہوئے پاتا تھا..... وہ ایوب صاحب کی بگڑتی ہوئی صحت کے حوالے سے بہت زیادہ تشویش کا شکار رہتی تھیں..... وہ جانتی تھیں ایوب صاحب میرے دیگر بھائیوں سے بڑھ کر میرے قریب تھے..... لہٰذا وہ مجھ سے ایوب صاحب کے پھیپھڑے کی کارکردگی کے حوالے سے تجسس آمیز سوالات پوچھنے میں کبھی ناکام نہ رہتی تھیں..... وہ جب گھوڑے سے گرے تھے اس وقت ان کا پھیپھڑا متاثر ہوا تھا..... میں جانتا تھا ان کی وفات کے بعد وہ انہیں کس قدر یاد کرتی تھیں.....

میں کبھی فراموش نہ کرسکا کہ اماں کیسے اس وقت میری جانب دیکھا کرتی تھی جب میں غسل کرنے اور لباس وغیرہ تبدیل کرنے کے بعد تیار ہو کر اُنکے کمرے میں آتا تھا..... وہ اپنی خوبصورت آنکھوں کیساتھ دیکھتی تھیں اور میں ان کے بستر پر اپنی معمول کی جگہ پر اس انداز سے بیٹھ جایا کرتا تھا کہ وہ اپنا سر میرے سینے کیساتھ ٹکا سکیں جبکہ میں ان کے ساتھ تسلی آمیز باتیں کرتا تھا..... جب وہ سانس کی آمدورفت بحال رکھنے کی جدوجہد کی بدولت تھک جاتی تھیں تب میں ان کی پسلیوں کو مل کر انہیں سانس کی آمدورفت کو کسی جدوجہد کے بغیر جاری رکھنے میں ان کی معاونت کرتا تھا اور ان کی پسلیوں کو مل کر اور دبا کر انہیں اپنا سانس بحال رکھنے میں ان کی مدد کیا کرتا تھا..... کبھی کبھار وہ اٹھ کر کمرے میں رکھی گئی کرسی پر بیٹھنا چاہتی تھیں تب میں انہیں اپنے بازوؤں میں بھر لیتا تھا اگرچہ وہ احتجاج کرتی تھیں اور ہنستی بھی تھیں لیکن میں انہیں کرسی پر بٹھا کر ہی دم لیتا تھا..... آغا جی ماحول کو خوشگوار بنانے کیلئے کہتے تھے.....

''اتنا شوق ہے میری بیوی کو اٹھا کر گھومنے کا تب اپنی بیوی لے آؤ!''

میرے سب سے بڑے بھائی..... نور صاحب..... ہمیشہ اپنے دوستوں کی صحبت میں موجود رہتے تھے..... میرے چھوٹے بھائی اور میری چھوٹی بہنیں اپنی پڑھائی میں مصروف رہتی تھیں..... سکینہ آپا کی نگران آنکھ ان کی نگرانی کرتی رہتی تھی اور سکینہ آپا نے انہیں نظم و نسق کا اس حد تک پابند بنا رکھا تھا کہ وہ براہ راست مجھ تک رسائی حاصل نہیں کرسکتے تھے کیونکہ ان کے اس وطیرے سے سکینہ آپا مشتعل ہو جاتی تھیں کیونکہ انہوں نے اپنے آپ کو گھر کا بااختیار حکمران بنا رکھا تھا..... میری آنٹیاں بھی ان سے ڈرتی تھیں اور ان کی پیٹھ پیچھے ان کی بدتعریفی کرتی تھیں..... محض ایک فرد ایسا تھا جو ان سے خائف نہ رہتا تھا اور وہ تھے چاچا عمر..... وہ ان ہیروئنوں کی بابت بے ضرر مذاق کیا کرتے تھے جن کے ساتھ میں کام کرتا تھا اور آپا اس حوالے سے چراغ پا ہو جاتی تھیں..... میں محسوس کرتا تھا کہ وہ ان میں اکثر اداکاراؤں کو پسند نہ کرتی تھیں جن کے ساتھ میں کام کرتا تھا لیکن جب وہ ہمارے گھر آتی تھیں تب وہ بڑے تپاک سے ان کے ساتھ ملتی تھیں اور ان کی مہمان نوازی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھتی تھیں..... میں نے یہ بھی محسوس کیا تھا کہ وہ نرگس کو پسند کرتی تھیں جس کی والدہ جدن بھائی مجھے بہت پسند کرتی تھی اور پیار سے مجھے پرنس (شہزادہ) کہتی تھی..... میں اس وقت حیران ہوا جب آپا نے ایک شام مجھ سے پوچھا کہ کیا مجھے خبر تھی کہ راج اور نرگس کے درمیان کیا چل رہا تھا..... میں نے ان سے کہا کہ انہیں راج سے پوچھنا چاہیے جو اکثر ہمارے گھر آتا جاتا رہتا تھا اور بغیر دودھ کے چائے پینا پسند کرتا تھا جو آپا خصوصی طور پر اس کیلئے تیار کرتی تھیں.....

میری یہ عادت نہ تھی بلکہ یہ میری فطرت میں ہی شامل نہ تھا کہ میں کسی کی ذاتی زندگی میں مداخلت کروں تا اس کی ٹوہ میں لگا رہوں.....

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

مجھے یاد ہے ایک دوپہر میں نے فلمستان اسٹوڈیو میں دوپہر کا کھانا اشوک بھیا اور نالینی جے ونت کے ساتھ کھایا تھا جہاں پر وہ بھی ایک دوسرے فلور پر شوٹنگ میں مصروف تھے..... کھانا کھانے کے بعد اشوک بھیا نے واش روم کا رخ کیا تا کہ اپنے ہاتھ دھوسکیں اور نالینی جی نے بھی ان کے پیچھے پیچھے واش روم کا رخ کیا..... غیر ارادی طور پر میں نے بھی ان کے پیچھے پیچھے واش روم کا رخ کیا کیونکہ مجھے ہاتھ دھوکر جلدی جلدی اپنے کام پر واپس جانا تھا..... ایک لمحے کے اندر اندر..... میں نے محسوس کیا کہ میں نے ان کے پیچھے پیچھے آ کر کس قدر حماقت کا ثبوت دیا تھا..... مجھے کم از کم انہیں باخبر کرنے کے لئے کسی قسم کی آواز ہی پیدا کر دینی چاہیے تھی..... تاہم میں نے اس ہراساں کر دینے والے واقعہ کا مابعد اپنی کسی بھی گفتگو میں تذکرہ نہ کیا تھا اگر چہ میں جانتا تھا کہ اشوک بھیا پرواہ کرنے والے شخص نہ تھے اور انہوں نے برا بھی نہ منایا ہوگا اور محض ہنس کر بات ٹال دی ہوگی.....

اس دور میں بھی اخبارات معروف اداکاروں اور اداکاراؤں کی جذباتی وابستگی کی بو سونگھتے پھرتے تھے اور بات کو بڑھا چڑھا کر نشر کرتے تھے..... آج کی طرح اس دور میں بھی ایسے معروف اداکار ان کا نشانہ بنتے تھے جو بہت زیادہ پرستاروں کے حامل ہوتے تھے اور جن کی ذاتی زندگیاں ان کے قارئین کے دلچسپی کا باعث ہوتی تھیں

میں نے گپ شپ شائع کرنے والے کئی نمایاں لکھاریوں کے ساتھ وقت گزارا تا کہ انہیں باور کرواسکوں کہ سینما صحافی کے طور پر ان کو کیا کردار ادا کرنا چاہیے..... میں نے ان پر یہ واضح کرنے کی کوشش کی کہ اداکار بھی دیگر پیشہ وارانہ لوگوں کی مانند تھے جو یہ واضح کرنے کی کوشش کرتے تھے یا دو تا دس کام کرتے تھے یا جو کچھ بھی ان کا شیڈول تھا..... فرق صرف اتنا تھا کہ ہم اپنے کام کے دوران روزانہ بطور حقیقی لوگ غیر حقیقی دنیا میں داخل ہوتے تھے کام کرنے والے دیگر مردوں اور عورتوں کے برعکس جو اپنے آپ کو رکھتے تھے اور اپنے ساتھی اہلکاروں کے ساتھ باہمی روابط کے حوالے سے حقیقی جذبات کا اظہار کرتے تھے..... ہماری دنیا میں جو نقلی قہقہے اور آنسوؤں کی دنیا تھی..... بطور اداکار ہم قریبی جسمانی قربت میں ایک دوسرے کے لئے شدید احساسات کا اظہار کرتے ہیں..... ہم کبھی کبھار اس لکیر کو نظر انداز کر دیتے ہیں جو حقیقی اور غیر حقیقی کو جدا کرتی ہے.....

کیا یہ میرے ساتھ رونما ہوا تھا؟

کیا میں مدھو بالا کی محبت میں گرفتار تھا جیسا کہ اس وقت کے اخبارات اور رسائل نے خبریں چھاپی تھیں؟

مجھے لازماً یہ اقرار کرنا چاہئے کہ میں اس کی کشش میں مبتلا تھا..... اور یہ کشش اس وجہ سے تھی کہ وہ ایک عمدہ شریک اداکارہ تھی اور یہ کشش اس وجہ سے بھی تھی کہ وہ ایک ایسا فرد تھی جس میں کچھ ایسی خصوصیات پائی جاتی تھیں جو میں اس دور میں اور اس عمر میں ایک عورت میں دیکھنا چاہتا تھا.....

ہمارے ناظرین ''ترانہ'' میں ہمارے جوڑے کی تعریف کرتے تھے اور ہمارے کام کے تعلقات گرمجوشی کے حامل تھے..... وہ مجھے میرے شرمیلے پن سے باہر نکال سکتی تھی..... اس نے وہ خلا پر کر دیا تھا جو پر ہونے کے لئے چیخ و پکار کر رہا تھا.....

©جملہ حقوق بحق ادارہ اُردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

مغل اعظم میں ہمارے جوڑے کا اعلان ہیجان خیز اور سنسنی خیز تھا..... یہ 1950ء کی دہائی کا آغاز تھا..... اور یہ خبر اس لئے ہیجان خیز اور سنسنی خیز تھی کیونکہ ہماری جذباتی وابستگی کی افواہیں گردش کر رہی تھیں.....

درحقیقت کے۔ آصف (فلم کا ہدایت کار) کی خوشی اس تشہیر کی وجہ سے دیدنی تھی ..... آصف میرے لئے مدھوبالا کے احساسات سے آشنا تھا..... کیونکہ اس نے ایک مرتبہ اس کے ساتھ اپنی گفتگو کے دوران اس کا انکشاف کیا تھا اور وہ میری فطرت سے بھی بخوبی واقف تھا..... وہ جانتا تھا کہ میں ایک ایسا شخص تھا جو اہم ذاتی یا پیشہ وارانہ فیصلوں کے حوالے سے جلد بازی نہ کرتا تھا۔ اُس نے اسے مشورہ دیا کہ ایک باعزت اور بااصول پٹھان کو رام کرنے کے لئے اسے جسمانی قربت میں گھسیٹا جائے ..... میں محسوس کرتا ہوں اس نے وہ کچھ کیا جو کچھ ایک خودغرض ہدایت کار اپنے مفاد کی خاطر کرتا ہے..... میں نے یہ بھی محسوس کیا کہ آصف اس وقت بڑی سنجیدگی کے ساتھ صورت حال کو سنبھالا دینے کی کوشش کر رہا تھا جب ہمارے درمیان صورت حال مخدوش ہو چکی تھی..... اس کے باپ کا شکریہ جس نے ایک مجوزہ شادی کو ایک کاروباری قسمت آزمائی بنانے کی کوشش کی..... نتیجہ یہ تھا کہ مغل اعظم کی نصف پروڈکشن تک حتیٰ کہ ہم ایک دوسرے کے ساتھ بات بھی نہیں کر رہے تھے..... کلاسیک سین ہمراہ پَر ہمارے ہونٹوں کے درمیان آتے ہوئے..... جس نے لاکھوں تصورات کو آگ لگا دی..... اس وقت فلمایا گیا جب کہ ہم حتیٰ کہ ایک دوسرے کے ساتھ سلام دعا لینا بھی ترک کر چکے تھے..... یہ فلم کی تاریخ کا انوکھا واقعہ تھا اور دونوں اداکار خراج تحسین کے مستحق تھے جنہوں نے اپنے ذاتی اختلافات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ہدایت کی توقعات کے عین مطابق فلمی مناظر کی عکس بندی بخوبی کروائی.....

آصف اور میں عقلیت اور مزاج کے حوالے سے ندی کے دو ایسے کنارے تھے جو کبھی میں مل نہ سکتے تھے..... اگرچہ بطور دوست ہمارے باہمی روابط میں بے تکلفی پائی جاتی تھی..... وہ جانتا تھا کہ اسے میری سوچوں میں شیئر کرنے کے حوالے سے خوش آمدید نہیں کہا جاتا تھا تاوقتیکہ میں اسے ایسا کرنا کے لئے مدعو کرتا..... میں فلم کے محبت کے مناظر فلمانے کے حوالے سے کسی تشویش میں مبتلا نہ تھا لیکن مجھے شہزادہ سلیم کا کردار ادا کرنے کے حوالے سے تشویش لاحق تھی کیونکہ مجھے شہزادہ سلیم کی ذاتی خصوصیات کا مطالعہ کرنے کے حوالے سے بہت کم مواد دستیاب تھا..... میرے لئے یہ ضروری تھا کہ میں کردار کے ساتھ ایک ذہنی بندھن قائم کرتا اور میں عین اس لمحے سے ہی جانتا تھا جب میں نے یہ کردار ادا کرنے کی حامی بھری تھی کہ مجھے دستیاب مواد سے تحقیق اور دریافت کا سفر تن تنہا ہی سرانجام دینا تھا.....

دلچسپ بات یہ ہے کہ آصف ایک اس پراجیکٹ میں مجھ سے شہزادہ سلیم کا کردار ادا کرنا چاہتا تھا جس کا آغاز اس نے اس وقت کیا تھا جب میں ''ندیا کے پار'' (1948ء) میں کام کر رہا تھا..... اس نے مجھے اپنے گھر مدعو کیا تھا اور اپنی بیوی کے ساتھ میرا تعارف کروایا تھا..... خٹک ڈانسر ستارہ دیوی..... جس نے فوری بے تکلفی کے ساتھ بات کی تھی..... جیسے ہی ہماری بات چیت آگے بڑھی اور اس نے ہمیں چائے اور ہلکے پھلکے کھانے اور دیگر لوازمات پیش کئے..... ستارہ بھابھی نے ہچکچاتے ہوئے مجھ سے دریافت کیا کہ کیا وہ مجھے بھائی جان کہہ کر مخاطب کر سکتی ہے کیونکہ وہ میرے لئے اپنے دل میں بہن کی محبت کے جذبے موجزن محسوس کرتی تھی اور یہ کہ اس کا محض ایک ہی بھائی تھا اور اس کے دل میں ایک بھائی کے لئے گنجائش موجود تھی.....

آصف خاموش رہا جب کہ ستارہ بھابی نے رقص..... موسیقی..... فلموں..... موسم .....

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

کھانوں .....اور ملازمین کے بارے میں بے تکلفانہ گفتگو کی..... بالآخر آصف نے بھی اپنی خاموشی کو توڑا اور گفتگو میں حصہ لیا.....اس نے کہا وہ میری بابت ہر چیز پسند کرتا تھا لیکن وہ محسوس کرتا تھا کہ میں اس مرحلے پر اس قدر نوعمر تھا کہ شہزادہ سلیم کا کردار ادا نہیں کر سکتا تھا.....اس نے کہا:.....

''تم ایک شہزادے کے شاہی رعب داب اور خدوخال کے حامل ہو لیکن میں کسی قدر بڑی عمر کا اداکار چاہتا ہوں۔''

میں نے اسے بتایا کہ وہ درست کہہ رہا تھا.....تب اس نے اعلان کیا کہ مستقبل میں وہ ایک فلم بنائے گا جو سلیم اور انارکلی کی محبت کی داستان کے حوالے سے ہوگی اور وہ اس فلم میں مجھے رومانی شہزادے کا کردار دے گا.....اس کے اعتماد کے شعور نے اگرچہ مجھے حیران کیا تھا لیکن میں اس قدر شعور کا حامل تھا کہ میں نے اپنی حیرانی کا اظہار نہ کیا تھا.....جلد ہی اس نے سپروجی کے ساتھ فلم کا اعلان کر دیا (ڈی۔کے۔سپروجو مابعد کریکٹر ایکٹر بنا) لیکن مالی مشکلات کی بنا پر وہ فلم کی چند ریلوں (REELS) سے آگے نہ بڑھ سکا.....

لہٰذا برسوں بعد جب اس نے ''مغل اعظم'' کی تجویز کے ساتھ مجھ تک رسائی حاصل کی..... یہ ایسے تھا جیسے اس کا خواب اس کے لئے سچ ثابت ہوا تھا.....میں اس وقت فلمی دنیا میں اپنا نام پیدا کر چکا تھا اور ایک فلمی ستارہ بن چکا تھا.....ہماری دوستی ہنوز قائم تھی اور ستارہ دیوی کے ساتھ بھی جو بندھن بندھا ہوا تھا وہ بھی ہنوز قائم تھا اگرچہ ہمارے درمیان کام کے بارے میں بات چیت نہ ہوتی تھی.....تب ایک دن وہ میرے ساتھ ملاقات کرنے کے لئے آیا.....اس وقت اس کی آنکھوں میں چمک نمایاں تھی..... تھوڑی دیر تک ادھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد اس نے ہماری پہلی ملاقات کی یاددہانی کرواتے ہوئے مجھے اپنا وہ وعدہ بھی یاد کروایا جو اس نے اپنے آپ کے ساتھ کیا تھا جو انارکلی اور شہزادہ سلیم کی داستان کو فلمانے کے حوالے سے تھا اور جس میں اس نے مجھے شہزادہ سلیم کا کردار دینے کا وعدہ کیا تھا..... مجھے یہ سب کچھ ہنوز یاد تھا.....

میں نے سلیم کی شخصیت پر کام کیا اور سلیم کی شخصیت کے حوالے سے اپنا ایک تصور قائم کیا جسے قائم کرنے کے لئے میں نے ان کتب سے معاونت حاصل کی جو انجمن اسلام اسکول لائبریری میں دستیاب تھیں.....ایسے مواقع پر میں اپنے دوست محمد عمر مکرمی (ایک ایسا کریکٹر ایکٹر جو ایک قدآور ایکٹر نہ تھا) پر انحصار کرتا تھا.....اس نے کتب کی دوکانیں چھان ماریں اور میرے مطلب کا جو مواد بھی اس کے ہاتھ لگا اس نے لاکر میرے حوالے کر دیا.....مختصر یہ کہ میں شہزادہ سلیم کا روپ دھارنے میں کم وبیش کامیاب ہوا اور اس کی جو تصویر میں نے اپنے ذہن میں تخلیق کی تھی میں نے وہی روپ دھارا.....میں جانتا تھا کہ پراجیکٹ کے آغاز میں مجھے آصف سے زیادہ معاونت میسر نہ آئے گی.....بطور ہدایت کار اس نے لاتعداد معاملات نبٹانے تھے اور اپنے مخصوص انداز میں وہ یہ کہتے ہوئے میرے تفکرات کو ہنسی میں اڑا دیتا تھا:.....

''محض آپ خود بنو.....تم شہزادہ یوسف ہو۔''

©جملہ حقوق بحق ادارہ اُردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com
itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

مدھوبالا

(MADHUBALA)

''مجھے مدھو کے لئے افسوس محسوس ہوا اور میری خواہش تھی کہ وہ بلا سوچے سمجھے اپنے والد کی خواہشات کے سامنے سر جھکانے کی بجائے کم از کم اپنے پیشہ وارانہ محاذ کے مفادات بچانے کی خواہش کی حامل بن جائے.....اس قسم کی اطاعت کے اثرات نہ صرف اس کی پیشہ وارانہ شہرت پر بداثرات مرتب کرنے کا باعث بنے بلکہ اس کی صحت پر بھی بداثرات مرتب کرنے کا باعث بنے۔''

اس میں کوئی شک نہیں کہ انارکلی کے لئے مدھوبالا کا انتخاب ہر لحاظ سے ایک درست انتخاب تھا.....اس نے اپنی ذہانت کے بل بوتے پر اس کردار پر اپنی گرفت مضبوط کی اور اسے بخوبی نبھایا.....

1950ء کے عشرے کے دوران جب فلم کی عکس بندی جاری تھی اس وقت ہماری شادی کی بات چیت جاری تھی اور اس میں قرار واقعی پیش رفت بھی ہو رہی تھی.....مقبول عام نظریات کے برعکس .....اس کا باپ اس کی میرے ساتھ شادی کی مخالفت نہیں کر رہا تھا بلکہ وہ اس شادی کے حق میں تھا..... اس کی اپنی پروڈکشن کمپنی تھی اور وہ ایک ہی چھت تلے دو ستاروں کو اکٹھا دیکھنے کے حوالے سے بے حد خوش تھا.....اگر میں اپنے نکتہ نظر کے تحت تمام تر کاروبار کی بابت نہ جانتا ہوتا.....تب وہی کچھ ہو جانا تھا جو کچھ وہ چاہتا تھا یعنی دلیپ کمار اور مدھوبالا ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے اپنے کیریئر کے اختتام تک اس کی فلموں میں گانے گاتے نظر آنے تھے.....جب مدھو کے حوالے سے اس کے منصوبے میرے علم میں آئے تب میں نے ان دونوں باپ بیٹی سے وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ میں اپنے ہی طریقے سے روبہ عمل ہوتا ہوں اور اپنی کارگزاری سرانجام دیتا ہوں اور میں اپنے ہی طریقے کے تحت فلموں کا انتخاب کرتا ہوں اور میں اس حوالے سے کبھی غفلت یا لاپروائی نہیں کروں گا خواہ میں نے اپنی پروڈکشن ہاؤس کے لئے ہی کام کیوں نہ کرنا ہوگا.....لہٰذا اسے اپنا منصوبہ چوپٹ ہوتا دکھائی دیا اور اس نے بڑی کامیابی کے ساتھ مدھو کو قائل کر لیا کہ میں اس کے ساتھ گستاخی پر اتر آیا تھا.....میں نے مدھو کو بڑے خلوص کے ساتھ سمجھایا اور پوری دیانت داری کے ساتھ اسے باور کروایا کہ میں نے کوئی گستاخی نہ کی تھی اور بطور فن کار یہ اس کے اور میرے بھی مفاد میں تھا کہ ہم اپنے پیشہ وارانہ انتخاب کو ذاتی مفادات کی بھینٹ نہ چڑھائیں بلکہ ان سے دور ہی رکھیں تو بہتر ہے.....اس کا رجحان اپنے باپ کی طرف تھا اور یہ ایک فطری امر تھا اور وہ مجھے قائل کرنے کی کوشش کرتی رہی کہ ہماری شادی کے بعد سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا.....تاہم میری چھٹی حس یہ کہہ رہی تھی کہ میں ایک ایسی صورت حال کا شکار ہو جاؤں گا اور ایک ایسے جال میں پھنس جاؤں گا جس کے تحت میں کسی دوسرے کے اشاروں پر چلنے اور کسی دوسرے کی حکمت عملیوں پر عمل کرنے کی بنا پر وہ نیک نامی داؤ پر لگا دوں گا جو میں نے اپنے کیریئر کے دوران بڑی مشکل سے کمائی تھی.....میں نے اس کے باپ کے ساتھ گفت وشنید کی کئی نشستیں کیں اور وہ غیر جانبدار رہی اور اس کے اس رویے کے حوالے سے میرے لئے حیرانی والی کوئی بات نہ تھی.....منظر نامہ بے حد خوشگوار ہرگز نہ تھا اور یہ معاملہ اپنے خاتمے کی جانب بڑھ رہا تھا کیونکہ ایسا ہونا ناگزیر تھا.....اس لئے ان حالات میں یہ بہتر دکھائی دیتا تھا کہ ہم شادی کرنے کا فیصلہ نہ کرتے یا ایک دوسرے کو دوبارہ سوچ بچار کرنے کا موقع دیتے کیونکہ اس وقت تک میرا فیصلہ ایک ایسے ملاپ کے حق میں نہ تھا جو ہم دونوں کے حق میں اچھا نہ ہوتا.....

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

جب میں ایک دوسرے سے جدا ہوئے تب مجھے حقیقی سکون میسر آیا کیونکہ اب میں ان خطوط پر سوچ رہا تھا کہ بطور فن کار باہم اکٹھا کام کرنا بہت اچھا ہے لیکن شادی میں عورت کیلئے یہ اہم ہے کہ وہ وصول کرنے کی بجائے زیادہ عطا کرنے پر تیار ہو..... میری اماں اپنے کنبے کے ساتھ جس طرح اپنی جان ہلکان کرتی تھیں میں اسے دیکھتے ہوئے پروان چڑھا تھا..... اس کے علاوہ بطور ایک عورت میں اماں کے خامی سے پاک کردار کو بھی دیکھتا ہوا جوان ہوا تھا..... اب میرے اندر یہ احساس بڑھتا جا رہا تھا کہ میں ایک ایسے بندھن میں بندھنے جا رہا تھا جو ایک مستقل ساتھی کی حقیقی ضرورت کی تکمیل نہیں کرتا تھا ..... اس سے بڑھ کر یہ کہ میں کسی ایسے جیون ساتھی کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتا تھا جس کی ترجیحات میری ترجیحات سے مختلف تھیں..... اس کے علاوہ زندگی کے اس موڑ پر میں جذباتی کشمکش کا بھی شکار تھا.....

ہمارے جدائی کے اثرات مجھ پر اس قدر اثر انداز نہ ہوئے جس قدر ذرائع ابلاغ کے لکھاریوں نے انہیں پیش کیا..... انہوں نے معاملے کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا..... لکھاری جس وقت فن کاروں کے بارے میں تحریر کرتے ہیں اس وقت وہ حقیقت کو یکسر نظر انداز کر دیتے ہیں..... کچھ رسائل نے تو یہاں تک بھی لکھ دیا کہ میں ساری عمر کنوارا رہنا چاہتا تھا اور میں نے مدھوبالا کے ساتھ شادی نہ کر کے اس کا دل توڑا تھا..... داستان قارئین کے لئے سنسنی خیز اور ہیجان خیز تھی..... کسی نے بھی حقائق کی چھان بین کرنے کی کوشش نہ کی اور زندگی کے اس موڑ پر اس میں اپنے کام میں اور اپنے خاندان کی ذمہ داریاں نبھانے میں اس قدر مصروف تھا کہ وضاحتیں پیش نہ کر سکتا تھا..... آیئے میں اصولی طور پر پھر بیان کرتا ہوں کہ میں نے کنوارا رہنے کا فیصلہ کیوں کیا تھا..... اس کی وجہ یہ تھی کہ میں نے اپنے بھائیوں کی دیکھ بھال بھی کرنی تھی اور ان کی خوشی کی یقین دہانی بھی حاصل کرنی تھی..... میرے بھائی اور بہنیں میری اولین ترجیح تھے.....

www.UrduPoint.com

قطعی حقیقت یہ ہے کہ میں نے اپنے جیون ساتھی کے ساتھ اپنی جگہ شیئر کرنے کی تمام تر سوچیں اپنے ذہن سے نکال دی تھیں کیونکہ میں نے اپنے بھائیوں اور بہنوں کی زندگیاں سنوارنے کی ذمہ داریاں قبول کر لی تھیں..... جیسا کہ پہلے بھی تذکرہ کیا جا چکا ہے..... اماں دمہ کی مریضہ تھیں اور آغا جی اپنے بڑھاپے کے ان اثرات کو چھپانے کی کوشش میں مصروف تھے جو ان پر مرتب ہو چکے تھے..... وہ کرسی سے اٹھنے کیلئے یا سیڑھیاں اترنے کیلئے کسی کو مدد کے لئے پکارنا پسند نہ کرتے تھے..... وہ ہر صبح لباس تبدیل کر کے اپنی پھلوں کے دوکان پر جانے کے لئے تیار ہو جاتے تھے..... ایوب صاحب کی قبل از وقت موت نے ایسا جذباتی دھچکہ لگایا تھا کہ میرے والدین اس دھچکے کے صدمے سے باہر نہ نکل سکے تھے..... میرے اور مدھوبالا کے تعلقات کے ٹوٹنے کی وجہ سے انہیں ایک اور دھچکہ لگا تھا اور ان کے دل کی جو حالت ہوئی تھی اس نے بالآخر انہیں موت کے منہ میں دھکیل دیا تھا..... بدقسمتی سے ان دنوں دل کی بیماریوں کے میدان میں طب نے اس قدر ترقی نہ کی تھی جس قدر ترقی آج کل دیکھنے میں آتی ہے.....

1950ء کی دہائی کے آغاز میں مَیں ایک فلمی ستارہ بن چکا تھا اور آغا جی خوش تھے انہوں نے اپنی دعاؤں میں میرے لئے جس خواہش کا اظہار کیا تھا اللہ تعالیٰ نے انہیں وہ عطا فرما دی تھی..... اگرچہ شروع میں وہ ناخوش دکھائی دیتے تھے..... اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کا فخر و ناز مجروح ہوا تھا..... وہ جس بیٹے کو بیوروکریٹ یا سیاست دان بنانا چاہتے تھے اور جس کے ساتھ انہوں نے بے تحاشہ امیدیں وابستہ کر رکھی تھیں اور وہ ایک تفریح فراہم کرنے والا بن گیا تھا..... لیکن بعد میں انہوں نے اپنے نظریات تبدیل

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

کر لئے تھے اور اللہ کے شکر گزار اور عاجز بندہ بنتے ہوئے اللہ کی رضا میں راضی ہو گئے تھے.....

میرے بھائیوں اور بہنوں کے مابین..... میں جانتا تھا کہ میں ہی واحد ہستی تھا جس کے ساتھ آغا جی اور اماں دونوں نے بہت زیادہ امیدیں وابستہ کر رکھی تھیں اور انہوں نے اپنے ان بیٹوں اور بیٹیوں کی دیکھ بھال..... تعلیم اور انہیں زندگی میں کسی مقام پر پہنچانے کی ذمہ داریاں بڑی خاموشی کے ساتھ میرے کندھوں پر ڈال دی تھیں جو مجھ سے چھوٹے تھے..... نور صاحب شادی کر چکے تھے اور اپنی بیوی کے ہمراہ گھر چھوڑ کر جا چکے تھے..... میری سب سے بڑی بہن..... سکینہ آپا..... غیر شادی شدہ ہی رہیں..... جیسا کہ اماں محسوس کرتی تھیں..... یہ ضروری تھا کہ وہ کنواری ہی رہیں کیونکہ ان کا رویہ ایک کامیاب شادی کے لئے موزوں نہ تھا..... اگرچہ بڑھتی عمر کے ساتھ ساتھ اماں کے ساتھ ان کے رویے میں کسی حد تک نرمی آ چکی تھی لیکن ہنوز وہ اپنی مرضی کی مالک ہونے کے ساتھ ساتھ ضدی بھی تھیں..... اماں ان کے بارے میں فکر مند رہتی تھیں کہ ان کی سب سے بڑی بیٹی اس بھری دنیا میں کیسے تنہا زندگی گزارے گی اور جب کبھی وہ اس بابت بات کرتی تھیں..... ان کی نم آلود آنکھیں اس تلاش میں ہوتی تھیں کہ میں ان کے ساتھ انہیں یقین دہانی دلانے والی سرگوشی کروں.....

www.UrduPoint.com

میں اماں سے بے تحاشہ محبت کرتا تھا..... ان کے بچوں میں جو بھی خوبیاں پائی جاتی تھیں ان تمام تر خوبیوں کا سرچشمہ وہ بذات خود تھیں..... وہ زندگی کے نشیب و فراز کے ساتھ پرسکون انداز سے برسر پیکار ہوتی تھیں..... میں بچپن میں بھی انہیں نماز پڑھتے اور دعا مانگتے ہوئے دیکھ کر خوشی محسوس کرتا تھا..... جیسے ہی میری عمر میں اضافہ ہوا، میں نے یہ محسوس کرنا شروع کیا کہ وہ گھر کے کام دھندوں سے نماز ادا کرنے کے لئے جو وقت نکالتی تھیں وہی وقت ان کا اپنا ہوتا تھا اور اس دوران وہ نہ صرف اپنے دماغ اور سوچوں پر کنٹرول حاصل کرتی تھیں بلکہ قرب الٰہی بھی حاصل کرتی تھیں..... جو ایک حقیقی کامیابی ہے..... اگرچہ وہ بظاہر دبلی پتلی اور نازک اور کمزور سی دکھائی دیتی تھیں لیکن اندر سے وہ ناقابل یقین حد تک مضبوط تھیں.....

©جملہ حقوق بحق ادارہ اُردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔

(C)-www.UrduPoint.com itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

آیئے میں بڑی داستان کی جانب واپس آتا ہوں..... مدھوبالا کے باپ نے مجھ پر اپنے اختیارات کا رعب جمانے کے لئے مدھوبالا کو پروڈیوسر۔ ڈائریکٹر بی۔ آر۔ چوپڑا کے ساتھ ایک مقدمے میں ملوث کر دیا..... اس نے اس طویل آؤٹ ڈور شوٹنگ کے حوالے سے تنازعہ کھڑا کر دیا جو ''نیا دور'' (صاف ظاہر 1957ء میں نمائش کے لئے پیش کی گئی) کے لئے شیڈول تھی اور اس آؤٹ ڈور شوٹنگ کو بہانہ بناتے ہوئے مدھوبالا کو فلم کی کاسٹ سے علیحدہ کروالیا..... اس نے یہ بہانہ کھڑا کیا کہ اس کی بیٹی بھوپال اور پونا میں فلم کی آؤٹ ڈور شوٹنگ میں کام نہیں کر سکتی اگرچہ فلم کا کچھ حصہ مکمل ہو چکا تھا ..... چوپڑا صاحب پریشان تھے اور غصے میں تھے کیونکہ یہ حقیقت اس وقت واضح کر دی گئی تھی جب فن کاروں کو اسکرپٹ دیے گئے تھے کہ یہ ایک آؤٹ ڈور فلم تھی..... ان لوگوں نے اس حوالے سے کئی اقسام کے نتائج اخذ کئے جو واقعات کے تسلسل کو نہ جانتے تھے اور حقیقی پس منظر سے نابلد تھے جب کہ چوپڑا صاحب لاہور آزادی کے حصول سے قبل کے دور میں جرنلزم کے میدان میں داخل ہونے سے قبل قانون میں ڈگری حاصل کر چکے تھے..... انہوں نے مدھوبالا کے اس عمل درآمد کے خلاف قانونی چارہ جوئی کی ..... بطور ایک ساتھی فن کار اگرچہ میرے بس میں تھوڑا بہت ہی تھا لیکن میں نے پروڈیوسر کے اس فیصلے کے ساتھ اتفاق کیا کہ مدھوبالا کی جگہ وجنتی مالا کو فلم کی کاسٹ میں شامل کیا جائے..... یہ فیصلہ میں نے اس وقت کیا جب سمجھوتے کے حوالے سے میری تمام سنجیدہ اور حقیقی کوششیں ناکامی کی بھینٹ چڑھ چکی تھیں ..... مجھے مدھوبالا پر افسوس ہو رہا تھا اور میری خواہش تھی کہ اس میں اس قدر قوت ارادی تو ضرور موجود ہونی چاہیے کہ وہ کم از کم پیشہ وارانہ محاذ پر ہی اپنے مفادات کا تحفظ کر سکے اور ہر ایک موقع پر بلا سوچے سمجھے اپنے باپ کی خواہشات کے سامنے سر تسلیم خم نہ کرے..... اس قسم کی اطاعت نے نہ صرف اس کی پیشہ وارانہ شہرت پر بداثرات مرتب کئے بلکہ اس کی صحت پر بھی بداثرات مرتب کئے.....

میں نے اپنے تمام تر کیریئر کے دوران بطور ایک آجر پروڈیوسر کے حق کی اس حوالے سے توقیر کی تھی کہ کاسٹ اور عملے کو منظم رکھا تھا اور ان سے تعاون طلب کیا تھا..... ایک مرتبہ معاہدہ طے پانے کے بعد میں اپنے اس کام کا آغاز کر دیا کرتا تھا..... وجنتی مالا اور میں نے ایک دوسرے کے ساتھ مفاہمت کرتے ہوئے اور ایک دوسرے کا احترام کرتے ہوئے بمل رائے کی ''دیوداس'' (1955ء) میں کام کیا تھا اور چوپڑا صاحب اس کے کام کو پسند کرتے تھے (اس نے چندر مکھی کا کردار ادا کیا تھا..... ایک نرم دل رقاصہ لڑکی)..... انہیں اپنے ذرائع سے یہ خبر ملی تھی کہ بطور ایک اداکارہ وہ محنتی اور تعاون کرنے والی تھی..... چوپڑا صاحب نے فی الفور فیصلہ کیا کہ مدھوبالا کی جگہ وجنتی مالا کو لیا جائے..... انہوں نے فیصلہ کرنے میں بالکل بھی تاخیر نہ کی کیونکہ ان کے علم میں آچکا تھا کہ مدھوبالا کے ساتھ کی گئی تمام تر شوٹنگ (عکس بندی) کو کولڈ اسٹوریج میں جانا تھا اور وقت اور فنڈز جو ضائع ہو چکے تھے ان کا بھی تدارک کرنا تھا..... لہٰذا صورت حال کو بھانپتے ہوئے انہوں نے فی الفور پراجیکٹ کی تجدید کا اعلان کر دیا اور ''نیا دور'' کی دوبارہ شوٹنگ کا آغاز کر دیا اور ذرائع ابلاغ میں ہلچل مچ گئی..... ذرائع ابلاغ میں جو کچھ رونما ہوا تھا وہ گپ شپ تحریر کرنے والے لکھاریوں کی فراہم کردہ غلط خبریں تھیں جنہوں نے حقائق کو توڑ موڑ کر پیش کیا اور اپنے قارئین کی دل لگی اور خوشی کے لئے غلط خبریں فراہم کیں..... مجھ پر یہ الزام لگایا گیا کہ میں نے مدھوبالا کو فلم کی کاسٹ سے الگ کر دیا تھا اگرچہ اس خبر نے مجھے غم و غصے سے دوچار کیا تھا لیکن میں نے بھی چوپڑا صاحب کی مانند صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا جب کہ حقیقت یہ تھی کہ اس کے باپ نے اپنے اختیارات اور حکمرانی کا مظاہرہ کرنے کے لئے اسے پراجیکٹ سے باہر کھینچا تھا.....

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

دیوداس..... نیا دور اور آگے

(DEVDAS, NAYA DAUR AND BEYOND)

''نیا دور'' کی تیاری کے دوران میں نے محسوس کیا کہ وجنتی مالا میں یہ اہلیت پائی جاتی ہے کہ وہ اپنے کردار میں ڈوب کر کام کرتی تھی..... جب میں ''گنگا جمنا'' کے اسکرپٹ پر کام کر رہا تھا تب میں نے محسوس کیا کہ وہ دھنو (DHANNO) کے کردار کے لئے موزوں ہو سکتی تھی بشرطیکہ وہ بھوج پوری بولی (فلم میں استعمال کردہ) درست تلفظ کے ساتھ سیکھنے کی زحمت گوارا کرتی ہے..... ''نیا دور'' کی پروڈکشن کے دوران ہی میں نے اپنے ذہن میں ''گنگا جمنا'' کی کہانی تشکیل دینا شروع کر دی تھی..... میں نے یہ بھی فیصلہ کیا تھا اگر میں آگے بڑھا اور ''گنگا جمنا'' بنائی..... میں وجنتی کو نمایاں کردار کے لئے کاسٹ کروں گا۔''

قبل اس کے کہ میں ''نیا دور'' اور وجنتی مالا کو زیر بحث لاؤں..... مجھے ''دیوداس'' کو زیر بحث لانا چاہیے..... اس کے ساتھ بطور میری نمایاں خاتون سات فلموں میں سے اولین فلم.....

جب بمل رائے (عام طور پر بملدا کہلاتا تھا) میرے پاس آیا..... یہ 1954ء کے دور کے کسی وقت کی بات تھی..... وہ مجھے ''فلم دیوداس'' میں چھوٹا موٹا کردار دینے کا متمنی تھا..... میں نے نہ ہی 1936ء کی کے۔ ایل سہگل کی اس نام کی فلم دیکھی تھی اور نہ ہی اس نام کا شارٹ چندرا چاٹو پاڈیا کا ناول پڑھا تھا..... درحقیقت بملدا نے جب میرے ساتھ ملاقات کی تھی تب اس نے مجھے یکدم نہیں بتایا تھا کہ وہ اس فلم کو میرے ساتھ زیر بحث لانا چاہتا تھا جسے بنانے میں وہ قرار واقعی دلچسپی لے رہا تھا..... کسی قدر خوشگوار گفت وشنید کے بعد اس نے ہمارے مشترکہ دوست بٹن چودھری (بنیادی طور پر ایک پروڈیوسر) جو اس کے ہمراہ تھا اسے آگے کیا کہ وہ مطلوبہ موضوع زیر بحث لائے..... یہ ایک ایسا کام تھا جس کا میں تصور بھی نہ کر رہا تھا..... لہٰذا میں نے اس پر غور وخوص کرنے کے لئے چند دن طلب کئے..... اس نے اپنا سر ہلایا اور مسکرایا..... تب رخصت ہوتے وقت مجھ سے کہا:.....

''ناول کا مطالعہ کرو..... میں تمہیں ایک عمدہ ترجمہ روانہ کروں گا۔''

بملدا چند الفاظ کا ایک شخص تھا..... وہ رخصت ہو گیا اور اگلے دن مجھے ترجمہ موصول ہو گیا..... میں تفصیلات میں جانا پسند نہیں کروں گا لیکن بنیادی طور پر میں ایک ایسا کردار ادا کرنے میں دقت اور کوفت محسوس کرتا تھا جس کے تحت محبت سے ہاتھ دھونے کے بعد اپنے آپ کو شراب کے نشے میں گم کر لیا جائے اور راہِ فرار اختیار کی جائے..... جیسے ہی میں نے موضوع پر غور وفکر کیا..... جسے پہلے ہی کے۔ ایل۔ سہگل کے ساتھ ایک چھوٹے سے کردار میں کامیابی کے ساتھ فلمایا جا چکا تھا..... میں نے محسوس کیا کہ یہ ایک یادگار فلم بن سکتی تھی اور ہر دور کی ناقابل فراموش فلموں میں اپنا مقام بنا سکتی تھی اگر میں نے اپنا کردار مناسب شعور اور زیرکی کے ساتھ ادا کیا.....

افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آج کل کا سینما اس قسم کے جذباتی کچھ دو اور کچھ لو کا حامل نہیں ہے جس کا حامل 1950ء کے عشرے کا سینما تھا..... اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ ان دنوں سینما تفریح کا ایک بہت بڑا ذریعہ تھا اور بہت سے ناظرین اسے بڑی سنجیدگی کے ساتھ لیتے تھے..... میں اس پہلو پر اس لئے اس قدر زور دے رہا ہوں تا کہ ان ہدایت کاروں کو خراج تحسین پیش کیا جا سکے جو ہمارے دور میں

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

اپنی اخلاقی ذمہ داریوں کو محسوس کرتے تھے اور یہ ذمہ داریاں وہ اس وقت محسوس کرتے تھے جب وہ ایسی فلمیں بنانے کا آغاز کرتے تھے جو ناظرین پر گہرے سماجی اثرات مرتب کرتی تھیں اور ان کے ساتھ سماجی تعلق کی حامل ہوتی تھیں.....

میرا خیال ہے بملدا کو اپنے ذرائع سے یہ خبر تھی کہ میں ایک فلم کے لئے تحریری بنیاد فراہم کرنے کے حوالے سے اہلیت کا حامل تھا.....لہٰذا اس نے نابندو گھوش اور راجندر سنگھ بیدی اور دیگر لکھاریوں کے ساتھ میری شرکت کو بھی یقینی بنایا..... مجھے یہاں پر لازماً یہ تذکرہ کرنا چاہیے..... (دیوداس سے لائنیں.....کچھ ذمہ دار اور حساس لائنوں میں سے ہیں جو کبھی ایک ہندی فلم ہیرو کے لئے تحریر کی گئی ہیں).....

درحقیقت دیوداس کے ڈائیلاگ (مکالمے) حساسیت..... بے ساختگی اور معانی سے بھرپور ہیں.....وہ راجندر سنگھ بیدی کے قلم کا شاہکار تھے.....وہ ان چند گنے چنے لکھاریوں میں سے ایک تھا جو اس قدر کاملیت کے حامل تھے کہ سادہ لائنیں جو وہ تحریر کرتا تھا کہ ان کو ادا کرنے کے حوالے سے اداکار گہری جذباتی تحریک چاہتے تھے.....میں ان لائنوں کی درستگی اور اختصار کی قدردانی کرتا تھا اور انہیں سراہتا تھا جو اس نے ''دیوداس'' کیلئے تحریر کی تھیں.....وہ لائنیں قابل فخر معانی کی حامل تھیں لیکن انکے الفاظ اس قدر سادہ اور حساس تھے کہ ناظرین کی کئی نسلیں انہیں دہراتے ہوئے خوشی محسوس کرتی تھیں.....

وجنتی اور میرے درمیان جو پیشہ وارانہ مفاہمت استوار ہوئی تھی میں نے اسے آگے بڑھایا.....واضح رہے کہ ہمارے درمیان یہ پیشہ وارانہ مفاہمت ''دیوداس'' کے دوران استوار ہوئی تھی اور میں نے اسے ان چھ فلموں تک آگے بڑھایا جو ہم نے اس کے بعد کی تھیں.....وہ ایک اہل اداکارہ کے طور پر منظر عام پر آئی تھی اور وہ جلد از جلد سیکھ جانے کی اہلیت کی بھی حامل تھی.....''دیوداس'' کے بعد.....جب ہم باہم اکٹھے ''مدھومتی'' کے لئے آئے (1958ء میں نمائش کے لئے پیش کی گئی).....اس وقت اس نے مناظر اور ڈائیلاگ کی ادائیگی کے حوالے سے قابل غور حد تک ترقی کی.....وہ صورت احوال کی رفتار اور پیچیدگی پر اپنی گرفت مضبوط رکھنے میں اپنی مثال آپ تھی.....وہ فلم ''مدھومتی'' کے لئے کیمرے کے سامنے جانے سے قبل اپنے کردار اور صورت احوال کا بخوبی مطالعہ کرتی تھی.....

جب ہم فلم ''مدھومتی'' کے لئے اِن ڈور یا آؤٹ ڈور شوٹنگ کر رہے ہوتے تھے تب میرے لئے.....پران اور جانی واکر کے لئے جو میرے شریک فن کار تھے یہ جاننا آسان نہ ہوتا تھا کہ کیا بملدا کو وہ شوٹ پسند تھے یا نہیں جو وہ فلما چکا ہوتا تھا.....وہ ایک ایسا ہدایت کار تھا جو اپنی خوشی یا شرفِ قبولیت بخشنے کا اظہار نہ تو اپنی زبان سے کرتا تھا اور نہ ہی اپنے چہرے کے تأثرات سے کرتا تھا.....اگر وہ شوٹ کو پسند کرتا تھا.....وہ محض اگلے شوٹ کی جانب بڑھ جاتا تھا.....ہم یعنی پران اور میں اس کوشش میں مصروف رہتے تھے کہ وہ اپنی طمانیت کا اظہار کرے اور اس وقت ہماری یہ کوشش تیز تر ہوتی تھی جب ہم ایک شاندار شوٹ دیتے تھے لیکن بملدا ٹس سے مس نہ ہوتا تھا.....وہ محض اتنا کہتا تھا:.....

©جملہ حقوق بحق ادارہ اُردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

''آیئے ہم اگلے شوٹ کے لئے کیمروں کو حرکت دیتے ہیں''

بملدا کی حیران کن خصوصیت اس کا سکون اور متانت تھی اور وہ کسی بھی کام میں بے قراری کا اظہار نہیں کرتا تھا..... جو ایک بنگالی کے لئے غیر معمولی تھا..... اس کی مثالی خصوصیت یہ تھی کہ وہ ایسی صورت میں فن کاروں کی مدد کے لئے تیار رہتا تھا جب وہ اس کا تصور سمجھنے میں ناکام رہتے تھے..... اس نے ایک مرتبہ اپنے شریف النفس انداز میں مجھے اس تکلیف کے بارے میں بتایا تھا جو اس نے اپنی ذاتی زندگی میں اس وقت برداشت کی تھی جب اسے نوجوانی کے عالم میں بھیڑیوں کے سامنے پھینکا گیا تھا اور اس نے اپنے آپ کو اور اپنی ماں کو بچانا تھا اور وہ ایک ایسا تجربہ رہا تھا جس نے اسے یہ درس دیا تھا کہ کبھی بھی کسی کو کسی بھی تکلیف میں مبتلا نہ کیا جائے.....

بملدا کے ذہن میں اس وقت ''مدھومتی'' کا ایک خاکہ اور تصور پایا جاتا تھا جب ہم ''دیوداس'' پر اپنا کام تمام کر چکے تھے..... اور اس نے اس کا تذکرہ میرے ساتھ بھی کیا تھا.....

مابعد جب اس نے رٹوک گھاٹک (ایک ذہین فلم میکر اور اسکرپٹ رائٹر) کے ہمراہ پہلی مرتبہ میرے ساتھ اس کا تذکرہ کیا..... میں اس موضوع پر اس کے غیر متزلزل اعتماد کا بخوبی شعور کر سکتا تھا ..... کچھ ایسے لوگ بھی موجود تھے جنہوں نے اسے یہ مشورہ دیا تھا کہ ایک ایسی فلم بنانا جو مابعد الطبیعیاتی تہوں کی حامل تھی جنہیں دیکھنے والے بہ آسانی جذب نہیں کر سکتے تھے خطرے سے خالی نہ تھا..... کچھ دیر لوگ بھی موجود تھے جیسے ہریشی کیش مکھرجی (یا ہریشیدہ) جنہوں نے اس کی حوصلہ افزائی کی اور اپنے آپ پر اس کے اعتقاد کی حمایت بھی کی.....

تمام تینوں فلمیں ''دیوداس''..... ''مدھومتی'' اور ''یہودی'' (1958ء) جو میں نے بملدا کی ہدایتکاری کے تحت کیں انہوں نے مجھے ایک ایسے شخص کو جاننے کی خوشی عطا کی جو کاملیت اور محنت پر اس قدر یقین رکھتا تھا جس قدر یقین میں بذات خود رکھتا تھا..... اس نے کام کرنے کے میرے اسٹائل کو سراہا اور میں کرداروں میں حقیقی زندگی کا رنگ بھرنے کے لئے جو محنت کرتا تھا اور جو تکلیف اٹھاتا تھا وہ اسے بھی سراہتا تھا..... ذاتی طور پر میں محسوس کرتا تھا کہ ''مدھومتی'' کا اسکرپٹ خوش تدبیری کا حامل تھا..... بے حد اولین مسودے میں بذات خود ..... میں ان امکانات کو دیکھ سکتا تھا جو اسکرپٹ پیش کرتا تھا ..... ''دیوداس'' کے بعد میں نے سوچا تھا کہ یہ فلم ہمیں کسی قدر سکون مہیا کرے گی جس کی ہمیں ضرورت بھی تھی کیونکہ اس فلم میں آؤٹ ڈور شوٹنگ کم تھی.....

جب میں ایک فلم میں کام کرنے پر رضامند ہوتا تھا تب میرے لئے محض کردار ہی مقدم اہمیت کا حامل نہیں ہوتا تھا بلکہ دیگر عناصر بھی موجود ہوتے تھے..... میں نے جو کردار بھی ادا کیا وہ نمایاں اہمیت کا حامل تھا..... ''مدھومتی'' سے پہلے میرا سابقہ کرداروں میں سے کوئی بھی کردار ایسا نہ تھا جو ایک ایسی زندگی کے ساتھ منسلک تھا جو سابقہ جنم میں گزاری گئی تھی اور میرا کردار فلم کے ارتقاء اور ڈرامائی تشکیل کے لئے بنیادی اہمیت کا حامل تھا..... میں ہمیشہ آؤٹ ڈور کام پسند کرتا تھا..... ''مدھومتی'' میں آؤٹ ڈور کام نے فلم کی بنیاد بننا تھا اور اس نے مجھے ایک ایسے بچے کی خوشی سے لبریز کر دیا جس کے ساتھ اس کے مقام پر طویل چھٹیاں گزارنے کا وعدہ کیا جاتا تھا.....

ہمارے لئے..... یعنی پران..... جانی واکر..... بملدا..... ہریشیدہ اور میرے لئے..... فلم بندی کے بعد کا وقت بے حد دلچسپی کا حامل ہوتا تھا..... ہم گپ شپ لڑاتے ہوئے اور شعر و شعاری کا تبادلہ کرتے ہوئے دن بھر کے کام کی تھکاوٹ دور کیا کرتے تھے جبکہ اس دوران یونٹ کے باورچی رات

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

کا کھانا تیار کرنے میں مصروف ہوتے تھے..... پرانن اور میں پنجابی میں گفتگو کرتے تھے جبکہ بملدا اور ہریشید ابنگالی میں گفتگو کرتے تھے.....

میں کسی بھی مخصوص فلم کو اپنے کیریئر کی ترقی کے لئے اہمیت کا حامل تصور نہیں کرتا تھا جب کہ ہر ایک فلم نے مجھے گراں قدر تجربہ عطا کیا..... یہ تجربے میری اپنی ہی امکانی قوت کی دریافت کے حوالے سے تھے اور میرے ترقی کرنے کے راستے ہموار کرتے چلے جاتے تھے.....

''مدھومتی'' کے حوالے سے ہم اس خدشے کا شکار تھے کہ ناظرین کہیں از سرنو تجسم کا نظریہ سمجھنے میں ناکام نہ ہوں..... لہٰذا ہم نے اس مقصد کے تحت کام کیا کہ فلم باکس آفس پر کامیابی حاصل کر سکے اور ہمیں اس کا معقول عطیہ بھی میسر آیا کیونکہ فلم کامیابی سے ہمکنار ہوئی..... اس فلم کے گانے اور جن اداکاروں پر وہ فلمائے گئے تھے ایک عظیم کامیابی تھی..... ان دنوں اس فلم کے گانے ریڈیو اور عوامی اجتماعات پر سنے جاتے تھے..... میں نے محسوس کیا یہ تجربہ بملدا کے لئے ایک کامیاب تجربہ تھا اگرچہ وہ ہمیشہ کی طرح خاموش ہی رہا اور یہ خوش کن تجربہ بھی اس پر اثر انداز نہ ہو سکا.....

وہ لوگ جو داستانیں تخلیق کرنے کی کوشش میں مصروف رہتے تھے وہ میرے اور وجنتی کے درمیان اس وقت ایک تعلق تلاش کرنے کی فعال کوشش کر رہے تھے جب میں نے ''گنگا جمنا'' میں اسے ''دھنو'' کے کردار کے لئے منتخب کیا..... واضح رہے کہ یہ فلم 1961ء میں نمائش کے لئے پیش کی گئی تھی..... اس سے قبل ہم چار کامیاب فلموں میں باہم اکٹھے کام کر چکے تھے..... حقیقت یہ تھی کہ میں اس کی ان تھک محنت کا مشاہدہ کر چکا تھا جو وہ اپنے کام کے حوالے سے کرتی تھی ..... اور وہ میرے ساتھ ''دیوداس'' میں کام کے ساتھ اپنی لگن اور ان تھک محنت کا مظاہرہ کر چکی تھی ..... اس نے کبھی یہ شکایت نہ کی تھی کہ وہ بار بار ریہرسل کی وجہ سے تھک گئی تھی..... میں نے محسوس کیا تھا کہ وہ کاملیت کے حصول کے لئے صبر و تحمل اور جذبے کی حامل تھی.....

www.UrduPoint.com

بطور ایک شریک اسٹار وہ ادب و آداب کا بخوبی مظاہرہ کرتی تھی اور سینئر اداکاروں اور یونٹ کے اراکین کے ساتھ عزت و احترام کے ساتھ پیش آتی تھی ..... وہ اپنی دادی (یادوگری دیوی) کے ساتھ سیٹ پر آتی تھی..... وہ ہر معاملے میں اپنی دادی کی بات مانتی تھی اور اس کی حکمرانی پر اعتراض نہ کرتی تھی..... جب ہم آؤٹ ڈور شوٹنگ کے لئے جاتے تھے..... وہ میرے اور یونٹ کے دیگر اراکین کے ساتھ مل کر بیڈمنٹن کھیلتی تھی جب کہ اس کی دادی اسے فخریہ انداز میں دیکھتی رہتی تھی..... وہ ایک اچھی کھلاڑی تھی اور اس کے ساتھ اکثر ہمارا مقابلہ بڑا منتخب ہوتا تھا.....

ایک موقع پر جب کہ ہم مدراس میں جمنی اسٹوڈیوز میں ''پیغام'' فلما رہے تھے..... وجنتی اور اس کی دادی نے یہ مناسب سمجھا کہ کھانے کی میز پر ہمارا ساتھ دیں جو عام طور پر جنوبی انڈیا کے ہلکے پھلکے کھانوں پر مشتمل ہوتی تھی..... وجنتی کے لئے ہمیشہ موسمی پھل اور دودھ فراہم کیا جاتا تھا..... ایسے مواقع پر اس کی دادی اس کے پاس بیٹھ جاتی تھی اور اسے مالٹے کھانے پر زور دیتی تھی اور اسے مالٹے چھیل چھیل کر پیش کرتی رہتی تھی جبکہ وہ مدراس اور شہر کی عظیم ثقافت کے بارے میں باتیں کرتی رہتی تھی.....

ایک شام یہ خبر گشت کر رہی کہ پنڈت جواہر لعل نہرو..... انڈیا کے وزیراعظم..... ایک یا دو دن بعد پیغام کے سیٹوں (SETS) کا دورہ کر رہے تھے..... میڈم یادوگر دیوی کو ہنوز یاد تھا کہ ایک تقریب کے موقع پر پنڈت جی مہمان خصوصی تھے اور وجنتی نے اس شام اس ثقافتی اجتماع میں پرفارم کیا تھا..... اس شام اور اگلی شام ہم نے جو کچھ سنا وہ پنڈت جی اور پاپا کے بارے میں تھا (تامل زبان میں پاپا کا

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

مطلب ہے بچہ..... اور وجنتی کا گھریلو نام تھا) اور یونٹ کے تمام اراکین نے پنڈت جی ..... پاپا کی داستان تجسس بھرے انداز میں سنی.....

بڑا دن آن پہنچا تھا اور ایس۔ ایس وسن صاحب..... جمنی اسٹوڈیوز کے بانی..... انہوں نے ہم سب کو اکٹھا کیا اور ہمیں بتایا کہ پنڈت جی کا استقبال کیسے کیا جائے گا اور انہیں کیسے ان کے دفتر میں لایا جائے گا..... وہ چاہتے تھے کہ میں استقبالیہ قطار کی سربراہی کروں لیکن میں نے انہیں بتایا کہ پنڈت جی وجنتی کو جانتے تھے اور انہوں نے اس کی تعریف بھی کی تھی..... لہٰذا میں نے یہ تجویز پیش کی کہ اسے میری جگہ لینی چاہئے..... میری تائید ایسے تمام لوگوں نے کی جنہوں نے پنڈت جی۔ پاپا کی داستان سنی تھی اور وسن صاحب مان گئے..... میں نے قطار کے آخر میں اپنی جگہ سنبھال لی.....

پنڈت جی وقت مقررہ پر پہنچ گئے اور جیسا کہ مدراس میں رواج ہے ان کا استقبال گلاب کے ایک ہار کے ساتھ اور چاندی کے مرتبان سے خوشبودار پانی چھڑکتے ہوئے کیا گیا..... انہوں نے یہ سب کچھ حیران کن سادگی کے ساتھ قبول کیا..... وسن صاحب نے ان کے ساتھ کھڑے ہوئے تھے اور میرا خیال تھا کہ وہ انتظار کر رہے تھے کہ پنڈت جی وجنتی کے ساتھ نمستے کریں اور وہ ان کی آنکھوں کے عین سامنے تھی..... اچانک پنڈت جی کی متلاشی آنکھوں کو میری ایک جھلک دکھائی دی..... میں قطار کے آخری سرے پر دور کھڑا تھا..... وہ تیز تیز قدموں سے چلتے ہوئے یہ کہتے ہوئے میری جانب بڑھنے لگے:.....

''میں نے سنا تھا تم یہاں پر موجود تھے اور میں نے یہاں آنے کا فیصلہ کیا۔''

وسن صاحب تیزی سے ان کے پیچھے بھاگے..... اور..... ایک لمحے میں..... پنڈت جی وہاں پہنچ چکے تھے جہاں پر میں کھڑا تھا..... انہوں نے اپنا بازو پھیلا کر محبت بھرے انداز سے میرے کندھے پر رکھا.....

انہوں نے مجھے جو شرف قبولیت بخشی میں اس کے لئے ہرگز تیار نہ تھا اور فوری طور پر مجھے محسوس ہوا کہ میں ملک کے اس قائد کے ہمراہ چل رہا تھا جس کی بے حد تعریف کی جاتی تھی اور جس سے بے حد محبت بھی کی جاتی تھی.....

پنڈت جی نے محض پندرہ منٹ اسٹوڈیو میں گزارے اور وہ زیادہ تر اس ذرائع کی امکانی قوت کے بارے میں بات کرتے رہے جو سماجی حوالے سے تھی اور معاشرے کے ناپسندیدہ رسم و رواج کو بدلنے کی خواہش کے حوالے سے تھی..... ان کے پاس نئی فلمیں دیکھنے کے لئے بہت کم وقت ہوتا تھا لیکن ان لوگوں کی وساطت سے ان کے علم میں بہت کچھ آجاتا تھا جن سے وہ اپنے ذاتی حلقے میں ملاقات کرتے تھے اور باہم روابط ہوتے تھے..... اس کے بعد ہم نے کی دادی کی زبانی پنڈت جی ..... پاپا داستان کبھی نہ سنی.....

©جملہ حقوق بحق ادارہ اُردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

ایس.....ایس وسن ایک شریف النفس انسان تھے.....ہم ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے اور ہم دونوں بہت جلد آپس میں دوست بن گئے.....وہ اسٹوڈیو کے مالک تھے اور جنوبی انڈین فلم انڈسٹری کی معزز ہستی تھے.....وہ میرے ساتھ گپ شپ لگانا پسند کرتے تھے اور مجھے وہ داستانیں سنایا کرتے تھے .....جنہوں نے ان کی زندگی پر اثرات مرتب کئے تھے یا نہیں کئے تھے.....انہوں نے مجھے ایک چھوٹے لڑکے کی داستان سنائی جو اپنے ایام اپنی ماں کے ساتھ ریلوے پلیٹ فارم پر گزارتا تھا جو مسافروں کو اخبارات اور رسائل فروخت کرتا تھا.....

اس نے مجھ سے بیان کیا کہ لڑکا کیسے رسائل اور اخبار اٹھا کر پلیٹ فارم کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک بھاگتا تھا اور چلا چلا کر ان رسائل اور اخبارات کے نام بیان کرتا تھا جنہیں وہ ان مسافروں کو فروخت کرتا ہوتا تھا جو ریل گاڑی کے ڈبوں میں بیٹھے ہوتے تھے.....جس وقت ریل گاڑیوں کی آمدورفت کے درمیان جو وقفہ ہوتا اس دوران وہ لڑکا آرام کرتا تھا تاکہ اپنے تھکے ہوئے پاؤں کو کسی قدر سکون فراہم کر سکے یا زیادہ تر وقت اس کی ماں اپنے اس بیگ پر سر رکھ کر سوئی رہتی تھی جسے وہ روزانہ اپنے ساتھ رکھتی تھی.....لڑکا کبھی سو نہ سکتا تھا.....لہٰذا وہ اخبارات اور رسائل پڑھتا رہتا تھا..... اسے اکثر انہیں پڑھنے میں دقت ہوتی تھی کیونکہ اس کے پاس تامل کا ذخیرہ الفاظ موجود نہ تھا.....بہرکیف وہ اس قدر جذب کر لیتا تھا جس سے اس کے جنرل نالج میں اضافہ ہوتا تھا.....شام کے وقت ماں اور بیٹا وہ رسائل ایجنٹ کو واپس کر دیتے تھے جو فروخت نہ ہوئے ہوتے تھے اور اپنی کمیشن وصول کرنے کے بعد سبزی خوری کے اسٹال کا رخ کرتے تھے اور ہلکا پھلکا کھانا کھاتے تھے جس سے اس لڑکے کا پیٹ کبھی نہ بھرا تھا.....

میں نہیں جانتا تھا کہ یہ داستان کیوں مجھے اس قدر تفصیل کے ساتھ سنائی گئی تھی..... مجھے یاد ہے کہ میں پوری توجہ کے ساتھ انہیں سنا کرتا تھا کیونکہ وہ عظیم داستان گو تھے.....اگر آپ مجھ سے یہ پوچھتے ہیں کہ انڈیا میں کامیاب ترین فلم بنانے والے کون ہیں یا دنیا میں کہیں بھی کامیاب ترین فلم بنانے والے کون ہیں.....میرا جواب یہی ہوگا کہ انڈیا میں یا دنیا میں کہیں بھی کامیاب فلم بنانے والے لوگ ایسے مرد اور عورتیں ہوتی ہیں جو یہ جانتی ہیں کہ داستانیں کیسے سنانی ہیں اور اس انداز سے سنانی ہیں کہ سننے والے کا ذہن ایک لمحے کے لئے بھی اِدھر اُدھر نہ بھٹکے.....وسن صاحب کے پاس ہر چیز کے لئے یا ہر کام کے لئے عظیم علم موجود تھا اور ایک تصور جو اس وقت سامنے آیا جب ہم نے ''پیغام'' کے سینوں (SCENES) کے بارے میں بحث کی.....

وہ جہاں کہیں بھی جاتے تھے مجھے اپنے ساتھ لے جاتے تھے اور ان کی صحبت میں رہتے ہوئے خوشی اور لطف محسوس ہوتا تھا کیونکہ ان کے پاس مدراس پریذیڈینسی اور ان عبادت گاہوں کی تاریخ کے بارے میں اس قدر علم موجود تھا جن کے قریب سے ہم دن کے ابتدائی گھنٹوں کے دوران یا شام کے وقت اپنی گاڑی میں سوار ہو کر گزرتے تھے جب گلیاں بازار کام کاج کرنے والے ایسے لوگوں سے بھرے ہوئے ہوتے تھے جو دن بھر کے کام کاج کے بعد اپنے گھروں کو واپس جا رہے تھے اور ان کے ہاتھوں میں اپنے گھروں کے لئے خریدی گئی سبزیاں.....کریانہ کا سامان وغیرہ وغیرہ ہوتا تھا.....کچھ گلیوں میں قطار در قطار پھولوں کے اسٹال ہوتے تھے جہاں سے عورتیں پھول خریدتی تھیں جو ان کے بالوں کی زینت بنتے تھے.....

وسن صاحب باتیں کرنا پسند کرتے تھے اور میں ان کی باتیں سننا پسند کرتا تھا.....ہم اکثر اگلے

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

دن کے کام کے بارے میں باتیں کرتے تھے اور وہ اکثر مجھ سے ایک ایسے سین کی بابت رائے طلب کرتے تھے جس کا انہوں نے تصور کیا ہوتا تھا اور وہ بڑی بے تکلفی کے ساتھ مجھ سے میرا نکتہ پوچھتے تھے.....

مجھے ہنوز یاد ہے میں ان کے ہمراہ ریل گاڑی میں مادھوری (مدراس کے جنوب میں تقریباً 460ء کلومیٹر کی دوری پر واقع .....اپنی میناکشی عبادت گاہ کے لئے مشہور) کا سفر طے کر رہا تھا جہاں ہم نے ایک چھاپہ خانہ کا معائنہ کرنا تھا جو وہ خریدنے کا ارادہ رکھتے تھے.....ریل گاڑی میں انہوں نے مجھے بتایا کہ وہ ایک ایسے سین کو فروغ دینے کے حوالے سے غیر یقینی کا شکار تھے جو ہم نے اگلے دن ''پیغام'' کے لئے فلمانا تھا جو کچھ اس قسم کا سین تھا کہ ہیروئن اپنے لئے ہیرو کے جذبات کا کھوج لگانے کے لئے اپنا تمام تر نسوانی مکر و فریب بروئے کار لاتی ہے.....انہوں نے کہا کہ وہ دلچسپ اور ظریفانہ صورتِ حال کی تخلیق کے لئے اپنے ذہن کا اطلاق کرتے رہے تھے لیکن ایسی صورتِ حال رونما نہیں ہو رہی تھی.....

ریل رفتار برق رفتاری کے ساتھ ایسے کھیتوں سے گزر رہی تھی جہاں پر عورتیں چمکدار رنگیں ساڑھیوں میں ملبوس اپنی دن بھر کی مزدوری کمانے کیلئے کھیتوں میں کام کر رہی تھیں اور وہ دوپہر کے وقت کی سورج کی تپش کو بھی خاطر میں نہ لا رہی تھیں.....ہم درجہ اول کے عمدہ ڈبے میں براجمان تھے اور وسن صاحب پُر امید انداز میں میری جانب دیکھ رہے تھے اور اس دوران انہوں نے اس تھرموس سے گرما گرم خوشبودار کافی پیالیوں میں انڈیلی جو ریل گاڑی کی ڈائننگ کار کا خادم ایک لمحہ قبل ہمارے لئے لایا تھا.....

میں نے انہیں بتایا کہ میں نے ایک غیر ملکی فلم دیکھی تھی جس میں ہیرو اور ہیروئن ایک عمارت کے ٹیرس پر ملتے ہیں جہاں پر انہیں چند بے خلل لمحات شیئر کرنے کی امید تھی ..... ہیروئن ہیرو سے پوچھتی ہے کیا اس سے ملاقات سے قبل اور اس کے ساتھ دوستی کرنے سے قبل وہ کسی لڑکی کے ساتھ ڈیٹنگ پر گیا تھا یا کسی لڑکی کی خواہش کی تھی.....وہ اسے بتاتا ہے کہ وہ اس سب کچھ کا انکشاف نہیں کرے گا کیونکہ یہ انکشاف اسے پریشان کر دے گا.....وہ اسے کہتی ہے کہ احمق مت بنو.....ہم جوان ہو چکے ہیں اور میرے پریشان ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا.....اس لڑکی کے بال اس کے چہرے پر گر رہے ہوتے ہیں اور وہ آگے کی جانب جھکتا ہے اور اس کے بالوں کو پیچھے کی جانب ہٹاتا ہے تاکہ اس کے چہرے کو واضح طور پر دیکھ سکے.....تب وہ اسے ایک لڑکی کے بارے میں بتانے کا آغاز کرتا ہے.....وہ لڑکی کے چہرے کا رنگ تبدیل ہوتے دیکھتا ہے اور اس کی آنکھوں سے اس کا اضطراب اور بے چینی عیاں ہوتی ہے.....بالآخر وہ اسے بتاتا ہے: ''دیکھو میں نے تمہیں بتایا.....'' وہ تقریباً رو رہی ہے.....وہ تب اسے بتاتا ہے کہ وہ جس لڑکی کا تذکرہ کر رہا تھا اور جس کے بارے میں اسے بتا رہا تھا وہ اس لڑکی کے علاوہ کوئی اور نہ تھی جو اس کے سامنے بیٹھی ہے.....

میں نے وسن صاحب کو مشورہ دیا کہ ہم اس سین کو کسی قدر مختلف انداز سے کر سکتے تھے.....ہیرو تمام تر باتیں کرے گا اور ہیروئن تأثرات کے ساتھ جواب دے گی یا اپنے ردعمل کا اظہار کرے گی .....وہ اسے اس عورت کی بابت بتاتا رہے گا جس کے ساتھ وہ محبت کرتا ہے اور اس کے حسد اور تجسس کو ابھارے گا.....وہ اپنے ردعمل کو چھپانے کی اپنی پوری کوشش کرے گی لیکن ناظرین دیکھ سکیں گے کہ اس کے تأثرات ظاہر کر رہے ہیں وسن صاحب نے مجھ سے پوچھا:.....

''تم تصور کرتے ہو اس کا بندوبست کیا جا سکتا ہے؟''

میں نے انہیں یقین دلایا کہ ہم اسے کر سکتے تھے.....

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

اگلے دن جب انہوں نے یہ سین وجنتی کے بیان کیا تب وہ بے حد خوش اور پر جوش تھے اور میں نے دیکھا کہ وجنتی بیچارگی کے ساتھ میری جانب دیکھ رہی تھی کیونکہ لائنیں تحریر نہیں کی گئی تھیں اور وہ نہیں جانتی تھی کہ میں کیا کہنے جا رہا تھا..... وہ اپنے تأثرات کو کیسے تیار کر سکتی تھی اگر وہ نہیں جانتی تھی کہ میں کیا بولنے جا رہا تھا؟

تب میں نے وسن صاحب سے کہا:.....

''آیئے ہم کچھ ریہرسل کرتے ہیں''

وہ حیران تھے کہ میری لائنیں تیار تھیں..... میں نے انہیں بتایا کہ لائنیں ریل گاڑی ہی میں اس وقت میرے ذہن میں موجود تھیں جب ہم سین زیر بحث لائے تھے اور ہم نے اسے حتمی شکل دی تھی ..... میرا خیال ہے کہ وسن صاحب اپنے جوش اور خوشی پر قابو نہ پا سکے جس انداز سے یہ سین فلمایا گیا..... اسے فلمانے کے کئی دن بعد تک وہ خوشی سے ہمکنار ہوتے رہے اور انہیں یقین تھا کہ یہ سین فلم میں چوٹی کا سین شمار کیا جائے گا.....

وسن صاحب لکھاریوں کا بے تحاشہ احترام کرتے تھے اور اچھی تحریروں کی بھی توقیر سرانجام دیتے تھے..... وہ بذات خود بھی ایک لکھاری تھے اور انہوں نے مختصر کہانیاں اور ناول تحریر کئے تھے..... وہ ایک تامل رسالے (انند اوکاٹن) کے چیف ایڈیٹر تھے جس کے بے تحاشہ قارئین تھے..... میں ان کا شکر گزار ہوں کہ ان کی وجہ سے مجھے مدراس پسند آیا..... جہاں پر مابعد آنے والے برسوں کے دوران میں منتقل اور مقیم ہونے کی خواہش رکھتا تھا.....

''نیا دور'' بنانے کے دوران میں نے محسوس کیا کہ وجنتی ایک اہل اداکارہ تھی اور وہ اپنے کردار کو بخوبی نبھاتی تھی..... میں جب ''گنگا جمنا'' کا اسکرپٹ تحریر کر رہا تھا..... میں نے اسے دھنو کے کردار کے لئے موزوں تصور کیا تھا بشرطیکہ وہ زحمت گوارا کرتے ہوئے بھوج پری بولی سیکھ لے (فلم میں یہی بولی استعمال کی گئی تھی) درست تلفظ کی ادائیگی کے ساتھ.....

''نیا دور'' بنانے کی کہانی بذات خود ایک چھوٹی سی کہانی ہے..... جب بی۔آر۔ چوپڑا نے کاغذ پر کہانی مکمل کی..... وہ اسے محبوب صاحب کے پاس لے گیا تا کہ اس پر ان کی رائے لی جا سکے..... وہ آزادی سے قبل کے برس تھے اور اسکرین لکھاری قومی فخر و ناز کو اجاگر کر رہے تھے اور بین الاقوامی فلم مقابلہ بازی کے لئے انڈین سینما کو ایک پلیٹ فارم عطا کرنے کی تحریک فروغ پا رہی تھی اور حصول مقصد کے لئے ایسے پلاٹس (PLOTS) کی تحقیق جاری تھی جو عالمگیر مناسبت اور تعلق کے حامل تھے..... محبوب صاحب نے کہانی پڑھی اور اس میں تفریح کا کوئی مواد نہ پایا..... انہوں نے کہا کہ اس کی ایک دستاویزی فلم تو بنائی جا سکتی تھی لیکن بطور ایک فیچر فلم یہ ایک عظیم آئیڈیا ہرگز نہ تھا.....

چوپڑا صاحب نے ایک سینئر فلم بنانے والے فرد کی رائے بڑے احترام کے ساتھ سنی..... لیکن وہ اپنے ذہن کو تیار کر چکے تھے کہ وہ فلم بنائیں گے بشرطیکہ میں اس میں اداکاری کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہوں..... انہوں نے مجھے اپنے آئیڈیا کا لب لباب بتایا..... میں نے ان کا آئیڈیا پسند کیا ماسوائے اس کے کہ بس تانگے سے ہار گئی تھی..... یہ مجھے منطقی دکھائی نہ دیا تھا..... تاہم میں نے اپنی سوچ کو اپنے آپ تک ہی محدود رکھا کیونکہ میں اس فلم کو قبول کرنا نہیں چاہتا تھا.....

©جملہ حقوق بحق ادارہ اُردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

بنیادی طور پر..... ایسا دکھائی دیتا تھا جیسے چوپڑا صاحب اور میرے مقدر میں باہم اکٹھا کام کرنا نہ لکھا تھا..... جب چوپڑا صاحب ''نیا دور'' کے اسکرپٹ کے ساتھ میرے پاس آئے تھے تب میں گیان مکھرجی کی اس فلم کے لئے وعدہ کر چکا تھا جو انہوں نے خصوصی طور پر میرے ساتھ ذہن میں تحریر کی تھی..... لہٰذا میں نے چوپڑا صاحب کو بتایا تھا کہ ان کے پراجیکٹ کو انتظار کرنا ہوگا حتیٰ کہ گیان مکھرجی کی فلم فلوروں کی زینت بنتی ہے اور وہ شوٹنگ مکمل کر کر لیتے ہیں..... ''نیا دور'' کی کہانی مجھے پسند آئی تھی لیکن میرے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ میں بیک وقت دو اسکرپٹوں پر کام کرتا کیونکہ اسی طرح سوچیں اور آئیڈیاز گڈ مڈ ہو جانے کا خدشہ تھا جو عمل دونوں فلموں پر بری طرح اثر انداز ہو سکتا تھا.....

میں نے انہیں وضاحت کرتے ہوئے بیان کیا کہ یہی وجہ تھی کہ میں نے ''پیاسا'' کرنے کے آئیڈیا کو خوش آمدید نہ کہا تھا (جب پروڈیوسر..... ڈائریکٹر گرودت نے مجھے اس کی پیش کش کی تھی) کیونکہ میں ان دنوں ''دیوداس'' کر رہا تھا اور اگرچہ ''پیاسا'' کا موضوع مجھ جیسے سینئر اداکار کے لئے بے حد مدعو کرنے والا تھا..... میں نے محسوس کیا تھا کہ ''دیوداس'' اور ''پیاسا'' کے ہیرو کے کردار میں مشابہت پائی جاتی تھی ..... منطق بے حد سادہ تھی ..... اگر میں سوچے سمجھے بغیر ''پیاسا'' قبول کر لیتا تب یہ ''دیوداس'' کے ساتھ ہی نمائش کے لئے پیش کی جاتی اور ایک فلم کو دوسری کا چربہ قرار دیا جا سکتا تھا اور اس طرح کاروباری نقصان کا احتمال تھا..... (صاحف ظاہر ہے گرودت نے ''پیاسا'' میں ہیرو کا کردار ادا کیا..... جو 1957ء میں نمائش کے لئے پیش کی گئی تھی).....

چوپڑا صاحب صاف ظاہر ہے مشکلات کا شکار تھے لیکن وہ انتظار کرنے پر رضامند ہو گئے ..... مقدر کے لکھے کو کون مٹا سکتا ہے..... گیان مکھرجی کی فلم مالی مشکلات کی بنا پر مکمل نہ ہو سکی اور میں ''نیا دور'' کو زیر غور لانے کے لئے تیار تھا.....

''نیا دور'' کی آؤٹ ڈور شوٹنگ کی حیران کن یادداشتیں جو ہنوز میرے ذہن میں موجود ہے وہ دوستی ہے جس نے میرے اور چوپڑوں کے درمیان فروغ پایا..... بلدیو راج..... بڑا چوپڑا اور یاش اور دھرم..... چھوٹے بھائی..... وہ ایک ہی مشترکہ محبت کے حامل تھے..... خوراک! مجھے یہ جان کر از حد خوشی ہوئی..... دھرم متواتر کیمرہ اسسٹنٹوں اور لائٹ مینوں کے ساتھ مصروف رہتا تھا کیونکہ اس بارے میں پیش گوئی کی جا سکتی تھی کہ دن کے آغاز پر فطری روشنیاں لوکیشن پر کیا رخ اختیار کرتی تھیں اور سورج غروب ہونے تک ان کی کیا کیفیت ہوتی ہے.....

یاش کو اس کے بڑے بھائی نے یہ کام تفویض کیا تھا کہ وہ میرے ساتھ رہے اور میری ضروریات کا خیال رکھے..... جلد ہی اس کے علم میں یہ بات آ چکی تھی کہ اس کی اور میری ضروریات ایک جیسی ہی تھیں..... ایک شخص کا ناشتہ..... ایک شخص کا دوپہر کا کھانا اور ایک شخص کا رات کا کھانا..... لہٰذا ہم دونوں کے درمیان اس بات پر اتفاق ہوا کہ ہم اپنا ناشتہ بذات خود تیار کیا کریں گے کیونکہ ہم دونوں ہی آملیٹ پسند کرتے تھے اور ہم جانتے تھے کہ باورچی ایک ڈھیلا ڈھالا سا کم ہمت مقامی لڑکا تھا جو عین ممکن تھا کہ ڈر جاتا اور سہم جاتا اگر وہ ان انڈوں کا شمار کرتا جو ہم استعمال کرتے تھے..... لہٰذا زیادہ تر ہم مارکیٹ سے انڈے خریدتے تھے ..... ہم پیاز کاٹتے اور پیاز اور ہری مرچ شامل کرتے اور اپنا آملیٹ اور بھرجی (ایک اور پکوان جو فرائیڈ انڈوں سے تیار کیا جاتا ہے) بناتے تھے..... ہمارے ناشتے کی خوشبو ان میزوں تک جا پہنچتی تھی جو باہر بچھائی گئی ہوتی تھی اور انڈوں کے دیگر شوقین اندر جھانکتے تھے اور ہماری دعوت میں شامل ہو جاتے تھے.....

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

میں آؤٹ ڈور کا کام پسند کرتا تھا کیونکہ یہ میرے جذبے کو آزادی پیش کرتا تھا..... میرا خیال ہے کہ اس کا تعلق میرے ان کھلنڈرے دنوں سے تھا جو میں نے بطور ایک لڑکا پشاور اور ڈیولالی میں کھلے مقامات پر گزارے تھے..... یہ چوپڑا صاحب کا آئیڈیا تھا کہ شوٹنگ بھوپال میں کی جائے اور انہوں نے دھرم کے ساتھ مل کر عین درست لوکیشنیں دریافت کی تھیں..... مجھے یاد ہے ہم ایک بہت بڑی سرکاری عمارت میں رہائش پذیر تھے جس کے قریب ہی ایک کھلی گراؤنڈ تھی جہاں پریاش اور اس کے ساتھ ساتھ میرے شریک فن کار اجیت..... جیون اور جانی واکر اور میں فٹ بال کھیلا کرتے تھے..... کبھی کبھار ہم جلد پیک کر لیتے تھے اور کبھی کبھار بذریعہ ریل گاڑی شوٹنگ کے لئے درکار ساز و سامان لانے میں تاخیر کا شکار ہو جاتا تھا اور شوٹنگ کا شیڈول متاثر ہوتا تھا.....

''نیا دور'' کی پروڈکشن کے دوران ہی میں نے اپنے ذہن میں ''گنگا جمنا'' کا کہانی کا تصور تشکیل دینے کا آغاز کر دیا تھا..... میں یہ فیصلہ بھی کر چکا تھا کہ اگر میں نے اس کام میں مزید پیش قدمی کی اور ''گنگا جمنا'' بنائی..... میں وجنتی کو نمایاں کردار میں کاسٹ کروں گا.....

''نیا دور'' کو بہت بڑی کامیابی نصیب ہوئی..... بمبئی کے مین سینما میں اس فلم کی نمائش کے 100 ویں ہفتے چوپڑا صاحب نے محبوب صاحب کو بطور مہمان خصوصی مدعو کیا..... یہ محبوب صاحب کی عالی ظرفی تھی کہ انہوں نے دعوت کو قبول کیا اور ناظرین کو بتایا کہ وہ کس قدر غلط تھے اور چوپڑا صاحب کس قدر درست تھے..... موضوع کی امکانی قوت کی پرکھ کے حوالے سے..... انہوں نے چوپڑا صاحب کی تعریف کی اور دو فلمساز فاتحانہ انداز میں اسٹیج پر کھڑے تھے جب کہ تمام سمتوں سے ان پر کرنسی سکے نچھاور کئے جا رہے تھے.....

جیسا کہ میں نے پہلے بھی تذکرہ کیا تھا..... ہمارے دور کے ناظرین اچھے سینما سے بے حد اثر پذیری قبول کرتے تھے..... وہ اپنی خوشی اور قدر دانی کا اظہار اسکرین پر کرنسی سکے نچھاور کرتے ہوئے کرتے تھے اور مقبول عام گانے پر رقص کرتے ہوئے کرتے تھے.....

باب نمبر 15

گھریلو محاذ پر

(ON THE DOMESTIC FRONT)

''جیسے ہی میں واپس ان برسوں میں جھانکتا ہوں جب میں اپنے پیشے میں ابھر رہا تھا اور اپنی ترجیحات وضع کر رہا تھا..... میں کامیابی کا ایک شعور محسوس کرتا تھا کہ میں آغا جی کی امیدوں پر پورا اترنے کا اہل بنا تھا اور انہیں یہ یقین دہانی عطا کی تھی کہ میں خاندانی ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھا سکتا تھا اور میں نے انہیں ان ذمہ داریوں سے آزاد کر دیا تھا کیونکہ وہ عمر رسیدگی کی شکست و ریخت کا شکار تھے۔''

جب کبھی میرے پاس گھر میں گزارنے کے لئے وقت موجود ہوتا تھا مجھے اماں کی عدم موجودگی محسوس ہوتی تھی..... ہم سب سے بڑھ کر آغا جی تھے جو ان کی عدم موجودگی کو بری طرح محسوس کر رہے تھے..... اماں ان کی بخوبی دیکھ بھال کرتی تھیں..... وہ ان کے لباس قرینے اور سلیقے کے ساتھ ان کی الماری میں رکھتی تھیں اور ان کے ذاتی سامان کو ایسی جگہ پر رکھتی تھیں جہاں پر اس کی موجودگی وہ پسند کرتے تھے.....

سکینہ آپا..... میری سب سے بڑی بہن..... وہ گھر چلانے کے حوالے سے ان کی امیدوں پر پوری نہ

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

اتری تھیں جس کی وجہ سے ان کے درمیان بکثرت لڑائی جھگڑا اور تکرار ہوتی رہتی تھی..... وہ کئی مواقع پر ان کے رعب جھاڑنے کی عادت کو پسند نہ کرتے تھے..... وہ دھوبی کے علاوہ ان عورتوں پر بھی اپنا رعب جھاڑتی تھیں جو گھر میں لیس وغیرہ اور ہاتھ کی کڑھائی کی اشیاء فروخت کرنے کے لئے آتی تھیں..... میری والدہ اس قسم کے لوگوں کے ساتھ انتہائی مہربانی اور شفقت سے پیش آتی تھیں اور وہ انہیں کھانا کھلائے بغیر خالی ہاتھ کبھی واپس نہ لوٹاتی تھیں..... مجھے یاد ہے ایک مرتبہ سکینہ آپا کے ساتھ میری منہ ماری اور تو تو میں میں اور بحث مباحثہ ہوا تھا جب اس نے اس حجام کے ساتھ بدتمیزی کی تھی اور درشت لہجہ اختیار کیا تھا جو میرے بال کاٹنے اور انہیں ''عمدہ'' اسائل سے سنوارنے کے لئے گھر آیا تھا.....

اس بیچارے شخص کو میرے بالوں کے حوالے سے مسئلہ پیش تھا جو جیٹ طیارے کی رفتار سے بڑھتے تھے اور دو ہفتے بعد ان کی تراش اور خراش کروانی پڑتی تھی..... وہ متواتر پریشان رہتا تھا کیونکہ وہ اس اسٹائل کے حامل نہیں بنتے تھے جس اسٹائل کا حامل وہ انہیں بنانا چاہتا تھا اور وہ اپنے پہلے والے اسٹائل میں واپس آجاتے تھے.....

اس کے کاروبار کو اس وقت چار چاند لگ گئے تھے جب میری فلمیں بالخصوص ''نیا دور'' (1957ء) سپرہٹ ہوئی تھیں اور گانا ''اڑن جب جب زلفیں تیری'' نے مقبولیت کے ریکارڈ توڑ دیے تھے..... نوجوان ہفتے بھر کے دوران اس کے پاس آتے رہتے تھے اور دلیپ کمار ہیئر کٹ کا مطالبہ کرتے تھے جو حقیقت میں کچھ بھی نہیں تھا ماسوائے ایسے گھنے بال جن کا انتظام وانصرام کرنا ناممکن تھا اور جو نافرمانی کرتے ہوئے میری پیشانی پر گرتے تھے.....

ایک دوپہر حجام گھر آیا اور میں نے اسے ہدایت کی تھی کہ اگر میں وقت پر گھر نہ پہنچا تب وہ میرا انتظار کرے..... لہٰذا وہ ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر میرا انتظار کرنے لگا اور میری بڑی بہن نے اس کی توہین کرتے ہوئے اس کی اوقات یاد دلا دی..... ابھی ان کی ''نوازشات'' جاری تھیں جب کہ میں ڈرائنگ روم میں داخل ہوا..... میں نے اس سے معذرت کی اور میں نے محسوس کیا کہ وہ غصہ کرنے کے بجائے سہما ہوا تھا..... بعد میں میں نے اس معاملے پر سکینہ آپا سے بات کی اور ہم ناخوشگوار بحث میں الجھ پڑے.....

میں آغا جی کے ساتھ زیادہ معیاری وقت گزارنے کا متمنی تھا لیکن افسوس کہ میری یہ خواہش پوری نہ ہوسکی ..... وہ اعصابی دردوں کا شکار تھے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اماں کی وفات کے بعد وہ زندہ رہنے کی تمنا سے دست بردار ہو چکے تھے..... تاہم انہوں نے کرافورڈ (مارکیٹ) کا ہفتے میں ایک مرتبہ اپنا دورہ جاری رکھا تھا اور وہ اپنی اس روش کو کبھی نہ بھولے تھے..... جوں جوں دن گزرتے گئے..... انہیں گاڑی میں بیٹھنے کے لئے اور گاڑی سے باہر نکلنے کے لئے مدد کی ضرورت محسوس ہوتی تھی..... اس کا یہ مطلب ہرگز نہ تھا کہ وہ چل نہ سکتے تھے یا معذور ہو گئے تھے..... یہ ان کے گھٹنے کی متواتر درد تھی جو انہیں اس وقت رکنے پر مجبور کر دیتی تھی جب وہ چل رہے ہوتے تھے..... ان کا سیدھا تن کر چلنے کا انداز..... ان کے چوڑے شانے..... ان کی آنکھوں کی چمک جب وہ مسکراتے تھے..... یہ سب کچھ جوں کا توں رہا تھا اور نوشاد میاں جوان کے قریبی دوستوں میں سے تھے..... انہوں نے ان کے اچھے نین نقش کی تعریف کرنے میں کبھی بخل سے کام نہ لیا تھا..... نوشاد میاں ان کے ان ملاقاتیوں میں شامل تھے جو روزانہ ان سے ملاقات کرتے تھے..... نوشاد میاں انہیں بامعنی اردو غزلیں اور شاعری سنایا کرتے تھے.....

©جملہ حقوق بحق ادارہ اُردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔

(C)-www.UrduPoint.com

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

پالی مالا میں ہمارے گھر کے اردگرد انڈیا کے مشرقی حصے کے لاتعداد لوگ آباد تھے..... انہوں نے کالج بنا رکھے تھے اور اپنے امتیازی طرز زندگی کی پیروی کرتے تھے..... میرا سب سے بڑا بھائی..... نور صاحب اپنی محبت پا چکے تھے اور میرا چھوٹا بھائی ناصر جو خوبصورت تھا وہ جہاں بھی جاتا نوجوان خواتین کی نگاہ کا مرکز بنا رہتا..... میں نے ایک مخصوص لڑکی میں اس کی دلچسپی محسوس کر لی تھی جو مجھے دیکھ کر مسکراتی تھی جب کبھی میں گاڑی میں وہاں سے گزرتا تھا..... میں اپنے بھائی کو اس کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے دیکھا کرتا تھا..... جب میں نے اسے باور کروایا کہ میں جانتا تھا کہ کیا چل رہا تھا تب وہ گھبرا گیا اور نور صاحب کی رومانس کی مانند جو ہماری سابقہ رہائش گاہ پر چلا تھا (ابتدائی باب میں اس کا تذکرہ کیا تھا) ..... ناصر کی حماقت بھی ناپختہ کاری کی بھینٹ چڑھ گئی.....

جب آغا جی شاذ و نادر ہی کرافورڈ مارکیٹ جاتے تھے کیونکہ وہ کاروبار میں اپنی دلچسپی کھو رہے تھے جیسا کہ فروٹ کی تجارت سے وابستہ ان کے کئی دوست ریٹائرڈ ہو چکے تھے اور انہوں نے اپنے کاروبار اپنے بیٹوں کو سونپ دیے تھے..... میں نے سوچا یہ درست تھا کہ نور صاحب..... جو سب سے بڑی اولاد تھے..... انہیں کاروبار چلانا چاہیے تھا اور مارکیٹ میں فیملی کی شہرت زندہ رکھنی چاہئے تھی..... میری مانند..... ناصر بھی فلموں میں تھا..... نہ ہی اس کے پاس اور نہ ہی میرے پاس وقت موجود تھا کہ کاروبار کی جانب توجہ دے سکتے..... میرے لئے یہ اس وقت تشویش کا معاملہ بنا جب چاچا عمر بھی بیمار پڑ گئے اور انہیں اب کاروبار کو جاری رکھنے میں کوئی دلچسپی باقی نہ رہی تھی.....

باندرا تا کرافورڈ مارکیٹ جاتے ہوئے ان دنوں زیادہ وقت نہ لگتا تھا..... قصبے کی جانب گاڑی چلاتے ہوئے خوشی محسوس ہوتی تھی جب میں نے کبھی کسی سے ملنا ہوتا تھا کیونکہ وہ سڑکیں جن پر آج کل گاڑیوں کی وجہ سے ٹریفک جام رہتا ہے اس وقت ان کا سینہ اس قدر وسیع ہوا کرتا تھا کہ ان پر کسی خدشے کے بغیر برق رفتاری کے ساتھ گاڑی چلائی جا سکتی تھی..... پارکنگ کے لئے لامحدود جگہ دستیاب ہوتی تھی جو مارکیٹ کے قریب ہی واقع تھی اور مارکیٹ کے بڑے داخلی راستے کے باہر بھی واقع تھی.....

جب میں تھکا ماندہ نہ ہوتا تھا یا اپنے کام کی بابت بہت زیادہ سوچ نہ کر رہا ہوتا تھا تب میں گاڑی چلانا پسند کرتا تھا..... میں گاڑی چلاتے ہوئے ہکس روڈ (جنوبی بمبئی میں) کا رخ کرتا اور جارج ریسٹورنٹ کی میز پر براجمان ہوتے ہوئے چکن یا مٹن بریانی کی پلیٹ کا آرڈر کرتا تھا..... بریانی کے ساتھ شوربہ بھی پیش کیا جاتا تھا اور اس کے علاوہ سبز سلاد کی ایک پلیٹ بھی پیش کی جاتی تھی..... تمام ویٹر مجھے میرے کالج کے دنوں سے جانتے تھے جب میں اپنی ٹیم کے لڑکوں کے ہمراہ اس وقت اس ریسٹورنٹ کا رخ کرتا تھا جب ہم فٹ بال کا میچ جیتتے تھے..... وہ جانتے تھے کہ میں اب ایک اداکار تھا لیکن اس سے اس انداز میں بہت کم فرق پڑتا تھا جس انداز سے وہ مجھے خوش آمدید کہتے تھے اور بڑی توجہ کے ساتھ مجھے وہ پکوان پیش کرتے تھے جن کا میں آرڈر کرتا تھا..... ایک دوپہر میں آغا جی کو بھی وہاں پر لے گیا..... ریسٹورنٹ کے باہر لوگوں کا ایک مجمع جمع ہو چکا تھا..... مینیجر ہماری میز پر آیا اور بتایا کہ باہر میرے پرستار موجود تھے جو میرے ساتھ ملاقات کرنے اور بات کرنے کے منتظر تھے..... آغا جی نے مجھ سے استفسار کیا کہ کیا ماجرا تھا اور میں نے انہیں پرستاروں کے بارے میں بتایا..... حیرانی کی بات تھی..... وہ خوش دکھائی دیے اور مجھے کہا کہ جاؤ اور بغیر کسی تاخیر کے ان کے ساتھ ملاقات کرو.....

میں نے سنسنی اور ہیجان محسوس کیا اس وجہ سے نہیں کہ وہ لوگ جو میرے کام کو پسند کرتے تھے وہ بالکل غیر متوقع طور پر مجھ سے ملنے کے لئے آئے تھے بلکہ اس وجہ سے کہ میں نے اس دن آغا جی کی

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

آنکھوں میں فخر و ناز کی جھلک دیکھی تھی..... واپسی پر وہ اس طرح خاموش تھے جس طرح وہ ہمیشہ خاموش رہا کرتے تھے..... گھر پہنچنے کے بعد..... میں نے انہیں تمام واقعہ چاچا عمر کو بیان کرتے ہوئے سنا اور انہوں نے یہ واقعہ ایک بچے جیسی خوشی اور ایک فخر و ناز کرنے والے باپ کی مسرت کیساتھ بیان کیا.....

آغا جی کسی ایسے پروڈیوسر کے ساتھ ملاقات نہیں کرتے تھے جو مجھ سے ملاقات کرنے کے لئے گھر آتے تھے..... تاہم..... جب کبھی راج کپور آتے تھے..... وہ ان کے ساتھ ملاقات کر کے خوش ہوتے تھے اور وہ ان سے پرتھوی راج کے بارے میں بڑے اشتیاق کے ساتھ دریافت کرتے تھے..... وہ محبوب صاحب کو تھوڑا بہت جانتے تھے..... وہ مطمئن تھے محض یہ جانتے ہوئے کہ اگرچہ ان کے بیٹے نے اپنے نام کے ساتھ او بی ای لگانے کا ان کا خواب پورا نہ کیا تھا لیکن وہ یقیناً ایک کامیابی حاصل کرنے والا تھا..... کبھی کبھار چاچا عمر میرے پاس آتے تھے اور سرگوشی کرتے ہوئے کہتے تھے کہ آغا جی نے کیسے وہ اخبار تہہ کر کے احتیاط کے ساتھ اپنے بستر کے قریب رکھا تھا جس میں میری فوٹو چھپی تھی اور انہوں نے فوٹو پر ایک نظر ڈالنے کے بعد اسے احتیاط سے تہہ کر کے محفوظ کر لیا تھا..... حیرانی کی بات تھی کہ انہوں نے کبھی مجھ سے استفسار نہ کیا تھا کہ میں نے فلمی نام کیوں اختیار کیا تھا..... خلقی حکمت کی فراوانی اور اس دنیا کے باسی ہونے کے ناطے وہ وجوہات کو بخوبی سمجھ چکے ہوں گے.....

وہ بے حد خوش تھے کہ میں یہ اصرار کر رہا تھا کہ میری چھوٹی بہنیں بہترین اداروں میں تعلیم حاصل کریں... اگرچہ انہوں نے زبان سے کبھی نہ کہا تھا لیکن وہ اس سوچ کے حامل تھے کہ اگر سکینہ آپا نے بھی انگلش میڈیم اسکول میں تعلیم حاصل کی ہوتی تب وہ بھی منفی رویے کی حامل نہ ہوتیں... وہ جانتے تھے کہ یہ میری اولین ترجیح تھی کہ میرے چھوٹے بہن بھائی معروف اسکولوں اور کالجوں میں تعلیم حاصل کریں تا کہ وہ ترقی کرتی ہوئی اس دنیا کے چیلنج کا مقابلہ کر سکیں جس میں وہ پروان چڑھ رہے تھے.....

جیسے ہی میں واپس ان برسوں میں جھانکتا ہوں جب میں اپنے پیشے میں ابھر رہا تھا اور اپنی ترجیحات وضع کر رہا تھا..... میں کامیابی کا ایک شعور محسوس کرتا تھا کہ میں آغا جی کی امیدوں پر پورا اترنے کا اہل ثابت ہوا تھا اور انہیں یہ یقین دہانی عطا کی تھی کہ میں خاندانی ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھا سکتا تھا اور میں نے انہیں ان ذمہ داریوں سے آزاد کر دیا تھا کیونکہ وہ عمر رسیدگی کی شکست و ریخت کا شکار تھے..... میرا نہیں خیال کہ میرے بڑے بھائی نور صاحب اور میرے چھوٹے بھائی حقیقت میں یہ جانتے تھے کہ مجھے گھریلو اخراجات پورے کرنے کیلئے..... فیس..... لباس..... جیب خرچ..... کتب..... روزمرہ کا سفر اور وغیرہ وغیرہ جیسے اخراجات کی تکمیل کے لئے کیا پاپڑ بیلنے پڑتے تھے.....

مجھے یاد ہے کہ 1940ء کے عشرے کے اواخر میں ایک پروڈیوسر رقم سے بھرے ہوئے ایک سوٹ کیس کے ہمراہ میرے پاس آیا..... اس کے پاس اس فلم کا اسکرپٹ بھی موجود تھا جو وہ بنانا چاہتا تھا..... میں نے اسے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا یا سنا تھا..... اس نے مجھے کہانی سنائی اور میں سنتا رہا حتیٰ کہ وہ ایک نکتے پر آیا جہاں پر ہیرو بھینس پر سوار ہو کر گاؤں میں گھومنا شروع کرتا ہے..... میں نے اسے وہاں پر روک دیا اور پوچھا:.....

''ایک بھینس کیوں؟''

اس نے جواب دیا کہ یہ اس کا آئیڈیا تھا ہیرو کے کردار میں مزاح کا رنگ بھرنے کے لئے..... جب میں نے اس سے دریافت کیا میں اسکرپٹ میں ضروری تبدیلیاں کر سکتا تھا..... اس نے کہا ہاں میں ایسا کر سکتا تھا لیکن بھینس نے موجود رہنا تھا..... میں نے چوری چھپے میز پر پڑے ہوئے بریف کیس

itsurdu.blogspot.com

کی جانب دیکھا..... جس میں وہ نقد رقم موجود تھی جس کی اس مرحلے پر مجھے اشد ضرورت تھی..... یہ کھڑکی سے آنے والی ہوا سے کسی قدر ہل رہا تھا اور خاموشی سے مجھے اپنی جانب متوجہ کر رہا تھا.....

میں نے تب نرمی کے ساتھ اور بڑی سہولت کے ساتھ کہانی سننے پر مزید وقت صرف کرنے سے انکار کر دیا اور اسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ میں اس قدر متاثر کن کہانی اور اس قدر بھاری رقم سے منہ موڑ رہا تھا..... میرے لئے یہ گراں قدر تجربہ تھا کیونکہ اس قسم کے بے تحاشہ فلمساز موجود تھے جو میری مقبولیت سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے جس سے میں لطف اندوز ہو رہا تھا..... میں نے جس بے ساختگی کے ساتھ بریف کیس کو انکار کیا تھا اس سے میری عزت نفس میں اضافہ ہوا تھا اور میرے اس عہد کو تقویت میسر آئی تھی کہ اپنی شرائط پر ہی کام کروں گا.....

جب اماں ہمیں چھوڑ کر چلی گئیں تب میں فطری طور پر آغا جی کی تنہائی اور درد کو بخوبی محسوس کر سکتا تھا..... ایسا دکھائی دیتا تھا جیسے وہ ایک خلا میں زندگی بسر کر رہے تھے اور وہ اپنے زندہ رہنے کی خواہش کھو بیٹھے تھے..... وہ 5 مارچ 1950ء میں بڑے پرسکون انداز سے اس دنیا سے رخصت ہو گئے اور ہمیں سوگوار چھوڑ گئے..... میں نے ان کی خبر انڈسٹری میں کسی کو نہ دی کیونکہ میں مصروف اور مادہ پرست لوگوں سے مصنوعی ہمدردی نہیں سمیٹنا چاہتا تھا جو انہیں جانے تک نہ تھے اور یہ بھی نہ جانتے تھے کہ وہ میرے لئے کیا تھے..... محض راج کپور..... نوشاد میاں..... محبوب صاحب..... اشوک بھیا..... بلمدا..... نیتندا..... ایس۔ مکھر جی صاحب..... فیملی ڈاکٹر..... قریبی رشتے دار اور آغا جی کے کچھ دوست احباب مجھے تسلی دینے کیلئے موجود تھے اور میں نے بڑی خاموشی کے ساتھ اپنی زندگی کی ایک بیش قیمت ہستی کا نقصان برداشت کیا تھا..... جیسا کہ آغا جی کی خواہش تھی..... ان کے جسد خاکی کو ڈیولالی میں میری والدہ کی قبر کے قریب ہی سپرد خاک کیا گیا.....

©جملہ حقوق بحق ادارہ اُردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com
itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

فلم بنانے کی جان فشانی:

گنگا جمنا اور بعد

(THE TRAVAILS OF FILM MAKING: GUNGA JUMNA AND AFTER)

''فلم بنانا.....آرٹ کی دیگر طرزوں کے برعکس.....مثال کے طور پر مصوری یا شاعری تحریر کرنا.....اس فن کا ابلاغ کے ساتھ بے تحاشہ تعلق ہوتا ہے.....میرا مطلب ہے اداکار اور ہدایت کار کے درمیان ابلاغ .....ہدایت کار اور کیمرہ مین کے درمیان اور آرٹ ڈائریکٹر.....ہدایت کار اور ایڈیٹر کے درمیان.....فن کار اور کیمرہ مین کے درمیان اور وغیرہ وغیرہ.....اگر منصوبہ بندی بخوبی سرانجام دی جاتی ہے.....اس کی جھلک حتمی مصنوعہ میں دکھائی دیتی ہے.....اگر نہیں.....یہ مصنوعہ کی دھجیاں بکھیر دیتی ہے۔''

زندگی نے رواں دواں رہنا تھا اور میرے تحت الشعور میں ''گنگا جمنا'' کی کہانی فروغ پا رہی تھی.....میری لئے یہ ضروری تھا کہ اپنے بھائی ناصر کو دوبارہ میدان میں اتارا جائے.....کیونکہ چند فلموں میں اداکاری کے جوہر دکھانے کے بعد اس کا کیریئر زوال کا شکار تھا.....اور مجھے اپنا پروڈکشن ہاؤس بھی قائم کرنا تھا.....موضوع ایسا تھا کہ اسے فلم میں اس انداز سے ڈھالنے کے لئے بے تحاشہ سرمایہ کاری کی ضرورت تھی جس انداز سے میں نے اس کا تصور کیا تھا.....اگرچہ مارکیٹ میں دولت کا قحط نہیں پڑا ہوا تھا لیکن میں جانتا تھا کہ مجھے محتاط ہو کر چلنا تھا اور کسی بھی قسم کے منفی اثرات سے محفوظ رہنا تھا.....

میں شاپور جی مستری اور پالون جی مستری کو بخوبی جانتا تھا.....میری ان کے ساتھ ان کے گھروں میں غیر رسمی ملاقات ہو چکی تھی اور جس انداز سے خواتین نے اس وقت کچھ لطیف اور نفیس ایرانی پکوان میز پر سجائے جب ہم چائے نوش کرنے کے لئے میز پر بیٹھے اس وقت مجھے وہ پکوان یاد آ گئے جو ہمارے پشاور والے گھر میں میز پر اس وقت سجائے جاتے تھے جب چھٹیوں میں فیملی اجتماعات کا اہتمام کیا جاتا تھا.....وہ اچھے اور مہمان نواز لوگ تھے اور میں انہیں اس وقت سے جانتا تھا جب انہوں نے اس وقت کے۔آصف کی مالی پشت پناہی کا آغاز کیا تھا جب وہ ''مغل اعظم'' بنا رہے تھے.....شاہ پور جی نے مجھ سے ''گنگا جمنا'' کی کہانی سنی اور اسے زبردست قرار دیا.....انہیں اس کہانی کے جاندار ہونے میں کوئی شک نہ تھا لیکن میرے بھائی ناصر نے محسوس کیا کہ میرے لئے یہ ایک بہتر آئیڈیا نہ تھا کہ میں قانون کی حمایت سے مجرم ایک شخص کا کردار ادا کروں.....اس کا اصرار تھا کہ عوام مجھے ڈاکوؤں کے ساتھ شامل ہونے کے حوالے سے پسند نہیں کرے گی اور ان کی قانون شکنی میں پناہ لیتے ہوئے پسند نہیں کرے گی اور ظالم زمیندار کے پاس واپس جاتے ہوئے جو اپنی ہی بہن کے زیورات چوری کرتا ہے اور چوری کا جرم گنگا کی غریب اور ایماندار ماں پر عائد کرتا ہے (میں گنگا کا کردار ادا کرنے کی منصوبہ بندی کر رہا تھا اور ناصر جمنا کا کردار ادا کر رہا تھا.....پولیس کا ایک سپاہی).....ناصر موضوع پر مضبوط نکتہ ہائے نظر کا حامل تھا اور اس نے مجھے اس بابت غور کرنے اور سوچ بچار کرنے کا مشورہ دیا.....

میں نے اس کے بارے میں سوچا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ مجھے اپنا کام جاری رکھنا چاہیے کیونکہ شاپور جی فلم کی کامیابی کے حوالے سے پر اعتماد تھے.....

میں نے اسکرپٹ میں اس بھائی کے درمیان بنیادی اختلاف پر جس قدر زیادہ کام کیا جس

itsurdu.blogspot.com

میں نے اسکرپٹ میں اس بھائی کے درمیان بنیادی اختلاف پر جس قدر زیادہ کام کیا جس نے ملک کے قانون کی بالادستی قائم رکھنی تھی اور وہ بھائی جو قانون سے راہ فرار اختیار کرتا ہے..... جو امیر اور طاقتور کی حمایت کرتا ہے اور غیر منصفانہ انداز سے غریبوں اور بے سہارا لوگوں پر الزام لگاتا ہے..... میں اسی قدر زیادہ محسوس کرتا تھا کہ میرے لئے وہ وقت آن پہنچا تھا کہ ایک ایسی فلم بناؤں جو دیہی انڈیا کے لوگوں کے کچھ نازک مسائل کو اجاگر کرے جنہوں نے غیر ملکی تسلط سے آزادی کے بعد بہت کم حصہ پایا تھا..... مظلوم کسان اور کاشت کار غلامی کی زندگی گزار رہے تھے اور زمیندار ان کا استحصال کرنے میں مصروف تھے..... آج کل بھی صورت حال میں زیادہ تبدیلی واقع نہیں ہوئی ہے..... محبوب خان کی ''مدر انڈیا'' (1957ء) اور ''گنگا جمنا'' (1961ء) دونوں کے تقریباً نصف صدی بعد بھی ..... ان فلموں میں زمینداروں کے اس استحصال کو آشکار کیا گیا تھا جو وہ ان کسانوں اور کاشت کاروں کا کرتے تھے جو ان کی زمینوں پر کاشت کاری کرتے تھے.....

محبوب صاحب نے اسی قسم کے مشن کے ساتھ ''مدر انڈیا'' بنائی تھی اور یہ فلم محبوب صاحب کے لئے ایک کلاسیک مطالعہ ثابت ہوئی جو انڈیا کی اس دیہی معیشت کو آشکار کرتی تھی جو عرصہ دراز سے سود پر رقم قرض دینے کے نظام پر مشتمل تھی ..... جب محبوب صاحب 1950ء کے عشرے کے آغاز میں ''مدر انڈیا'' میرے ساتھ زیر بحث لائے..... میں نے سوچا یہ ایک شاندار آئیڈیا تھا اور بروقت نظریہ تھا اور اسے ہر قیمت پر بننا چاہیے تھا..... وہ جو کردار مجھے پیش کرنا چاہتے تھے وہ ہیروئن نرگس کے بیٹوں میں سے ایک بیٹے کا تھا..... میں نے یہ انکشاف کیا کہ وہ اور میں اس سے پہلے والی فلموں میں جو رومانس کر چکے ہیں مثلاً ''میلہ'' (1948ء) اور ''بابل'' (1950ء)..... ان کے حوالے سے یہ بے جوڑ ہوگا ..... اور اس میں کوئی شک نہ تھا کہ وہ ایک لاجواب انتخاب تھی ..... یہ ضروری تھا کہ اہم ترین کردار اور کہانی کا محور ہونے کے حوالے سے اسے کاسٹ میں ایسی پوزیشن دی جاتی جو ناقابل چیلنج تھی ..... اس کے علاوہ میرا کوئی موڈ نہ تھا کہ میں دوبارہ المیہ کردار ادا کرتا.....

محبوب صاحب اپنی فلموں کی زبردست کاسٹ کے حوالے سے معروف تھے ..... انہوں نے ''آن'' (1952ء) میں مجھے ایک دیہاتی کے کردار میں کاسٹ کیا تھا اگرچہ اس وقت عوام کے ذہنوں پر میری المیہ اداکاری کا تاثر چھایا ہوا تھا اور انہوں نے اس کے برعکس کام کیا تھا..... وہ ناممکن کام کرنے میں بے حد خوشی محسوس کرتے تھے اور ان کے تجربات کی کامیابی پر انہیں جو داد تحسین ملتی تھی اس پر بھی وہ بے حد خوشی اور راحت محسوس کرتے تھے..... ''آن'' عالمی سطح پر ہٹ ہوئی تھی اور انہیں یہ اعزاز بھی حاصل ہوا تھا کہ انہوں نے انڈیا کی پہلی ٹیکنی کلر فلم بنائی تھی..... بہرکیف میں نے اس وقت ان کے ساتھ اتفاق نہ کیا جب وہ ''مدر انڈیا'' میں مجھے نرگس کے بیٹے کے طور پر کاسٹ کرنا چاہتے تھے.....

''گنگا جمنا'' کی جانب واپس آتے ہوئے ..... میں شاپور جی کو بتایا کہ میرا ارادہ تھا کہ میں شمالی انڈیا کے اندرونی حصوں کا دورہ کرنا چاہتا تھا..... بالخصوص پہلے اتر پردیش اور مدھیا پردیش میں اور تب میں تمام تر اندرونِ مہاراشٹر کا سفر طے کرنا چاہتا تھا.....

میں نے ان ڈائیلاگ کا حامل بننے کا فیصلہ کیا تھا جو اس بولی میں تھے جو میں نے بطور ایک نوعمر لڑکا ڈیولالی میں مالی کے کچن میں سنے تھے (جیسا کہ ابتدائی باب میں تذکرہ کیا گیا تھا) اور میرے تحت الشعور میں موجود تھے کیونکہ میں نے اپنے تحت الشعور میں ان کا ذخیرہ کر رکھا تھا..... اس عمر میں میں نہیں جانتا تھا کہ یہ یوپی یا بہاری بولی تھی..... یہ مسحور کن محسوس ہوئے تھے اور ان کے تحت کچھ جذبات کا

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

اظہار بخوبی کیا جاسکتا تھا..... جس انداز سے بہاری..... مالی اور اس کی بیوی..... پھول وا..... بات کرتے تھے اور جھگڑا کرتے تھے وہ حیران کن ہونے کے ساتھ ساتھ ڈرامائی بھی تھا..... مجھے اس بولی کو دوبارہ سننے اور محسوس کرنے کی ضرورت تھی کیونکہ اسے اپنی فلم میں استعمال کرنا چاہتا تھا.....

میں اس ہوا میں سانس لینا چاہتا تھا جس میں کردار گنگا اور جمنا پروان چڑھے تھے اور ان لوگوں کے دکھ درد اور تکالیف سے آشنا ہونا چاہتا تھا جو دھرتی کا سینہ چیر کر اناج اگاتے تھے اور ان کی محنت کا معاوضہ بے رحم زمینداروں کی جیبوں میں چلا جاتا تھا..... علم کے حصول کی خاطر جاننا ایک الگ بات ہے اور بطور لکھاری اس کا احساس حاصل کرنا ایک بالکل مختلف بات ہے..... میں نہ صرف بطور ایک پروڈیوسر اور اداکار انچارج تھا بلکہ اسکرین پلے کے لکھاری کے طور پر بھی انچارج تھا اور میں ایک محرک چیلنج کے تجربے سے ہمکنار ہو رہا تھا..... ایک لحاظ سے..... میں اس حقیقت سے بخوبی آشنا تھا کہ کئی سطحات پر میری پرکھ کی جارہی تھی اور اس سوچ سے میں قطعاً ہراساں نہ ہوا بلکہ مجھے تحریک میسر آئی.....

گنگا کا کردار ادا کرنے کے حوالے سے حیران کن امر یہ تھا کہ میرے لئے قطعاً مشکل نہ تھا ..... یعنی میرے لئے کہانی کی جذباتی لہر کو سمجھنا قطعاً مشکل کام نہ تھا بالخصوص اسمارٹ سے چھوٹے بھائی کی چاہت اور تحفظ کا احساس..... یہ مجھے واپس میرے بھائی ایوب صاحب کے ساتھ میرے تعلقات کی جانب لے گیا جو عقل اور ذہانت کے اعتبار سے ہم سب سے آگے تھے اور میں ہمیشہ یہ محسوس کرتا تھا کہ وہ انتظامیہ میں کوئی اہم ہستی بن سکتے تھے اگر وہ صحت کے اعتبار سے ناتواں نہ ہوتے..... میں نے اپنے تمام تر چھوٹے بھائیوں اور بہنوں کے لئے عظیم آرزوؤں اور تمناؤں کی بھی آبیاری کی تھی اور ان کی ضروریات کو اپنی ضروریات پر ترجیح دینے میں کبھی ہچکچاہٹ کا مظاہرہ نہیں کیا تھا تاکہ وہ تعلیم حاصل کر سکیں اور اپنی تمناؤں اور آرزوؤں کی تکمیل کر سکیں..... لہٰذا بطور ایک کردار گنگا میرے لئے ناآشنا ہرگز نہ تھا دیگر بہت سی فلموں کے برعکس جہاں پر میں نے محسوس کیا جیسے کہ میری اپنی ذات ایک جانب تھی اور ایک دوسری شخصیت..... کردار..... دوسری جانب تھا اور ان دونوں کو باہم اکٹھا کرنا میرے لئے مشکل ہوتا تھا.....

حال ہی میں..... جب ہم اتفاقیہ گپ شپ میں مصروف تھے..... امیتابھ بچن نے میرے ساتھ تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ الٰہ آباد میں بطور ایک طالب علم اس نے ''گنگا جمنا'' بار بار دیکھی تھی یہ سمجھنے کیلئے کہ ایک پٹھان کیسے اس قدر آسانی کے ساتھ یوپی کے ایک گنوار دیہاتی کا کردار ادا کر رہا تھا اور اس قدر آسانی اور سہولت کے ساتھ بولی بول رہا تھا..... میرا خیال ہے اس کا تبصرہ جائز تھا..... یہ کسی بھی پٹھان کے لئے مشکل تھا کہ وہ گنگا کی شخصیت اور بولی کے ساتھ ہم آہنگی استوار کر سکے..... اس کے باوجود بھی یہ پٹھان..... جس کی داستان کا آپ مطالعہ کر رہے ہیں..... اس نے محتاط مطالعہ..... بے شمار ریہرسل اور کامیابی کے حصول کے مزاج کے ساتھ اس کردار کو نبھایا تھا جو اس کیلئے نیا تھا.....

©جملہ حقوق بحق ادارہ اُردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

میں جانتا تھا کہ ''گنگا جمنا'' کا میرا اسکرپٹ بطور ایک اداکار میرے لئے فوائد کا حامل تھا..... اگرچہ کردار قانون کی غلط سائیڈ پر تھا..... یہ میرے لئے ضروری تھا کہ ناظرین کو ان وجوہات سے آشنا بناؤں جن کے تحت اس نے ایک ایسی طرز زندگی اختیار کی جو قانون سے بغاوت قرار دی جاتی تھی اور میں اسے ایسی طرز زندگی اختیار کرنے کی سزا بھی دلوانا چاہتا تھا..... تاہم اگرچہ وہ ان حالات کے حوالے میں درست رہا ہوگا جن حالات کا وہ شکار ہوا تھا..... گنگا..... میں نے فیصلہ کیا..... اسے قانون سے کوئی اعانت نہیں ملنی چاہئے جب وہ یہ وضاحت پیش کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ وہ اس جال کا شکار ہوا تھا جو زمیندار نے اس کے لئے بچھایا تھا اور یہ کہ وہ محض قانون سے بغاوت کرتے ہوئے ہی طاقت ور جاگیردارانہ نظام سے لڑسکتا تھا.....

جب میں ''گنگا جمنا'' کہانی اور اسکرین پلے تحریر کررہا تھا..... میرا بھائی ناصر..... جسکی فلمی دنیا میں واپسی کیلئے یہ فلم بنائی جارہی تھی..... اُسنے مجھے بتایا کہ میں ایک غلطی کررہا تھا..... جیسا کہ پہلے تذکرہ کیا جاچکا ہے..... وہ محسوس کرتا تھا کہ لوگ مجھے ایک ڈاکو، لٹیرا اور قانون شکن کے طور پر دیکھنا پسند نہیں کریں گے..... میں نے اس معاملے پر سنجیدگی کے ساتھ غور کیا اور میں نے کوئی بھی ایسی تبدیلی کرنے کا فیصلہ نہ کیا جس کا مشورہ مجھے میرے دوستوں اور بہی خواہوں نے دیا تھا اور میں نے آگے بڑھنے کا فیصلہ کیا ..... صاف ظاہر ہے فلم نے شاندار ردعمل کا مظاہرہ کیا اور میں نے بے حد تعریف سمیٹی.....

جب ہم برطانیہ میں پائن ووڈ اسٹوڈیو میں تھے..... یہ 1960ء کے موسم گرما کے کسی وقت کا تذکرہ ہے..... ہم ٹیکنی کلر کے پراسس کے لئے وہاں موجود تھے..... لیبارٹری کے ٹیکنیشن فلم سے بے حد متاثر ہوئے تھے اور انہوں نے مشورہ دیا کہ ہمیں فلم کو آسکر ایوارڈ کے لئے پیش کرنا چاہیے کیونکہ یہ جاگیرداروں اور زمینداروں کے اس تشدد اور ظلم اور بربریت کی عکاسی کرتی ہے جس کا نشانہ وہ مظلوم کسانوں کو بناتے ہیں اور وہ یہ کھیل آزاد انڈیا میں کھیلتے ہیں ان کے باوجود بھی مظلوم کسان ایمانداری اور دیانت داری کا مظاہرہ کرتے ہیں اگرچہ وہ غریب اور مظلوم ہوتے ہیں..... وہ پرفارمنس کے علاوہ رنگدار گانوں کے تسلسل اور دیہی مناظر کی عین درست عکاسی کی بھی تعریف کرتے نہ تھکتے تھے.....

جب ''گنگا جمنا'' چیکوسلاویکیا..... بوسٹن اور قاہرہ میں نمائش کے لئے پیش کی گئی..... مجھے فلمی نقادوں نے گھیر لیا..... جنہوں نے فلم کو سراہا اور میری اداکاری ان کے تجسس کو ابھار رہی ہے..... وہ یہ جاننے کے حوالے سے تجسس کا شکار تھے کہ اس فلم کے حوالے سے کس قدر تحقیق کی گئی کیونکہ ''گنگا جمنا'' جیسی فلم ان کے ممالک میں بے تحاشہ مطالعہ اور غور وغوص کے بعد بنائی جاتی..... میں نے انہیں بتایا کہ میں نے اسکرپٹ..... کرداروں..... بھوج پری بولی اور کہانی کے منطقی انجام وغیرہ پر کس قدر کام کیا تھا ..... اس فلم کی ایک اور خوبی اس کی موسیقی تھی جو نوشاد میاں نے دی تھی جن کی اس فلم کی فلمی دھنیں آج بھی مقبول عام ہیں.....

''گنگا جمنا'' کی کامیابی نے لکھاریوں کو بے حد متاثر کیا اور وہ ان خطوط پر سوچنے لگے کہ ہیرو کو منفی کردار بھی دینا چاہئے..... میں نے پہلے بھی ''ہیرو مخالف'' کردار ادا کئے تھے..... مثال کے طور پر ..... میں محبوب خان کی فلم ''امر'' (1954ء) میں جو کردار ادا کرچکا تھا وہ ایک شرمناک حرکت کا مرتکب ہونے کا کردار تھا اور ایک روایتی ہیرو کا کردار ہرگز نہ تھا..... ضیا سرحدی کی فلم ''فٹ پاتھ'' میں مَیں نے جو کردار ادا کیا تھا وہ ایک بلیک مارکیٹنگ کرنے والے کا کردار تھا..... تاہم وہ فلمیں اس قدر کامیاب نہ تھیں جس قدر ''گنگا جمنا'' تھی..... ''گنگا جمنا'' میں ہیرو اگرچہ قانون کی غلط سائیڈ پر تھا لیکن اسے ناظرین کی

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

ہمدردی حاصل تھی اور کہانی میں اختلاف بھائیوں کے درمیان اس قدر زیادہ نہیں ہے جس قدر زیادہ ملک کے قانون اور ناانصافی اور بدعنوانی اور دنیا کو آگے لے جانے کے درمیان ہے.....

مجھے نقطۂ عروج پر پہنچنے کے لئے کئی ماہ تک غور وخوص کرنا پڑا اور اپنے آپ سے سوال کرنے پڑے لیکن میں نے اس سلسلے میں جو محنت کی اس کا ثمر مجھے بخوبی ملا اور یہی اس ثمر کا نتیجہ ہے کہ میں آج بھی میں گنگا کی موت کے منظر کی داد وتحسین موصول کر رہا ہوں.....

''گنگا جمنا'' کے لئے مثالی لوکیشنوں کا انتخاب کرنا میرے لئے ایک نئی ذمہ داری تھی.....اگر چہ آج کل طریقہ کار بدل چکا ہے لیکن ہمارے دور میں ہدایت کار.....کیمرہ مین.....اور آرٹ ڈائریکٹر لوکیشنوں کی تلاش میں بھاگ دوڑ کرتے تھے اور ''گنگا جمنا'' کے لئے یہ تمام تر ذمہ داری مجھ پر عائد ہوتی تھی کہ میں فلم کیلئے مناسب لوکیشنوں کا انتخاب کروں..... میں نے جو اسکیچ بنائے تھے ان کے مطابق کچھ مناظر ان سیٹوں (SETS) پر ان ڈور فلمائے جانے تھے جن کا تصور میرے ذہن میں موجود تھا اور یہ سیٹ کاردار اسٹوڈیوز اور محبوب اسٹوڈیوز میں لگائے جانے تھے.....یہ دونوں اسٹوڈیو بمبئی میں واقع تھے.....

مجھے مہاراشٹر میں لگت پوری کے قریب ایک لوکیشن کی تلاش میں ایک مہینہ صرف کرنا پڑا.....

واضح رہے کہ یہ لوکیشن بمبئی کے شمال۔مشرق میں تقریباً 120 کلومیٹر پر واقع تھی.....اس جگہ پر اس وقت میری اچانک نظر پڑ گئی جب میں بدرالدین قاضی (جسے آپ سب جانی واکر کے طور پر جانتے ہیں) کے ساتھ باہر گھوم پھر رہا تھا.....اس نے فی الفور میری توجہ اپنی جانب کھینچی اور اس کی وجہ اس کی دوشیزہ جیسی خوبصورتی اور حسن تھا..... بعد میں اس لوکیشن پر میں بابا صاحب.....کیمرہ مین.....اور ڈائریکٹر نیتن بوس کو بھی اپنے ہمراہ لے کر گیا اور ان سب نے بھی اس لوکیشن کو پسند کیا اور اسے اپنی پسندیدگی کی سند عطا کی.....اس وقت میرے علم میں نہ تھا کہ میں نے جو لوکیشن تلاش کی تھی اسے ''گنگا جمنا'' کو نمائش کے لئے پیش کئے جانے کے بعد کئی دیگر فلموں میں بھی دہرایا جائے گا.....موضوع کی نوعیت ایسی تھی کہ وہ ایک ایسی لوکیشن درکار رکھتا تھا جہاں پر پہاڑیاں اور وادی موجود ہو اور اس کے علاوہ بہتا ہوا دریا بھی موجود ہو جس کے کناروں پر قدآور درخت اور جھاڑیاں موجود ہوں.....بابا صاحب وہ اسکیچ دیکھ چکے تھے جو میں نے اس لوکیشن کے بنائے تھے جو مجھے درکار تھی اور موضوع کا بھی مطالبہ تھا اور وہ بے حد حیران ہوئے.....انہیں خوشگوار حیرت ہوئی کہ درحقیقت ایک ایسی جگہ موجود تھی جو اس جیسی تھی جو میں نے ان کے لئے تصویر کشی کی تھی..... چند منٹوں تک وہ خاموشی کے ساتھ نیتندہ کے ہمراہ اس پہاڑی پر کھڑے رہے جہاں سے گنگا نے ولن (یہ کردار انور حسین نے ادا کیا) کو قابو کرنے کے لئے نیچے ڈھلنا تھا..... اور دھنو (یہ کردار وجنتی مالا نے ادا کیا تھا) کو بچانا تھا.....اپنے کمرے کی آنکھ کے ساتھ تھوڑی دیر تک لوکیشن کو دیکھنے کے بعد.....انہوں نے خوشی کے ساتھ اپنے ہاتھوں سے تالیاں بجائیں اور موقع پر ہی اسے شرف قبولیت بخشا..... یہ طے تھا کہ وادی میں دیہاتیوں کے مکانات اور زمیندار (زمیندار فلم کا ولن تھا) کی حویلی تعمیر کرنا تھی.....

''گنگا جمنا'' بنانا اس وقت ایک مادارانہ مشقت تھی.....اگر چہ نیتندہ بطور ہدایت کار وہاں موجود تھے لیکن یہ فلم لازمی طور پر میرا بچہ تھی..... جب لوکیشن پر ''گنگا جمنا'' کے لئے شوٹنگ کا آغاز ہوا اس وقت کے.....آصف راجستھان میں ''مغل اعظم'' میں کچھ صحرائی سینوں (SCENES) کی دوبارہ شوٹنگ میں مصروف تھے..... مجھے پہننے کے لئے جو بھاری بھرکم لباس اور دیگر لوازمات دیے گئے تھے وہ سب کچھ پہن کر ان منظر کی عکس بندی کروانے کے لئے صحرا کی شدت کی گرمی میں روبہ عمل رہنا تھا جسے

itsurdu.blogspot.com

آصف نے دوبارہ فلمانا تھا..... اس کام سے فارغ ہو کر میں بذریعہ جہاز واپس بمبئی آتا اور ''گنگا جمنا'' کی لوکیشن تک کا سفر کار کے ذریعے طے کرتا تھا..... ان دنوں میک اپ کا سامان محدود مقدار میں دستیاب تھا اور یہ میرے ذاتی میک اپ آرٹسٹ کا امتحان ہوتا تھا کہ وہ میرے چہرے پر پڑے ان سرخ دھبوں کو بڑی مہارت کے ساتھ چھپائے جو جنگ کے مناظر میں صحرائی لوکیشنوں پر مجھے جسم اور سر پر بھاری دھاتی لوازمات پہننے کی وجہ سے نمایاں ہوتے تھے

شاہ پور جی جو ''مغل اعظم'' کے شریک پروڈیوسر تھے وہ میرے سفر کو اس قدر آرام دہ اور سہل بنانے کی کوشش کرتے تھے جس قدر ممکن ہو سکتا تھا اور میں ان کے چہرے پر تشویش کے آثار بخوبی دیکھ سکتا تھا اور ان کے چہرے پر تشویش کے یہ تاثرات مجھے اماں کے چہرے پر نمایاں ہونے والے تشویش کے تأثرات کی یاد دلاتے تھے جو اس وقت ان کے چہرے پر نمایاں ہوتے تھے جب وہ میرے گھر واپس آنے کے بعد میرے چہرے پر اور میری جلد پر دوپہر کے سورج کی تمازت کے اثرات ثبت ہوئے دیکھتی تھیں..... درحقیقت ان دنوں مجھے فٹ بال کھیلنے کا جنون تھا اور میں دن بھر میٹرو سینما کے قریب واقع گراؤنڈ میں فٹ بال کی پریکٹس کرتا رہتا تھا اور گھر واپسی پر اماں میرے چہرے اور جلد پر سورج کی تمازت کے اثرات دیکھ کر تشویش میں مبتلا ہو جایا کرتی تھیں..... یہ ان دنوں کی بات ہے جب میں کالج میں زیر تعلیم تھا.....

میں شاپور جی کے ساتھ طویل گپ شپ کرتا تھا جو میرے ساتھ اپنے بیٹوں جیسی محبت کرتے تھے..... ہم سورج تلے ہر چیز پر بحث کرتے تھے..... میں ان کی وہ گفتگو سن کر مسحور ہو جایا کرتا تھا جو وہ اپنے بیٹوں کے ساتھ تعمیراتی کاروبار اور روپے پیسے کے حوالے سے کرتے تھے جس کاروبار کو وہ بخوبی چلا رہے تھے..... شاپور جی اکثر حیران ہوتے تھے کہ میں اداکاری کے پیشے کے پیچیدہ اور غیر معمولی مطالبات کی تکمیل کیسے کرتا تھا..... شاہ پور جی تعمیراتی کاروبار کے ساتھ وابستہ تھے اور انہوں نے خوب نیک نامی اور عزت کمائی تھی..... وہ ایک مختصر جثّے کے مالک اور درمیانے قد کے حامل شخص تھے..... ان کی فطری اچھائی ان کے چہرے سے عیاں تھی..... انہیں جب کبھی وقت ملتا تھا تب وہ لوکیشن کا دورہ کرتے تھے وگرنہ وہ میرے نئے گھر چلے آتے تھے جو میں نے پالی ہل پر خریدا تھا.....

میں نے اپنے بہن بھائیوں کو ایک سرپرائز دیا اور انہیں گاڑی میں بٹھا کر اپنے پالی ہل والے گھر میں لے آیا اور اپنی جیب سے چابی نکال کر بڑا داخلی دروازہ کھولا..... بیک آواز انہوں نے پوچھنا شروع کیا کہ یہ کس کا گھر تھا اور اس کی چابی میرے پاس کیسے آئی تھی..... میں نے انہیں بتایا کہ یہ میرا گھر تھا..... گھر کافی بڑا تھا اور اس میں لڑکیوں کے لئے کافی کمرے موجود تھے تاکہ انہیں وہ پرائیویسی میسر آسکے جس کی انہیں ضرورت تھی.....

©جملہ حقوق بحق ادارہ اُردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

اس کے بعد میرے علم میں آیا کہ یہ نوجوان خاتون فلمی کیریئر سے وابستہ ہونا چاہتی تھی..... جو اس دور میں ایسی لڑکیوں کے لئے شجر ممنوعہ تصور کیا جاتا تھا جن کا تعلق قدامت پسند مسلمان خاندانوں سے ہوتا تھا اور میں جانتا تھا کہ یہی وجہ تھی کہ نسیم آپا نے اسے لندن کے اسکول میں بھیجا تھا تاکہ وہ فلمی ماحول سے دور رہ سکے.....

بے شک..... جب یہ معاملہ ایس۔مکھر جی صاحب کے علم میں آیا..... جو اس خاندان کے بے حد قریب تھے اور انہیں اس خاندان کا اعتماد بھی حاصل تھا اور وہ بھی اس خاندان کے خیر خواہ تھے انہوں نے بھی اپنی نارضامندی کا اظہار کیا اور میں نے بذات خود بھی اس معاملے میں اپنی نارضامندی ظاہر کی اور یہ خیال بھی ظاہر کیا کہ سائرہ کو فلموں میں کام کرنے اور فلمی کیریئر اپنانے سے باز رکھا جائے.....

1960ء کی دہائی کے آغاز میں.....ہم اے۔آر۔کاردار کی ''دل دیا درد لیا'' کی کاسٹ پر غور کر رہے تھے (یہ فلم 1966ء میں نمائش کے لئے پیش کی گئی تھی) جب محبوب خان کے گھر میں ایک قریبی گٹ ٹوگیدر میں مکھر جی صاحب نے کہا:.....

''یوسف..... یہ نوجوان لڑکی تمہارے ساتھ کام کرنے کے لئے دیوانی ہوئی جا رہی ہے''

میں مسکرا دیا اور اسے اس خیال سے باز رکھنے کی کوشش کی..... میں نے اپنے سر کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا:.....

''سائرہ.....کیا تم نے یہ سفید بال دیکھتے ہیں؟ میں تم سے کس قدر بڑا ہوں.....اور میں ایک سؤر کی مانند کھاتا ہوں۔''

اس کے جواب میں اس نے جو کچھ کہا وہ مجھے ہنوز یاد ہے.....وہ ہنسنے لگی اور کہا:.....

''میرا خیال ہے سفید بال آپ کو ممتاز بناتے ہیں! بے حد خوبصورت۔''

اس کی پہلی فلم ''جنگلی'' کے بعد.....سائرہ کے لئے پیچھے مڑ کر دیکھنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا اور مزیداری کی بات تھی کہ ''گنگا جمنا'' اور ''جنگلی'' 1961ء میں بیک وقت نمائش کے لئے پیش کی گئی تھیں! دونوں نے شاندار کامیابی حاصل کی تھی اور دونوں سپر ہٹ فلمیں ثابت ہوئی تھیں! وہ انڈسٹری میں ایک ایسی خاتون بن چکی تھی جس کی بے حد طلب کی جا رہی تھی..... اور اس نے اس دور کے تمام تر کامیاب اور نمایاں مردوں کے ساتھ کام کیا تھا.....مثلاً:.....

☆راج کپور ☆دیوانند ☆سنیل دت

☆شمی کپور ☆راجندر کمار ☆منوج کمار

اگرچہ اس نے اس دور کے تمام تر کامیاب اور نمایاں مردوں کے ساتھ کام کیا تھا جن کا تذکرہ درج بالا میں کیا گیا ہے مگر ماسوائے دلیپ کمار.....

لہٰذا فلم مارکیٹ کا بہت بڑا مطالبہ تھا کہ ایک ایسی فلم منظر عام پر آنی چاہیے جس میں وہ میرے ساتھ کام کرے اور میری ہیروئن کے طور پر جلوہ گر ہو اور کئی حلقوں میں ''حبا خاتون کی محبوب صاحب کے ساتھ باتیں کی جا رہی تھیں.....جن کے لئے ممتاز فلم ساز کو شوٹنگ کے لئے لگاتار ڈیٹس درکار تھیں (جیسا کہ فلم کشمیر میں بنائی جانی تھی اور اس کی شوٹنگ بھی وہاں پر ہی ہونی تھی).....لہٰذا اسے دیوانند کے ساتھ وجے انند کی ''گائیڈ'' کرنے سے انکار کرنا پڑا.....اس کے علاوہ ایس یو سنی کی ''پالکی'' (وہ 1996ء کی میری فلم ''کوہ نور'' کے بھی ہدایت کار تھے) اور بے شک ایس مکھر جی کی ''لیڈر'' کے لئے بھی انکار کرنا پڑا جس کے لئے وہ نئے آنے والے پرایا راج ونیش کو بھی زیر غور لا رہے تھے.....جو رائل

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

اکیڈیمی آف ڈرامائک آرٹس.....لندن سے سیکھ چکا تھا.....وحیدہ رحمان کو ''گائیڈ'' (1965ء) اور پالکی (1967ء) دونوں کے لئے بطور ہیروئن منتخب کیا گیا تھا..... پرایا راج ونیش مابعد پروڈیوسر..... ڈائریکٹر.....ایکٹر چیتن انند کی ٹیم میں شامل ہوگیا اور ان کے ساتھ درج ذیل فلموں میں کام کیا:.....

☆حقیقت (1964ء) ☆ہیر رانجھا (1970ء) ☆ہنستے زخم (1973ء)

اسی اثناء میں.....سائرہ کی جانب سے مجھے بکثرت اور فوری پیغامات موصول ہوتے رہے اور درخواستیں موصول ہوتی رہیں جو ان مقبول عام پروڈیوسروں کی وساطت سے ہوتی تھیں جن کے ساتھ وہ پہلے ہی کام کر رہی تھی اور سائرہ اور پروڈیوسروں کی یہ خواہش تھی کہ ہم ان کی آنے والی فلموں میں بطور فلمی جوڑا کام کریں!

بدقسمتی سے مجھے ''حبا خاتون'' سے علیحدہ ہونا پڑا.....کیونکہ میں یوسف چاک (حبا خاتون کا خاوند) کا کردار ادا نہیں کرنا چاہتا تھا.....جو کسی قدر منفی نوعیت کا حامل تھا.....مزید برآں.....اس پہلو پر محبوب صاحب اور میں ایک جیسے ذہن کے حامل دکھائی دیتے تھے اور آنکھ سے آنکھ ملا کر بات نہ کرتے تھے.....مجھے یہ بھی یاد ہے کہ میں نے فلمالیا اسٹوڈیو میں نسیم آپا کو بتایا تھا کہ نوشاد صاحب کی ''پالکی'' کے کہانی کے آئیڈیا میں بہت زیادہ جھول تھی.....

''جیسا کہ یہ پراجیکٹ ناکام رہے.....اس کے ساتھ.....سائرہ کی بہت سی فلموں کے لیے فلم کی ''مہورت'' کی شوٹ کے لئے میری بہت زیادہ طلب کی جاتی تھی.....

''ساز اور آواز'' اس قسم کی ''مہورتوں'' میں سے ایک تھی اور ''حبا خاتون'' ایک دوسری تھی .....مؤخر الذکر فلم کی ''مہورت'' کے موقع پر اس نے مجھے بتایا کہ وہ اب جوان ہو چکی تھی اور دراز قد بھی ہو چکی تھی اور میرے ساتھ کام کرنے کے لئے موزوں تھی.....اور اس نے مجھ سے پوچھا کہ کیا میں محض اس کی فلموں کے ''مہورت'' شوٹ ہی دیتا رہوں گا یا ایک دن ان کے ساتھ کام بھی کروں گا؟

بدقسمتی سے میں اُن پروڈیوسروں کو انکار ہی کرتا رہا جو مجھے اس کے ساتھ کاسٹ کرنا چاہتے تھے..... مجھے اس کے ساتھ کام کرنا مشکل محسوس ہوتا تھا کہ یہ دبلی پتلی لڑکی جس کے ساتھ کئی مواقع پر میری ملاقات ہو چکی تھی اگرچہ وہ جوان ہو چکی تھی.....اور راج اور دیو کے ساتھ فلمیں بھی کر رہی تھی جو تقریباً میرے ہم عمر تھے.....لیکن میں ان اداکاراؤں کے ساتھ کام کر رہا تھا جو میری عمر اور پختہ کاری کے ساتھ میل کھاتی تھیں.....

میں نے مکھرجی صاحب اور سلطان کو بتایا میں اسے ایک خصوصی طور پر تحریر کردہ موضوع میں کاسٹ کرنا چاہتا تھا جو میرے ذہن میں اس کے لئے موجود تھا جس میں ہماری جوڑی ایک مثالی اور کامل جوڑی ہوگی.....یہ کشمیر پر بنیاد کرتا ہوا ایک موضوع تھا.....ایک ایسا اسکرپٹ جو میں نے بذات خود تحریر کیا تھا ''سونگ آف دی ویلی'' (وادی کا گیت) جس میں اس کے لئے ایک شاندار کردار موجود تھا.....

اس طویل انتظار کی وجہ سے.....وہ مجھ سے بے حد ناراض اور برہم ہوگئی.....میں نے محسوس کیا کہ ایک نرم مزاج.....شاندار اور بخوبی پروان چڑھنے والی خاتون ایک ناراض شیرنی میں تبدیل ہو رہی تھی کہ میں نے اس کے جذبات شدید مجروح کئے تھے.....مثال کے طور پر.....فلمالیا اسٹوڈیو کے احاطے میں.....اگر میں اپنی گاڑی میں رخصت ہونے کے لئے پر تول رہا ہوتا اور مجھے اماں جی (سائرہ کی دادی) اور سائرہ شوٹنگ میں وقفے کے دوران میک اپ روم کی جانب جاتی دکھائی دیتی.....میں ہمیشہ اپنی گاڑی میں باہر نکل آتا تھا اور انہیں السلام علیکم کہتا تھا.....اماں جی بڑے مہربانہ انداز میں میرے

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

سلام کا جواب دیتی تھیں..... جب کہ سائرہ رخ موڑ لیتی تھی جیسے وہ مجھے جانتی ہی نہ تھی یا اس نے مجھے سنا ہی نہ تھا..... اس لمحے وہ ایک مغرور مورنی دکھائی دیتی تھی..... میں اس کے اس رویے پر حیران تھا! وہ سمجھتی تھی کہ اس قسم کا رویہ مجھ پر کچھ اثرات مرتب کرے گا! زندگی کا ناقابل یقین حسن یہ ہے کہ ہم کبھی نہیں جانتے کہ آنے والے وقت میں کیا رونما ہونے جا رہا ہے!

جیسا کہ ہم ''رام اور شیام'' شروع کرنے والے تھے..... ناگی ریڈی اور اے چکرا پانی (فلم کے معاون پروڈیوسر) آغاز میں اس ذہن کے حامل تھے کہ سائرہ کو رام کی ہیروئن کے طور پر کاسٹ کیا جائے..... ڈرپوک کردار جاجندرہ جس کے اعصاب کی دھجیاں بکھیر دیتا ہے..... اس کا برادر نسبتی (یہ کردار پران نے ادا کیا تھا)..... رام گھر سے بھاگ نکلتا ہے اور ایک دیہات میں جا پہنچتا ہے اور نہیں جانتا کہ اس لڑکی شانتا کے ساتھ کیا کرنا ہے جو اسے اپنا بانکا چھبیلا عاشق سمجھتی ہے (وہ رام جیسا ہی دکھائی دیتا ہے) جو تھوڑے عرصے سے پراسرار طور پر گاؤں سے غائب ہو گیا تھا..... ناگی ریڈی سائرہ کی بے حد تعریف کرتا تھا اور اس کی حالیہ پرفارمنس بھی اس کے سامنے تھے اور اس کی بھی تعریف کرتا تھا اور اسے یقین تھا کہ مزاحیہ صورت احوال..... میں اس کا میرا ساتھ فلمی جوڑا بے حد کامیاب رہے گا..... چونکہ میرا یہ وطیرہ تھا کہ میں اپنی فلم کی تیاری کے دوران اس میں اپنی فعال دلچسپی کا مظاہرہ کرتا تھا لہٰذا میں نے اس مسئلے پر اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے برملا کہا تھا کہ وہ دیکھنے میں اس کردار کے حوالے سے اس قدر نازک اور معصوم تھی کہ یہ کردار اس کے لئے موزوں نہ تھا..... اس کے علاوہ..... محمد علی..... معروف مزاحیہ اداکار..... اصرار کر رہا تھا کہ ہمیں اس رول کے لئے ممتاز کو کاسٹ کرنا چاہیے..... جو ریسلر دادا سنگھ کی بہت سی فلموں میں اس کی معاون اداکارہ تھی..... وہ اس کی سفارش کرنے میں اس قدر سنجیدہ تھا کہ وہ ممتاز کی فلموں کی کئی ریلیں (REELS) اٹھا لایا یہ دکھانے کے لئے کہ ممتاز کس قدر ذہانت آمیز تھی..... اور صاف ظاہر ہے یہ کردار ممتاز نے ہی کیا..... ''رام اور شیام'' میں میرا اس کے ساتھ کام کرنے کا انکار اسے سیخ پا کر گیا اور سائرہ نے مجھے کئی طریقوں سے زچ کرنا شروع کر دیا.....

''رام اور شیام'' فلوروں پر بڑی تیزی کے ساتھ اپنی تکمیل کے مراحل طے کر رہی تھی اور حسب معمول میں اپنے کام میں مکمل طور پر غرق ہو چکا تھا جب کہ مجھے نسیم آپا کی جانب سے ایک دعوت نامہ موصول ہوا کہ میں ان کے ساتھ اور ان کی والدہ شمشاد بیگم صاحبہ کے ساتھ سائرہ کی سالگرہ میں شرکت کروں اور یہ تقریب ان کے نئے تعمیر کردہ بنگلے میں منعقد ہونا تھی جو پالی ہل میں واقعہ میرے بنگلے سے بالکل قریب واقع تھا.....

23 اگست 1966ء کی شام کو..... جب میں خصوصی طور پر مدراس سے بذریعہ فضائی سفر بمبئی کے لئے روانہ ہوا تا کہ اس پارٹی میں شرکت کر سکوں جس کی میزبانی نسیم آپا کر رہی تھی..... میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ میری زندگی کا لائحہ عمل تبدیل ہونے والا تھا اور اس شام کی یاد میری یادداشت میں آج کے دن تک ثبت ہے!

©جملہ حقوق بحق ادارہ اُردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

اس کے بعد میرے علم میں آیا کہ یہ نوجوان خاتون فلمی کیریئر سے وابستہ ہونا چاہتی تھی..... جو اس دور میں ایسی لڑکیوں کے لئے شجر ممنوعہ تصور کیا جاتا تھا جن کا تعلق قدامت پسند مسلمان خاندانوں سے ہوتا تھا اور میں جانتا تھا کہ یہی وجہ تھی کہ نسیم آپا نے اسے لندن کے اسکول میں بھیجا تھا تاکہ وہ فلمی ماحول سے دور رہ سکے.....

بے شک..... جب یہ معاملہ ایس۔مکھر جی صاحب کے علم میں آیا..... جو اس خاندان کے بے حد قریب تھے اور انہیں اس خاندان کا اعتماد بھی حاصل تھا اور وہ بھی اس خاندان کے خیر خواہ تھے انہوں نے بھی اپنی نارضامندی کا اظہار کیا اور میں نے بذات خود بھی اس معاملے میں اپنی نارضامندی ظاہر کی اور یہ خیال بھی ظاہر کیا کہ سائرہ کو فلموں میں کام کرنے اور فلمی کیریئر اپنانے سے باز رکھا جائے.....

1960ء کی دہائی کے آغاز میں.....ہم اے۔آر۔کاردار کی ''دل دیا درد لیا'' کی کاسٹ پر غور کر رہے تھے (یہ فلم 1966ء میں نمائش کے لئے پیش کی گئی تھی) جب محبوب خان کے گھر میں ایک قریبی گٹ ٹوگیدر میں مکھر جی صاحب نے کہا:.....

''یوسف..... یہ نوجوان لڑکی تمہارے ساتھ کام کرنے کے لئے دیوانی ہوئی جا رہی ہے''

میں مسکرا دیا اور اسے اس خیال سے باز رکھنے کی کوشش کی..... میں نے اپنے سر کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا:.....

''سائرہ.....کیا تم نے یہ سفید بال دیکھتے ہیں؟ میں تم سے کس قدر بڑا ہوں.....اور میں ایک سؤر کی مانند کھاتا ہوں۔''

اس کے جواب میں اس نے جو کچھ کہا وہ مجھے ہنوز یاد ہے.....وہ ہنسنے لگی اور کہا:.....

''میرا خیال ہے سفید بال آپ کو ممتاز بناتے ہیں! بے حد خوبصورت۔''

اس کی پہلی فلم ''جنگلی'' کے بعد.....سائرہ کے لئے پیچھے مڑ کر دیکھنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا اور مزیداری کی بات تھی کہ ''گنگا جمنا'' اور ''جنگلی'' 1961ء میں بیک وقت نمائش کے لئے پیش کی گئی تھیں! دونوں نے شاندار کامیابی حاصل کی تھی اور دونوں سپر ہٹ فلمیں ثابت ہوئی تھیں! وہ انڈسٹری میں ایک ایسی خاتون بن چکی تھی جس کی بے حد طلب کی جا رہی تھی..... اور اس نے اس دور کے تمام تر کامیاب اور نمایاں مردوں کے ساتھ کام کیا تھا.....مثلاً:.....

☆راج کپور ☆دیوانند ☆سنیل دت

☆شمی کپور ☆راجندر کمار ☆منوج کمار

اگرچہ اس نے اس دور کے تمام تر کامیاب اور نمایاں مردوں کے ساتھ کام کیا تھا جن کا تذکرہ درج بالا میں کیا گیا ہے مگر ماسوائے دلیپ کمار.....

لہٰذا فلم مارکیٹ کا بہت بڑا مطالبہ تھا کہ ایک ایسی فلم منظر عام پر آنی چاہیے جس میں وہ میرے ساتھ کام کرے اور میری ہیروئن کے طور پر جلوہ گر ہو اور کئی حلقوں میں ''حبا خاتون کی محبوب صاحب کے ساتھ باتیں کی جا رہی تھیں.....جن کے لئے ممتاز فلم ساز کو شوٹنگ کے لئے لگاتار ڈیٹس درکار تھیں (جیسا کہ فلم کشمیر میں بنائی جانی تھی اور اس کی شوٹنگ بھی وہاں پر ہی ہونی تھی).....لہٰذا اسے دیوانند کے ساتھ وجے انند کی ''گائیڈ'' کرنے سے انکار کرنا پڑا.....اس کے علاوہ ایس یوسنی کی ''پالکی'' (وہ 1996ء کی میری فلم ''کوہ نور'' کے بھی ہدایت کار تھے) اور بے شک ایس مکھر جی کی ''لیڈر'' کے لئے بھی انکار کرنا پڑا جس کے لئے وہ نئے آنے والے پرایا راج ونیش کو بھی زیر غور لا رہے تھے.....جو رائل

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

اکیڈیمی آف ڈرامائک آرٹس.....لندن سے سیکھی چکا تھا.....وحیدہ رحمان کو ''گائیڈ'' (1965ء) اور پالکی (1967ء) دونوں کے لئے بطور ہیروئن منتخب کیا گیا تھا..... پرایا راج ونیش مابعد پروڈیوسر..... ڈائریکٹر.....ایکٹر چیتن انند کی ٹیم میں شامل ہوگیا اور ان کے ساتھ درج ذیل فلموں میں کام کیا:.....

☆حقیقت (1964ء) ☆ہیر رانجھا (1970ء) ☆ہنستے زخم (1973ء)

اسی اثناء میں.....سائرہ کی جانب سے مجھے بکثرت اور فوری پیغامات موصول ہوتے رہے اور درخواستیں موصول ہوتی رہیں جو ان مقبول عام پروڈیوسروں کی وساطت سے ہوتی تھیں جن کے ساتھ وہ پہلے ہی کام کر رہی تھی اور سائرہ اور پروڈیوسروں کی یہ خواہش تھی کہ ہم ان کی آنے والی فلموں میں بطور فلمی جوڑا کام کریں!

بدقسمتی سے مجھے ''حبا خاتون'' سے علیحدہ ہونا پڑا.....کیونکہ میں یوسف چاک (حبا خاتون کا خاوند) کا کردار ادا نہیں کرنا چاہتا تھا.....جو کسی قدر منفی نوعیت کا حامل تھا.....مزید برآں.....اس پہلو پر محبوب صاحب اور میں ایک جیسے ذہن کے حامل دکھائی دیتے تھے اور آنکھ سے آنکھ ملا کر بات نہ کرتے تھے.....مجھے یہ بھی یاد ہے کہ میں نے فلمالیا اسٹوڈیو میں نسیم آپا کو بتایا تھا کہ نوشاد صاحب کی ''پالکی'' کے کہانی کے آئیڈیا میں بہت زیادہ جھول تھی.....

''جیسا کہ یہ پراجیکٹ ناکام رہے.....اس کے ساتھ.....سائرہ کی بہت سی فلموں کے لیے فلم کی ''مہورت'' کی شوٹ کے لئے میری بہت زیادہ طلب کی جاتی تھی.....

''ساز اور آواز'' اس قسم کی ''مہورتوں'' میں سے ایک تھی اور ''حبا خاتون'' ایک دوسری تھی .....مؤخر الذکر فلم کی ''مہورت'' کے موقع پر اس نے مجھے بتایا کہ وہ اب جوان ہو چکی تھی اور دراز قد بھی ہو چکی تھی اور میرے ساتھ کام کرنے کے لئے موزوں تھی.....اور اس نے مجھ سے پوچھا کہ کیا میں محض اس کی فلموں کے ''مہورت'' شوٹ ہی دیتا رہوں گا یا ایک دن ان کے ساتھ کام بھی کروں گا؟

بدقسمتی سے میں اُن پروڈیوسروں کو انکار ہی کرتا رہا جو مجھے اس کے ساتھ کاسٹ کرنا چاہتے تھے..... مجھے اس کے ساتھ کام کرنا مشکل محسوس ہوتا تھا کہ یہ دبلی پتلی لڑکی جس کے ساتھ کئی مواقع پر میری ملاقات ہو چکی تھی اگرچہ وہ جوان ہو چکی تھی.....اور راج اور دیو کے ساتھ فلمیں بھی کر رہی تھی جو تقریباً میرے ہم عمر تھے.....لیکن میں ان اداکاراؤں کے ساتھ کام کر رہا تھا جو میری عمر اور پختہ کاری کے ساتھ میل کھاتی تھیں.....

میں نے مکھرجی صاحب اور سلطان کو بتایا میں اسے ایک خصوصی طور پر تحریر کردہ موضوع میں کاسٹ کرنا چاہتا تھا جو میرے ذہن میں اس کے لئے موجود تھا جس میں ہماری جوڑی ایک مثالی اور کامل جوڑی ہوگی.....یہ کشمیر پر بنیاد کرتا ہوا ایک موضوع تھا.....ایک ایسا اسکرپٹ جو میں نے بذات خود تحریر کیا تھا ''سونگ آف دی ویلی'' (وادی کا گیت) جس میں اس کے لئے ایک شاندار کردار موجود تھا.....

اس طویل انتظار کی وجہ سے.....وہ مجھ سے بے حد ناراض اور برہم ہوگئی.....میں نے محسوس کیا کہ ایک نرم مزاج.....شاندار اور بخوبی پروان چڑھنے والی خاتون ایک ناراض شیرنی میں تبدیل ہو رہی تھی کہ میں نے اس کے جذبات شدید مجروح کئے تھے.....مثال کے طور پر.....فلمالیا اسٹوڈیو کے احاطے میں.....اگر میں اپنی گاڑی میں رخصت ہونے کے لئے پر تول رہا ہوتا اور مجھے اماں جی (سائرہ کی دادی) اور سائرہ شوٹنگ میں وقفے کے دوران میک اپ روم کی جانب جاتی دکھائی دیتی.....میں ہمیشہ اپنی گاڑی میں باہر نکل آتا تھا اور انہیں السلام علیکم کہتا تھا.....اماں جی بڑے مہربانہ انداز میں میرے

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

سلام کا جواب دیتی تھیں..... جب کہ سائرہ رخ موڑ لیتی تھی جیسے وہ مجھے جانتی ہی نہ تھی یا اس نے مجھے سنا ہی نہ تھا..... اس لمحے وہ ایک مغرور مورنی دکھائی دیتی تھی..... میں اس کے اس رویے پر حیران تھا! وہ سمجھتی تھی کہ اس قسم کا رویہ مجھ پر کچھ اثرات مرتب کرے گا! زندگی کا ناقابل یقین حسن یہ ہے کہ ہم کبھی نہیں جانتے کہ آنے والے وقت میں کیا رونما ہونے جا رہا ہے!

جیسا کہ ہم ''رام اور شیام'' شروع کرنے والے تھے..... ناگی ریڈی اور اے چکرا پانی (فلم کے معاون پروڈیوسر) آغاز میں اس ذہن کے حامل تھے کہ سائرہ کو رام کی ہیروئن کے طور پر کاسٹ کیا جائے..... ڈرپوک کردار جاجندرہ جس کے اعصاب کی دھجیاں بکھیر دیتا ہے..... اس کا برادر نسبتی (یہ کردار پران نے ادا کیا تھا)..... رام گھر سے بھاگ نکلتا ہے اور ایک دیہات میں جا پہنچتا ہے اور نہیں جانتا کہ اس لڑکی شانتا کے ساتھ کیا کرنا ہے جو اسے اپنا بانکا چھبیلا عاشق سمجھتی ہے (وہ رام جیسا ہی دکھائی دیتا ہے) جو تھوڑے عرصے سے پراسرار طور پر گاؤں سے غائب ہو گیا تھا..... ناگی ریڈی سائرہ کی بے حد تعریف کرتا تھا اور اس کی حالیہ پرفارمنس بھی اس کے سامنے تھے اور اس کی بھی تعریف کرتا تھا اور اسے یقین تھا کہ مزاحیہ صورت احوال..... میں اس کا میرا ساتھ فلمی جوڑا بے حد کامیاب رہے گا..... چونکہ میرا یہ وطیرہ تھا کہ میں اپنی فلم کی تیاری کے دوران اس میں اپنی فعال دلچسپی کا مظاہرہ کرتا تھا لہٰذا میں نے اس مسئلے پر اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے برملا کہا تھا کہ وہ دیکھنے میں اس کردار کے حوالے سے اس قدر نازک اور معصوم تھی کہ یہ کردار اس کے لئے موزوں نہ تھا..... اس کے علاوہ..... محمد علی..... معروف مزاحیہ اداکار..... اصرار کر رہا تھا کہ ہمیں اس رول کے لئے ممتاز کو کاسٹ کرنا چاہیے..... جو ریسلر دادا سنگھ کی بہت سی فلموں میں اس کی معاون اداکارہ تھی..... وہ اس کی سفارش کرنے میں اس قدر سنجیدہ تھا کہ وہ ممتاز کی فلموں کی کئی ریلیں (REELS) اٹھا لایا یہ دکھانے کے لئے کہ ممتاز کس قدر ذہانت آمیز تھی..... اور صاف ظاہر ہے یہ کردار ممتاز نے ہی کیا..... ''رام اور شیام'' میں میرا اس کے ساتھ کام کرنے کا انکار اسے سیخ پا کر گیا اور سائرہ نے مجھے کئی طریقوں سے زچ کرنا شروع کر دیا.....

''رام اور شیام'' فلوروں پر بڑی تیزی کے ساتھ اپنی تکمیل کے مراحل طے کر رہی تھی اور حسب معمول میں اپنے کام میں مکمل طور پر غرق ہو چکا تھا جب کہ مجھے نسیم آپا کی جانب سے ایک دعوت نامہ موصول ہوا کہ میں ان کے ساتھ اور ان کی والدہ شمشاد بیگم صاحبہ کے ساتھ سائرہ کی سالگرہ میں شرکت کروں اور یہ تقریب ان کے نئے تعمیر کردہ بنگلے میں منعقد ہونا تھی جو پالی ہل میں واقعہ میرے بنگلے سے بالکل قریب واقع تھا.....

23 اگست 1966ء کی شام کو..... جب میں خصوصی طور پر مدراس سے بذریعہ فضائی سفر بمبئی کے لئے روانہ ہوا تا کہ اس پارٹی میں شرکت کر سکوں جس کی میزبانی نسیم آپا کر رہی تھی..... میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ میری زندگی کا لائحہ عمل تبدیل ہونے والا تھا اور اس شام کی یاد میری یادداشت میں آج کے دن تک ثبت ہے!

©جملہ حقوق بحق ادارہ اُردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

جب میں اپنی گاڑی سے اترا اور اس خوبصورت باغ میں داخل ہوا جو گھر کی جانب جاتا تھا ..... مجھے ہنوز یاد ہے میری نظر سائرہ پر پڑی جو اپنے نئے گھر کے برآمدے میں کھڑی تھی اور بروکیڈ کی ساڑھی میں ناقابل یقین حد تک خوبصورت دکھائی دے رہی تھی..... میں ششدر رہ گیا..... کیونکہ وہ اب ایک نوجوان لڑکی نہ تھی جس کے ساتھ کام کرنے سے میں محض اس لئے انکار کر رہا تھا کیونکہ میرا خیال تھا کہ وہ میری ہیروئن ہوتے ہوئے اس قدر چھوٹی دکھائی دے گی..... وہ اب ایک مکمل عورت بن چکی تھی اور حقیقت میں میری سوچ سے بڑھ کر خوبصورت تھی.....

میں آگے بڑھا اور اس کے ساتھ ہاتھ ملایا اور ہمارے لئے وقت تھم گیا..... اس نے میرے ساتھ اپنی ناراضگی کو ایک دم ختم کر دیا اور سیدھا میری آنکھوں میں جھانکا اور مجھے محسوس کرنے میں ایک لمحہ بھی نہ لگا کہ مقدر نے اسے میرے لئے حقیقی زندگی کا ساتھی بنایا تھا جب کہ میں اس کے ساتھ جوڑا بن کر اسکرین پر جلوہ گر ہونے سے انکار کر رہا تھا.....

ہم برآمدے سے آگے بڑھتے ہوئے بڑے سے ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے ..... جو نسیم آپا کے مہمانوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا..... جن میں درج ذیل لوگ شامل تھے:.....

☆مسز محبوب خان ☆مسز ایس۔ مکھرجی

☆آر۔ کے۔ نیر (پروڈیوسر۔ ڈائریکٹر) ☆شنکر (میوزک ڈائریکٹر)

☆جیکی شان (میوزک ڈائریکٹر) ☆ فالی مستری (ایک معروف سینما ٹوگرافر)

☆سبود مکھرجی (''جنگلی'' کے پروڈیوسر اور ڈائریکٹر) ☆سنجیو کمار (اس وقت ایک ابھرتا ہوا اداکار)

☆دیوانند (ہیرو) ☆راجندر کمار (ہیرو)

☆سنجے خان (ہیرو) ☆منوج کمار (ہیرو)

درج بالا تمام لوگ میری بھی قریبی جاننے والے تھے..... جب کہ سائرہ کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے ..... میں نے محسوس کیا کہ کوئی ایسا فرد جو انگلستان میں پروان چڑھا تھا اور وہاں کے انگریزی اسکول میں تعلیم پائی تھی..... میں نے اسے فطری طور پر بے حد انڈین پایا اور اس کی جڑیں آبائی ثقافت میں پیوست پائیں کیونکہ وہ اپنی والدہ کے دوستوں کے ساتھ عزت و احترام کے ساتھ بات کر رہی تھی.....

''میرا ذہن اس وقت ''آزاد'' (1955ء) کی شوٹنگ کی جانب چلا گیا جو موجودہ تامل ناڈو میں کی جا رہی تھی..... وہاں پر میری ملاقات ایس۔ ایس وسن کے ذریعے ایک ماہر بخوبی سے ہوئی جو اپنی پشین گوئیوں کی درستی کے لئے مشہور تھا..... اس نے میرے چہرے کے خدوخال..... تأثرات اور میری ہتھیلی کی لکیریں دیکھتے ہوئے ایک زائچہ بنایا..... وہ ہمارے سامنے بیٹھ کر اس زائچے کا مطالعہ کرتا رہا تھا جو اس نے بنایا تھا اور مجھے اس کی وہ مسکراہٹ ہنوز یاد ہے جو اس نے اس وقت ہمیں عطا کی جب وہ میرے مستقبل سے پردہ اٹھانے جا رہا تھا..... اس نے میرے کیریئر کے بارے میں پشین گوئی کرنے کے علاوہ پشاور میں واقع ہمارے گھر کی تفصیلات بھی بیان کیں..... اس کی ایک جانب بہتا ہوا پانی..... جہاں میں نے اپنا بچپن گزارا تھا..... میرے والدین کی بابت..... میرے بہن بھائیوں اور میرے دادا دادی کی بابت! تب اس نے توقف اختیار کیا اور کہا کہ اس کی پشین گوئی کے مطابق میں تاخیر سے شادی کروں گا

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

.....میں اس وقت شادی کروں گا جب میری عمر 40 برس کے قریب ہوگی اور میری دلہن مجھ سے نصف عمر کی حامل لڑکی ہوگی اور اس طرح خوبصورت ہوگی جیسے چاند..... وہ مجھے اپنی پلکوں پر بٹھائے گی اور پوجنے کی حد تک مجھ سے محبت کرے گی اور اس کی محبت غیر مشروط اور کسی بھی غرض سے پاک ہوگی.....

اس نے یہ پیشین گوئی بھی کی کہ اس کا تعلق بھی اسی پیشے سے ہوگا..... یہ سننے کے بعد میں نے اصولی طور پر کہا:.....

''میں اپنے پیشے کی حامل کسی لڑکی سے شادی نہیں کروں گا.....''

وسن صاحب نے اور میں نے اس پیشین گوئی کو تسلیم نہ کیا کیونکہ ہم ایسی پیشین گوئی کی توقع ہی نہیں کر رہے تھے جو نہ ہی میرے ذہن میں تھی اور نہ ہی وسن صاحب کے ذہن میں تھی.....وقت کے اس لمحے اس نے مجھے ہلا کر رکھ دیا..... میں علم نجوم پر مبنی پیشین گوئیوں پر نہ ہی یقین رکھتا تھا اور نہ ہی عدم یقین کا اظہار کرتا تھا.....جیسا کہ پہلے تذکرہ کیا جا چکا ہے..... میں بچپن میں اپنی دادی کے تجربے کا حامل تھا جنہوں نے ایک فقیر کی پیشین گوئی کو اس قدر سنجیدگی کے ساتھ لیا تھا کہ وہ غیر ارادی طور پر سوت کے ساتھ میرے چہرے کا حلیہ بگاڑ دیتی تھیں اور پشاور میں ایسے ہی چہرے کے ساتھ اسکول جاتا تھا.....اور بطور اسکول بوائے میرے اسمارٹ اور دل کش نین نقش محض اس وقت بحال ہوئے جب ہم بمبئی چلے آئے اور میں نے انجمن اسلام میں تعلیم حاصل کرنے کا آغاز کیا.....

اس وقت میں نے نجومی کی پیشین گوئی کو سنجیدگی کے ساتھ نہ لیا اور بطور ایک مصروف نوجوان میں نے اسے بہت کم اہمیت دی اور اپنی مصروفیات میں مگن رہا اور اس پیشین گوئی کو مابعد یکسر فراموش کر دیا.....

لیکن اب میرے ذہن میں اس پیشین گوئی کی یاد خود بخود تازہ ہو رہی تھی.....

سالگرہ کی تقریبات ختم ہونے کے بعد..... واپسی کی اپنی فلائٹ پکڑنے سے قبل تاکہ واپس جا کر اگلے دن سے اپنی شوٹنگ میں دوبارہ مصروف ہو سکوں.....میں نے فون کیا.....میں حیران کن گٹ۔ٹو۔گیدر پر نسیم آپا کا شکریہ ادا کرنا چاہتا تھا.....سائرہ نے فون کا جواب دیا اور جب میں نے کہا:

''میں یوسف بول رہا ہوں''

اُس نے شرارت سے جواب دیا:.....

''کون؟ یوسف؟ کس سے بات کرنی ہے؟''

حالانکہ وہ بخوبی جانتی تھی کہ میں کون تھا.....وہ میرے ساتھ مذاق کر رہی تھی! تب میں نے کہا کہ میں اس کا شکریہ ادا کرنا چاہتا تھا اپنی پارٹی کا ایک شاندار میزبان ہونے کے حوالے سے اور یہ کہ میں اس شام سے بے حد لطف اندوز ہوا تھا اور میری تمام تھکن اور دباؤ دور ہو گیا تھا جس کا میں کام کی زیادتی کی وجہ سے شکار تھا.....آخر میں مَیں نے اسے بتایا کہ میں مدراس سے اسے فون کروں گا.....اور میں نے فون کیا.....اور مزیداری کی بات تھی کہ میں اسے دوسرے دن ہی فون کر رہا تھا کیونکہ میں اس شرارتی سی لڑکی کو بے حد یاد کر رہا تھا جو انڈین اقدار اور مغربی ثقافت اور تعلیم کا ایک حقیقی مکسچر تھی.....

اس کی سالگرہ کے جلد بعد ہی میں نے ایک شام اس سے ملنے کا پروگرام بنایا.....میں ابھی بمبئی میں جہاز سے اترا ہی تھا کہ مجھے اپنے ایک ساتھی کا پیغام موصول ہوا جو ٹیکس کے ایک مسئلے کا شکار تھا اور اسے میرے آڈیٹر کی مدد درکار تھی ..... سائرہ اس وقت محبوب اسٹوڈیوز میں ''جھک گیا آسمان'' لئے پیش لی ٹی) ئی شوٹنگ میں مصروف گھی اور میں اس سے رابطہ نہ کر سکا (1968ء میں نمائش کے کیونکہ ان دنوں موبائل فون نہیں ہوتے تھے.....

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

وہ سیٹ سے باہر نکل کر اسٹوڈیو کے برآمدے میں آئی تھی..... وہ بارش میں گانے کا ایک سین کر کے آرہی تھی اور بخوبی بھیگی ہوئی تھی..... جب میں نے اسے بتایا کہ میں پچھلی مرتبہ اس سے ملاقات نہ کر سکا تھا..... اس نے کہا ٹھیک ہے کہ بہتر تھا کہ میں اس سے ملاقات نہ کر سکا تھا! میں نے اس کی مایوسی کو بخوبی محسوس کیا تھا..... میں نے اسے بتایا کہ مجھے اپنے آڈیٹر دوست کے ساتھ کام تھا کیونکہ مجھے ٹیکس کے سلسلے میں اپنے ایک دوست کی مدد کرنا تھی اور تب میں نے اس سے پوچھا کہ کیا میں تھوڑی دیر کے لئے تمہیں ساحل سمندر تک لے جا سکتا ہوں..... اس کے حامی بھرنے پر ہم نے ساحل سمندر کا رخ کیا ..... ساحل سمندر پر پہنچنے کے بعد ہم دونوں کے درمیان کچھ دیر تک خاموشی چھائی رہی.....

وہ خاموشی کے ساتھ سمندر کو تکتی رہی..... جیسے ہی اس نے خاموشی کے ساتھ سمندر کی جانب دیکھا..... ہم نے لہروں کی نرم و ملائم اور دھیمی آواز سنی جس نے ہمارے اندر طمنایت اور سکون بھر دیا اور میں نے اس کی جانب دیکھا اور کہا..... ''سائرہ تم اس قسم کی لڑکی نہیں ہو جس کے ساتھ میں گاڑی میں گھومتا پھروں..... یا تمہارے اردگرد منڈلاتا رہوں..... میں تمہارے ساتھ شادی کرنا پسند کروں گا..... کیا تم میری بیوی بننا پسند کرو گی۔''

سائرہ نے فی الفور مجھے جواب دیا:.....

''آپ نے کتنی لڑکیوں سے یہ سب کچھ کہا ہے؟''

''عام طور پر مجھے اس کا جواب سن کر مشتعل ہو جانا چاہئے تھا لیکن اس کی بجائے میں نے پوری سچائی اور سادگی کے ساتھ اسے بتایا کہ وہ محبت کئے جانے کے قابل تھی اور میں اسے اپنی بیوی بنانا چاہتا تھا..... میری اندرونی آواز..... جس کے بارے میں میں نے ہمیشہ یہ یقین کیا تھا کہ وہ اماں کی آواز ہے..... اس نے میرے انتخاب پر مہر ثبت کر دی ہے اور یہ کام کسی ہچکچاہٹ کے بغیر کیا ہے اور میں اپنے دل کی گہرائیوں سے یہ محسوس کرتا ہوں کہ میں نے وہ عورت تلاش کر لی ہے جس کے ساتھ میں اپنی زندگی..... اپنے غم..... اور اپنی خوشیاں شیئر کرنا چاہتا تھا..... جیسے ہی وہ مسکرائی اور ایک ایسی عورت کی محبت کے ساتھ مجھے اپنی آنکھوں میں سمو لیا جس نے نوعمری کے دور سے ہی میرے ساتھ محبت کرنے کا آغاز کر دیا تھا..... ہم نے گاڑی میں بیٹھ کر اس کی والدہ کے گھر کا رخ کیا..... میں نے کہا کہ میں نسیم آپا..... اماں جی اور سلطان اور اس کی بیوی راحت بیگ سے شرف قبولیت چاہتا تھا کہ میں اس کا ہاتھ تھامنا چاہتا تھا.....

میں جانتا تھا کہ سائرہ اپنے کیریئر کے عروج پر تھی اور یہ بھی جانتا تھا کہ وہ اپنے کام کے بارے میں بے حد جذباتی تھی..... وہ ہر رات سونے سے قبل یہ دعا مانگتی تھی:.....

''اللہ..... مجھے ایک بڑا فلمی ستارہ بنا دے جس طرح میری ماں پری چہرہ نسیم بانو تھی اور مجھے جلد ہی مسز دلیپ کمار بنا دے۔''

اماں جی اور ان کی بڑی بہن خورشید باجی جان گھر پر تھیں اور میں نے اپنا پروپوزل پیش کر دیا ..... ایک اچھے پٹھان کی مانند..... گھر کے دو بڑوں کے سامنے..... اماں جی نے خوشی خوشی میری پیشانی چوم لی..... وہ ہمیں دعائیں دیتی رہیں اور ان کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو بہنے لگے:.....

''اللہ ہر خوشی دے آپ دونوں کو اور یوسف میاں کا اقبال بلند رکھے..... آمین''

©جملہ حقوق بحق ادارہ اُردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

اس کے بعد بھی اماں جی زندگی کے ہر موقع پر مجھے اسی دعا سے نوازتی رہیں.....اس کے بعد ہم پالی ہل والے بنگلے میں مقیم نسیم آپا.....سلطان اور راحت سے ملاقات کرنے کے لئے گئے.....

نسیم آپا نے اپنے پالی ہل والے بنگلے میں ہمارا استقبال کیا.....ان کی خوشی دیدنی تھی.....وہ پرلے درجے کی خوشی اور حیرانی کا شکار تھیں اور وہ بڑی محبت کے ساتھ ہم دونوں سے بغلگیر ہو رہی تھیں .....یہ پروقار خاتون ہم پر ہمیشہ اپنی محبت نچھاور کرتی رہی.....وہ اور سلطان میری روزمرہ کی زندگی میں میرے عظیم معاون ثابت ہوئے اور وہ میرے خاندان کا حصہ بننے کے بعد مجھ پر محبت نچھاور کرتے رہے اور میرا تحفظ بھی کرتے رہے.....

اس موقع پر پہلے ہمیں نسیم آپا کے ہاتھ سے مبارک اور میٹھا پیش کیا گیا اور اس کے بعد ہم ان کی مہمان نوازی سے مستفید ہوئے.....ہمیں طرح طرح کے کھانے پیش کئے گئے.....سائرہ اس قدر خوش تھی کہ کھانا کھانے کی جانب توجہ ہی نہیں دے رہی تھی حتیٰ کہ میں نے اسے بتایا:.....

''سائرہ آپ اسے اپنا ہی گھر سمجھیں اور کھانا کھائیں!''

اس کے بعد جلد ہی سائرہ نے نسیم آپا سے اجازت لی جو ایک مختصر سی ڈرائیو پر جانے کے لئے تھی اور اس کے بعد مجھے گھر ڈراپ کرنے کے بارے میں تھی.....اگرچہ میرا گھر ان کے بنگلے سے محض چند قدم کے فاصلے پر تھا.....اگرچہ سائرہ لندن میں پروان چڑھی تھی اور اس نے وہاں پر ہی تعلیم حاصل کی تھی لیکن اماں جی اور نسیم آپا نے سائرہ کی تربیت اس انداز سے کی تھی کہ اگرچہ اس نے مغربی تعلیم اور مغرب میں پروان چڑھنے سے بخوبی استفادہ کیا تھا لیکن انہوں نے اسے انڈین اقدار سے بھی روشناس کروایا تھا اور یہ اقدار اس کے اندر کوٹ کوٹ کر بھر دی تھیں.....اس کی شخصیت کی یہی خوبی مجھے بے حد پسند تھی.....سائرہ کی فیملی کے چار اراکین تھے.....اس کی دادی.....اماں اور بڑا بھائی اور بذات خود سائرہ.....اس کی یہی کل کائنات تھی اور وہ انہیں ہستیوں کی محبت کے سایے تلے پل کر جوان ہوئی تھی .....اگرچہ وہ بذات خود ایک ہستی بن چکی تھی.....ایک کامیاب فلمی ستارہ.....

ہم کارٹر روڈ سے ہوتے ہوئے اس دو منزلہ عمارت تک جا پہنچے جہاں پر میرا عزیز بھائی ناصر اور اس کی اداکارہ بیوی بیگم پارا اپنے بچوں کے ہمراہ عمارت کی دوسری منزل پر رہائش پذیر تھے اور میرا دوست گوبندو (اداکار ابھی بھٹاچاریہ) اسی عمارت کی پہلی منزل پر رہائش پذیر تھا.....میں نے شوفر سے کہا کہ وہ اونچی آواز سے ہارن بجائے تاکہ گوبندو بھاگتا ہوا کھڑکی میں آئے.....میں نے چلاتے ہوئے اس سے کہا کہ وہ جلدی سے پانی کی ایک بوتل لے کر نیچے آئے.....وہ جلد ہی آن پہنچا اور مجھ سے بات کرنے کے لئے گاڑی کی کھڑکی پر جھکا اور ایک غیر متوقع نظارہ دیکھ وہ حیران رہ گیا.....سائرہ میرے ساتھ بیٹھی اس کی جانب دیکھ کر مسکرا رہی تھی.....

گوبندو کیلئے یہ منظر ناقابل یقین تھا کیونکہ وہ حال ہی میں کے۔آصف کی ''ستا خون مہنگا پانی'' (ایک فلم جو نامکمل ہی رہی) میں سائرہ کے ساتھ آؤٹ ڈور شوٹنگ کر رہا تھا جو جودھ پور.....راجستھان کے صحرا میں کی جا رہی تھی.....گوبندو اداکار نذر حسین صاحب اور سنجے کمار کے علاوہ میرے ایلچیوں میں سے ایک تھا جو یہ پیغام پہنچاتے تھے کہ سائرہ میرے ساتھ کس قدر اتار چڑھاؤ کا شکار تھی اور پریشان تھی.....یہ فنکار بھی میرے ساتھ کام کر رہے تھے اور میری ان کے ساتھ بکثرت ملاقات ہوتی رہتی تھی.....

اس کے بعد ہم نے ساحل سمندر کا رخ کیا تاکہ کسی قدر چہل قدمی کی جا سکے.....آسمان خوبصورت تھا.....اور اگست کے بادلوں کی کئی تہوں سے ڈھکا ہوا تھا اور خوابناک دکھائی دے رہا تھا.....

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

اور ہم ہاتھوں میں ہاتھ لئے خاموشی کے ساتھ چہل قدمی کرتے رہے اور ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا سے لطف اندوز ہوتے رہے.....تب اچانک ہم پر ہلکی ہلکی پھواڑ پڑنے لگی جیسے ان دو دلوں کے ملاپ پر خدا کی رحمت نازل ہو رہی تھی.....میں نے فوراً اپنی جیکٹ اتاری اور اسے سائرہ کے نازک جسم کے گرد لپیٹ دیا اور آج کے دن تک دیگر تمام ایسی چیزوں کے ساتھ جنہیں اس نے ایک انمول خزانہ سمجھ کر محفوظ رکھا ہوا ہے یہ جیکٹ بھی محفوظ ہے.....

جیسے ہی ہم گھر واپس آ رہے تھے.....میرے گھر کے دروازے پر.....میں نے ناصر کی گاڑی کھڑی دیکھی.....جو یہ ظاہر کر رہی تھی کہ وہ وہاں موجود تھا.....لہٰذا میں بے حد خوش تھا کیونکہ میں چاہتا تھا کہ وہ یہ خوشخبری سننے والا میری فیملی کا پہلا فرد ہو.....ناصر بے حد پیار کرنے والا اور گرمجوشی کا مظاہرہ کرنے والا بھائی تھا.....اس لئے وہ میرا دل پسند ساتھی تھا.....اس نے میرے بعد جنم لیا تھا اور وہ مجھے بے حد عزیز تھا.....

ہم سیڑھیاں چڑھ کر ہال میں داخل ہوئے اور سائرہ بے حد پریشان دکھائی دے رہی تھی.....میں نے اس کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا.....ناصر اکیلا تھا اور اس نے حسب معمول بڑی گرمجوشی مسکراہٹ کے ساتھ ہماری جانب دیکھا اور ہم بیٹھ گئے.....اگلے دو منٹوں میں.....میں نے اس سے کہا:.....

''ناصر سائرہ اور میں کر رہے ہیں۔۔۔۔شادی!''

''اوئے! یار! تم میری ٹانگ کھینچ رہے ہو! تم مذاق کر رہے ہو! یہ کیسے ممکن ہوا؟''

اس کے بعد وہ ہنستے ہوئے مجھ سے بغلگیر ہو گیا اور چلایا:.....

''میں یقین نہیں کر سکتا یار! حیران کن خبر!'' میری خوشی مکمل ہو چکی تھی۔

اگلے ہفتے کے دوران.....میں ہر دوسری شام میں مدراس سے فضائی سفر طے کرتے ہوئے بمبئی آن پہنچتا تھا اور رات کا کھانا سائرہ کے ساتھ تناول کرتا تھا اور اس کے ساتھ حیران کن وقت گزارتا تھا.....اس کے علاوہ اس کی دادی اور نسیم آپا کے ساتھ ان کی پرانی رہائش گاہ پر حیران کن وقت گزارتا تھا جہاں وہ ہنوز رہائش پذیر تھے یا ان کے نئے بنگلے پر ہماری نشست جمتی تھی جو انہوں نے پالی ہل پر نیا نیا تعمیر کروایا تھا جہاں پر کبھی کبھار مسز اختر محبوب.....مکھرجی صاحب اور میرے عزیز دوست پران اور ستیش بھلا (پران کی بیٹی پنکی جس نے مابعد ستیش بھلا کے بیٹے سے شادی کی) بھی ہماری محفل میں شریک ہوتے تھے.....

برسوں بعد.....سائرہ خوش مزاجی سے گاتی تھی:.....

''اک گھر بنایا ہے.....تیرے گھر کے سامنے۔''

مجھے بتاتے ہوئے کہ حقیقت میں جب وہ اپنا ذاتی گھر بنانا چاہتی تھی.....اس کی فیملی 48 پالی ہل کے اردگرد اراضی کے ایک مناسب پلاٹ کی تلاش میں تھی.....میرے گھر کو ایک امتیازی نشان بناتے ہوئے.....اس کے نزدیک آباد ہونا ان کی اولین چوائس تھی!

اس کے بعد واقعات بڑی تیزی کے ساتھ رونما ہوتے رہے.....جیسا کہ خبر ہر جگہ پھیل چکی تھی.....

باب نمبر 18

بڑا دن

(THE BIG DAY)

''شادی کا دن بھی آن پہنچا.....11 اکتوبر 1966.....میں نے کیا محسوس کیا؟ کیا میں اضطراب اور

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

پریشانی کا شکار تھا؟ تادیر ایک مصدقہ..... اہل کنوار رہتے ہوئے..... کیا میں کسی بے چینی..... اضطراب اور خوف کا شکار تھا یا کسی عارضی گھبراہٹ کا شکار تھا کیونکہ کنوارپن سے میری دست برداری کا وقت قریب آرہا تھا؟''

آغاز میں..... میں نے اس امر کو بے حد ضروری اور اہم تصور کیا کہ میں اپنی مستقبل کی بیوی ..... اپنی ہونے والی شریک حیات کو اپنے گھر کے منظر نامے سے آگاہ کردوں..... اس سے آشنا بنادوں ..... اسے اپنی فیملی سے آشنا بنادوں اور اپنی ان پیاری ہستیوں سے متعارف کروادوں جو میرے لئے بے احد اہمیت کی حامل تھیں..... برسوں قبل..... اپنی زندگی کے اس قدر ابتدائی دور میں آغا جی اور اماں کو کھونے کے بعد..... میں نے اپنے پانچ بھائیوں اور چھ بہنوں کی دیکھ بھال اور نگہداشت باپ بن کر کی تھی..... ان میں سے تین مجھ سے بڑے تھے اور بقایا مجھ سے چھوٹے تھے..... میں نے باپ بن کر ان کی دیکھ بھال اور پرورش کی تھی..... میں ان کی ضروریات زندگی کی اشیاء کی خریداری کرتے ہوئے خوشی محسوس کرتا تھا..... حتیٰ کہ میں اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کے لئے کپڑے خرید کر اپنے فیملی درزی کو سلائی کے لئے دیا کرتا تھا..... مجھے اس میدان میں جب کبھی کسی مدد کی ضرورت ہوتی تھی..... بھابی اختر محمود لڑکیوں کے لئے میری مفید رہنمائی کرتی تھیں.....

ہم طویل چھٹیاں لونا والا (مہاراشٹر میں ایک پہاڑی مقام..... بمبئی سے 100 کلومیٹر کی دوری پر واقع) میں گزارتے تھے..... وہاں پر میں ہر سال ایک گھر کرایے پر حاصل کرتا تھا جہاں پر بچے خوشی خوشی باغ میں کھیلا کرتے تھے اور جلد گھر واپس جانے کی ضد نہ کرتے تھے..... جب وہ سب جوانی کی دہلیز پر جا پہنچے تب خواہ وہ لڑکے تھے یا لڑکیاں..... میں نے انہیں پڑھائی کے ان میدانوں میں پڑھنے کے مواقع فراہم کئے جن کا انتخاب انہوں اپنے لئے کیا تھا اور انہیں بہترین تعلیمی اداروں میں پڑھنے کے وسائل فراہم کئے اور ان کی تعلیم میں قرار واقعی دلچسپی لی..... جب انہوں نے اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے دیار غیر جانے کی خواہش کا اظہار کیا..... میں نے ان کی حوصلہ افزائی کی اور انہیں مالی وسائل فراہم کرنے میں کبھی بخل سے کام نہ لیا..... ان کی خوشی میری زندگی کا مقصد بن چکی تھی.....

ایک دن..... میں سائرہ کے ساتھ ساحل سمندر کی خاموش فضا میں بیٹھا تھا اور میں نے اسے بتایا کہ میں تادیر ایک مصدقہ اور اہل کنوارا رہا تھا اور میری فیملی مجھے اپنا سربراہ تسلیم کرنے کی بے حد عادی ہوچکی تھی..... ہم ہر تقریب میں اکٹھے شرکت کرتے تھے..... فلمیں دیکھنے کے لئے اکٹھے جاتے تھے..... ہر کام میں ہمارا چولی دامن کا ساتھ رہتا تھا..... لہٰذا میں نے سائرہ کو بتایا کہ اگر یہ ان کے لئے ناممکن نہ ہوگا لیکن مشکل ضرور ہوگا کہ وہ میری زندگی میں ایک نئی ہستی کی آمد کے ساتھ مصالحت کرسکیں..... اور اس کے لئے بھی یہ مشکل ہوگا کہ وہ مسائل کا سامنا کئے بنا ان کے ساتھ باہم اکٹھا رہ سکے..... میں نے اسے بتایا کہ:.....

''اگر میں ساتویں آسمان کی حور بھی لاؤں گا تو اسے میری فیملی قبول نہیں کرپائے گی۔''

وہ میرے تنہا رہنے کے اس قدر عادی ہوچکے تھے اور وہ کسی کو میرے ساتھ شیئر کرتے دیکھنے کا بالکل بھی عادی نہ رہے تھے.....

©جملہ حقوق بحق ادارہ اُردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

ان حالات میں..... میں نے اسے بتایا کہ اپنی شادی کو درست آغاز اور ماحول عطا کرنے کے لئے..... ہمیں خاندان والوں سے الگ رہنا ہوگا.....

میں نے اسے یقین دہانی کروائی کہ میں اپنی غیر شادی شدہ بہنوں سکینہ آپا اور فریدہ اور اپنے بھائی احسان کیلئے جو میرے ساتھ رہائش پذیر تھے ان کیلئے مناسب متبادل رہائش کا بندوبست کروں گا..... اور اپنی ان شادی شدہ بہنوں کے لئے بھی مثلاً تاج..... سعیدہ اور فوزیہ..... جو اکثر رہنے کے لئے آتی تھیں.....

سائرہ نے مجھے بتایا کہ چونکہ میں جانتا تھا کہ وہ بذات خود چار افراد پر مشتمل اپنی فیملی کی اہم فرد تھی اور وہ اپنی فیملی سے ٹوٹ کر محبت کرتی تھی..... لہٰذا مجھے سمجھنا چاہیے کہ وہ مجھے کبھی اپنے بہن بھائیوں سے جدا نہیں ہونے دے گی..... جن سے میں بے حد محبت کرتا تھا.....

ایک دوسری بات جو سائرہ نے بیان کی وہ یہ تھی کہ محض ایک برس قبل اس کے بڑے بھائی نے راحت بیگ کے ساتھ شادی کی تھی اور وہ فطری طور پر اس نئے بنگلے میں رہائش پذیر تھے جو سائرہ نے سڑک کے پار بنوایا تھا..... میرے فیصلے کو مان کر..... وہ اپنی فیملی کے لئے ایک بری مثال قائم کرنا نہیں چاہتی تھی..... اس نے اصرار کیا کہ سلطان اور راحت کو اماں جی اور آپا جی کے ساتھ اپنی رہائش جاری رکھنا چاہیے وگرنہ اس کے بزرگ اپنی زندگی کی خزاں میں تنہا رہ جائیں گے..... وہ اس کا چٹان کی مانند مضبوط فیصلہ تھا..... یہ کہتے ہوئے کہ اگر وہ اس میں اپنی فیملی ذمہ داریوں سے الگ ہو جاتے ہیں تب یہ ہماری بہت بڑی غلطی ہوگی.....

جیسا کہ پہلے تذکرہ کیا جا چکا ہے..... میں ناصر کو پہلے ہی اپنی مجوزہ شادی کے بارے میں بتا چکا تھا..... اب میں سکینہ آپا تک یہ خبر پہنچانے کا متمنی تھا..... وہ گھر کی مکمل مالکہ تھیں اور گھر نے کے افراد پر بھی ان کا مکمل کنٹرول تھا..... بالخصوص لڑکیاں..... ان سے بیک وقت محبت بھی کرتی تھیں اور ان سے ڈرتی بھی تھیں..... اس سے پہلے..... آغا جی اکثر ان کے ساتھ تکرار کرتے رہتے تھے کیونکہ انہیں ان کی گھر کی سربراہی قبول نہ تھی کیونکہ وہ اماں کے شریف النفس طریقوں کے عین برعکس تھی.....

جب اماں کی طبیعت بے حد بگڑ چکی تھی اور دمے کے مرض نے انہیں بستر تک ہی محدود کر دیا تھا تب انہوں نے یہ عادت اپنالی تھی کہ وہ آغا جی اور ہم لڑکوں کی روزمرہ ضروریات زندگی کی استعمال کی اشیاء مثلاً جرابیں..... بنیانیں اور رومال وغیرہ اپنے بیڈ کے نیچے ذخیرہ کرتی تھیں..... اور جب ہمیں ضرورت ہوتی تھی وہ انہیں نکال کر ہمارے حوالے کر دیتی تھیں.....

میں اپنے خدشات کا شکار تھا کہ وہ مجھ سے یہ خبر کیسے موصول کرتی ہیں کیونکہ مجھے بخوبی معلوم تھا کہ بیچارے ناصر نے جب اداکارہ بیگم پارا کے ساتھ شادی کرنے کی بات کی تھی تب انہیں سکینہ آپا کی تنقید کا نشانہ بننا پڑا تھا اور اتنے برس گزرنے کے بعد بھی وہ سکینہ آپا کی تنقید کا نشانہ بنتے رہتے تھے..... میں ہمیشہ اپنے عزیز بھائی کا دفاع کرتا رہتا تھا جو ہمیشہ سکینہ آپا کے حملے خندہ پیشانی سے برداشت کرتے تھے اور ہنس مسکرا کر ٹال دیتے تھے.....

اب جب میں نے سکینہ آپا کا سامنا کیا..... میں جانتا تھا کہ سکینہ آپا کے ذہن میں کیا چل رہا تھا..... اس کی سوچیں آپس میں گڈمڈ میں ہو رہی تھیں..... ایک جانب وہ مایوسی کا شکار تھیں اور اندر ہی اندر میرے فیصلے پر تلملا رہی تھیں اور دوسری جانب وہ حیران تھیں کہ میں نے ایک ایسے جیون ساتھی کا انتخاب کیا تھا جس کا تعلق میرے ہی پیشے سے تھا اور جو عمر میں مجھ سے بہت زیادہ چھوٹی تھی.....

میں نے ان کے ذہن کو پرسکون بنانے کی کوشش کی..... انہیں یہ وضاحت پیش کی کہ بے

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

شک یہ ایک فوری فیصلہ تھا لیکن میں نے یہ فیصلہ کافی سوچ بچار کے بعد کیا تھا جیسا کہ میں اپنا ہر فیصلہ بخوبی سوچ بچار کے بعد کرنے کا عادی تھا..... ہاں یہ درست ہے کہ میں نے اپنا پہلا موقف تبدیل کرلیا تھا کہ میں اپنے ہی میدان سے وابستہ کسی لڑکی سے شادی نہیں کروں گا..... لیکن میں نے اپنا ذہن تبدیل کرلیا تھا کیونکہ ایسا کرنے کے لئے میرے پاس ایک بہتر وجہ موجود تھی..... کیونکہ میں سائرہ کے مثالی حسب نسب سے واقف تھا..... اس کا دادا خان بہادر محمد سلیمان ..... او بی ای تھا..... جو دہلی میونسپل کارپوریشن کا چیف انجینئر تھا..... اس نے وائسرائے ہاؤس کے علاوہ پارلیمنٹ ہاؤس اور اس مقام پر دیگر عمارت کی تعمیر کروائی تھی.....

اُسکا باپ ..... محمد احسان صاحب ..... انہوں نے لندن میں تعلیم حاصل کی اور پروان چڑھے..... مابعد وہ ایک قابل ذکر فلم پروڈیوسر بنے..... اُسکی والدہ خوبصورت نسیم بیگم تھی..... اپنے وقت کی صف اول کی فلمی ہیروئن اور بے داغ شہرت کی حامل..... اور اُسکی دادی شمشاد بیگم عبدالوحید خان..... ایک معروف کلاسیکل گلوکارہ تھی..... جو آل انڈیا ریڈیو دہلی پر براہ راست گلوکاری کیا کرتی تھی.....

سب سے بڑھ کر یہ کہ سائرہ بذات خود ان خوبیوں اور خصوصیت کی حامل تھی جو میں ایک ایسی عورت کے لئے ضروری سمجھتا تھا جس کے ساتھ میں نے اپنی بقایا زندگی گزارنی تھی..... میں نے اس سے زیادہ سکینہ آپا کے گوش گزار کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی..... میں نے یہ کہتے ہوئے اپنی گفتگو سمیٹی کہ مجھے یقین تھا کہ میں نے درست فیصلہ کیا تھا اور یہ کہ میں اپنے فیصلے پر خوش تھا..... انہوں نے اپنے کسی تاثر کا اظہار کئے بغیر میری بات سنی اور میرے ساتھ اس حوالے سے کسی قسم کی بحث نہ کی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ یہ ایک ایسی حقیقت تھی جو انہیں قبول کرنا ہی تھی۔

2 اکتوبر 1966ء کو ہماری منگنی کی خبر ملک بھر میں سنی گئی اور اس خوشخبری نے سنسنی اور ہیجان کا ماحول تخلیق کردیا..... یہ ناقابل بیان تجربہ تھا.....

www.UrduPoint.com

ذرائع ابلاغ ملک بھر میں اس خبر کو نشر کررہے تھے اور ریڈیو اسٹیشن ہر دو گھنٹے بعد اس تقریب کی خبریں نشر کررہے تھے..... بمبئی میں ایک میلے جیسا سماں تھا (اور غالباً ہر جگہ ایسا ہی ماحول تھا) کیونکہ تمام تر دستیاب لاؤڈ اسپیکروں پر ہمارے دل پسند گانے چلائے جارہے تھے.....

ہماری متوقع شادی کی خبر ان تمام لوگوں نے بڑی حیرانی کے ساتھ سنی جو یہ تصور کئے بیٹھے تھے کہ میں نے سدا کنوارا رہنے کا فیصلہ کررکھا تھا اور میں کبھی شادی شدہ زندگی میں داخل نہ ہوں گا..... میرے پرستار بھی حیران تھے اور یہی حال میرے دوستوں کا بھی تھا جن میں میرے درج ذیل دوست بھی شامل تھے:.....

☆ستیش بھلا ☆راج کپور ☆ویڈ پری (پروڈیوسر)
☆پرآن ☆بلراج کوہلی ☆بلراج کوہلی

میرے دوست یہ سوچ رہے تھے:.....

"یہ کیسے وقوع پذیر ہوا؟"

سائرہ کے کیریئر کی عمر محض پانچ برس تھی..... ہم نے کبھی باہم اکٹھا کام نہیں کیا تھا اور ہم کبھی رومانی طور پر ایک دوسرے سے جڑے نہ رہے تھے..... لہٰذا لوگوں نے ذہنوں میں ایک طوفان برپا تھا..... جو ہمیں باہم اکٹھا دیکھنے کے مشتاق تھے اور ہم دونوں کی باہم اکٹھے ایک جھلک دیکھنے کے لئے بے تاب تھے.....

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

جہاں تک سائرہ کا تعلق تھا..... نسیم آپا نے مجھے اپنے پروقار انداز میں بتایا تھا..... کہ وہ بے حد خوش تھی اور میری بیوی بننے کی اپنی دیرینہ خواہش کی تکمیل پر جشن منا رہی تھی.....

وقت کے اس لمحے..... میں نے مدراس میں ''رام اور شیام'' کے آخری شیڈولوں کو ختم کرنا تھا اور اس کے بعد میں نے پروڈیوسر۔ ڈائریکٹر ایچ۔ ایس راویل کے ہمراہ کلکتہ کا سفر طے کرنا تھا..... ہم نے اسکرپٹ کے حوالے سے کچھ کام کرنا تھا اور وہاں پر فلم سنگ ہرش (SUNGHURSH) کے لئے آؤٹ ڈور لوکیشن کو بھی حتمی شکل دینی تھی جو فلم 1968ء میں نمائش کے لئے پیش کی گئی تھی.....

سائرہ اور نسیم آپا بھی کلکتہ کے لئے روانہ ہوگئی تھیں..... وہ ہدایت کار لیکھ ٹنڈن کی ''جھک گیا آسمان'' کی آؤٹ ڈور شوٹنگ کے لئے روانہ ہوئی تھی.....

کلکتہ کے ہوائی اڈے پر لوگوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر موجود تھا..... لوگوں کا اس قسم کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہم نے پہلے کبھی اپنی زندگیوں میں نہ دیکھا تھا..... جیسے ہی مسافروں کے اترنے کے لئے جہاز کے دروازے کھلے..... ہمیں فوری طور پر واپس جہاز کے اندر جانا پڑا..... خدا جانے لوگ پولیس کا قائم کردہ حفاظتی حصار توڑ کر کیسے یہاں تک آن پہنچے تھے..... خدا خدا کر کے ہم کسی نہ کسی طرح اپنی گاڑی تک پہنچنے میں کامیاب ہوئے..... جو ہزاروں پرستاروں کے حصار میں تھی..... وہ عظیم خوشی کا اظہار کر رہے تھے..... ہم جیسے ہی گاڑی میں بیٹھے انہوں نے گاڑی کو اوپر اٹھا لیا..... ہم محض ایک ہی آواز سن رہے تھے:.....

''مبارک! مبارک!''

ہم نے کسی نہ کسی طرح ہوائی اڈے سے روانگی کی بندوبست کیا اور بھاگ کر گرینڈ ہوٹل (جہاں ہم نے مقیم ہونا تھا) کے اندر پناہ لی..... ہم کچن کے راستے ہوٹل میں داخل ہو کر بالائی منزل پر واقع اپنے سوٹ میں جا پہنچے تھے..... ہوٹل کی انتظامیہ بھی حیران اور پریشان تھی اور نسیم آپا اور فلم پروڈیوسر ایچ۔ ایس۔ راوالی بھی پریشان تھے کہ ان حالات میں باہر جا کر کام کرنا محال تھا..... لہٰذا سائرہ کے ''جھک گیا آسمان'' کے آؤٹ ڈور یونٹ کو پیک۔ اپ کرنا تھا کیونکہ ان کے لئے شوٹنگ کے مقام تک پہنچنا محال تھا کیونکہ پرستاروں نے ہمیں اپنے گھیرے میں لے رکھا تھا اور وہ خوشی مناتے ہوئے اپنے جوش و خروش کا اظہار کر رہے تھے.....

میں نے یہ فیصلہ کیا کہ ہمارے لئے یہی بہتر تھا کہ ہم اپنے پرستاروں کی خواہش کی تکمیل کرتے ہوئے جلد از جلد اکٹھی زندگی گزارنے کا فیصلہ کر لیں کیونکہ وہ ہمیں اکٹھا دیکھنے کے متمنی تھے..... میں نے اصرار کیا کہ ہماری شادی کا جو منصوبہ ہم نے اس سال کے اختتام پر کرنے کا بنایا تھا اسے بالائے طاق رکھتے ہوئے ہمیں فی الفور شادی کر لینی چاہئے..... اب میں نے نسیم آپا کو مشورہ دیا اور سلطان کو فون کیا کہ جو بمبئی تھا..... کہ ہم واپس گھر آ رہے تھے..... میرے ذہن میں بالکل واضح تھا کہ میں..... سائرہ کے ساتھ اگلے دو دنوں تک محض سادہ نکاح (شادی) کرنا چاہتا تھا..... اس کے ساتھ ساتھ..... میں نے اپنے درج ذیل عزیزوں کو اپنے فیصلے سے آگاہ کرنے میں دیر نہ لگائی:.....

☆ سکینہ آپا ☆ میرے بڑے بھائی نور صاحب ☆ عقیلہ بھابی

©جملہ حقوق بحق ادارہ اُردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

میں اپنے درج بالا عزیزوں سے اجازت حاصل کرنا چاہتا تھا کیونکہ میں اپنی زندگی میں ایک اہم قدم اٹھانے جا رہا تھا..... اسی طرح میں نے اپنے درج ذیل چھوٹے بھائیوں اور بہنوں کو بھی مطلع کیا:.....

☆ناصر ☆احسان ☆اسلم امریکہ میں مقیم ہو چکا تھا

☆تاج (ہمشیرہ) ☆سعیدہ (ہمشیرہ) ☆فریدہ (ہمشیرہ) ☆فوزیہ (ہمشیرہ)

کے۔ آصف کے ساتھ اپنے اتحاد کے بعد اختر کی فیملی کے ساتھ کشیدگی تھی..... تقریب کے لئے کسی بڑے بندوبست کے لئے وقت موجود نہ تھا اور نہ ہی شادی کے ملبوسات اور زیورات کی خریداری کے لئے وقت موجود تھا..... درحقیقت میں نے یہ کہا تھا کہ ہمیں جو کچھ درکار تھا وہ ایک مولوی صاحب تھے جو ہمارا نکاح پڑھاتے اور چھوہارے جو بطور ایک رسم تقسیم کرنے تھے..... حتیٰ کہ ہمارے پاس شادی کے کارڈ چھپوانے کا بھی وقت موجود نہ تھا اور ہم مہمانوں کی مناسب فہرست بھی نہ تیار کر سکتے تھے!

لہٰذا سائرہ اور میں نے یہ فیصلہ کیا کہ سائرہ محض وہی لباس پہنے گی جو نسیم آپا اس قدر قلیل وقت میں تیار کر سکیں گی..... نسیم آپا میک اپ اور وارڈ روپ کی رہنمائی کے حوالے سے سائرہ کا ایک پاور ہاؤس رہی تھیں..... وہ خاتون جو سائرہ کے شاندار ملبوسات تیار کرتی تھی اور اس کے لئے جیولری کا انتخاب کرتی تھی اس دور میں جب کے کوئی ڈیزائنر سرے سے ہی موجود نہ ہوتے تھے..... اس لئے اس میدان میں ان کا نام خصوصی شہرت پا چکا تھا..... لوگ منتظر رہتے تھے کہ سائرہ اپنی فلموں میں یا تقریبات میں کیا زیب تن کرے گی.....

ہماری شادی کی تاریخ جلد بازی میں مقرر کی گئی اور بطور 11 اکتوبر 1966ء اس کا اعلان کر دیا گیا..... ذرائع ابلاغ نے اس کی ملک گیر تشہیر کی اور اخبارات میں یہ خبر شہ سرخیوں کے ساتھ شائع ہوئی ہمارے پاس بہت تھوڑا وقت موجود تھا جیسا کہ ہمیں ذرائع ابلاغ..... دوستوں..... رشتے داروں .....اور قریبی فیملی ارکان سے توجہ موصول ہوتی رہی جو کسی بھی طور رکنے میں نہ آئی.....

ہلدی اور مہندی کی ایک بے حد خوبصورت مگر سادہ تقریب منعقد کی گئی..... جس کے دوران میری فیملی کی خواتین سکینہ آپا اور میری چھوٹی بہنوں کی سربراہی میں مہندی کے تھال جس میں موم بتیاں روشن تھیں لے کر سائرہ کے گھر گئیں..... یہ ہمارے نکاح کی جانب اولین اقدام تھا.....

اسی طرح سائرہ کی فیملی سے بھی شاندار خواتین نسیم آپا اور راحت بھابی (سلطان کی بیوی) کی سربراہی میں ہلدی اور مہندی کی تقریب کے لئے گھر آئیں!

سائرہ اور میں ستمبر 1966ء کے تمام تر مہینے کے دوران باہم اکٹھے وقت گزارنے کے اس قدر عادی ہو چکے تھے..... کہ جب شادی کا اعلان ہوا اور رسومات کی ادائیگی کا وقت قریب آیا..... تب ہمیں ایک دوسرے سے دور کر دیا گیا اور انفرادی تنہائی میں رکھا گیا!

ہمارے بڑوں نے ہمیں ایک دوسرے کو دیکھنے سے منع کر دیا تھا اور ہمارے دل کی جو حالت تھی وہ ہم ہی جانتے تھے..... اگر میں کسی رسم و رواج کے حوالے سے سلطان اور نسیم آپا کے ساتھ بات کے لئے ان کے گھر جاتا..... مجھے نیچے ہی رہنا پڑتا تھا اور سائرہ گھر کی ہر کھڑکی کو آزماتی تھی تاکہ میری ایک جھلک دیکھ سکے!

بالآخر شادی کا دن بھی آن پہنچا..... 11 اکتوبر 1966ء..... میں نے کیا محسوس کیا؟ کیا میں اضطراب اور پریشانی کا شکار تھا؟ تادم ایک مصدقہ..... اہل کنوارا رہتے ہوئے..... کیا میں کسی بے

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

چینی.....اضطراب اور خوف کا شکار تھا یا کسی عارضی گھبراہٹ کا شکار تھا کیونکہ کنوارپن سے دست برداری کا میرا وقت آن پہنچا تھا؟

نہیں.....اس کی بجائے میں نے جو کچھ محسوس کیا وہ آرام اور سکون تھا.....جیسے میں سکون کے ایک محفوظ مقام تک پہنچ چکا تھا.....میں ہمیشہ اماں کی اندرونی قوت کا حامل رہا تھا اور زندگی سے بہترین کشید کرنے کا عادی تھا.....میں شہرت کے حصول کے حوالے سے خوش قسمت واقع ہوا تھا اور میں نے شہرت کے علاوہ بھی سب کچھ سمیٹا تھا.....اب.....میں ایک ایسی ہستی کا حامل تھا جو میری زندگی میں شیئر کرے گی اور میری بے حد اپنی اپنی ہوگی.....اور ہر لحاظ سے میری خبر گیری کرے گی.....میری شرٹس .....میری جرابیں.....میری بنیانیں اور میرے رومال وغیرہ اپنی اپنی جگہ پر رکھے گی بجائے اس کے کہ میری ضروریات زندگی کی چیزیں ادھر ادھر بکھری رہیں.....

باب نمبر 19

خوشیوں کی بہتات

(CELEBRATIONS GLORE)

''سائرہ اور میں نے بطور میاں بیوی باہم اکٹھے اپنی زندگی کا آغاز کیا.....ہم نے یہ آغاز انڈیا کے بے حد عالمانہ اور فاضلانہ اور ثقافتی لحاظ سے دولت مند شہر میں کیا..... پرسکون صبحوں سے لطف اندوز ہوتے ہوئے ہمراہ ناشتہ جو باغ میں پیش کیا جاتا تھا اس کے بعد فلمی سیٹوں (SETES) پر پُر جوش کام..... ہمراہ دوپہر کے کھانے اور کافی کے لئے وقفہ اور آخر میں کمرے میں پرسکون رات کا کھانا''

میں اس فائدے کا حامل تھا کہ میری بہنیں میرے ساتھ رہائش پذیر تھیں.....لیکن وہ بھی اب بڑی ہو رہی تھیں.....زندگی میں اپنے قدم رکھ رہی تھیں.....کچھ کی شادی ہو چکی تھی اور وہ اپنے اپنے گھروں کو سدھار چکی تھیں.....میرا کھانا وہی ہوتا تھا جو کچھ میں کچن میں سے گرما گرم پتیلے میں سے نکالتا تھا اور اسے روٹی میں لپیٹ کر اپنی شوٹنگ کے لئے نکل جاتا تھا.....ایک کنوارے کی سلطنت.....اس طرح آزاد جس طرح ایک پرندہ آزاد ہوتا ہے.....لیکن اس نقصان سے دوچار کہ زندگی کے چھوٹے چھوٹے مگر اہم کاموں کی جانب کوئی توجہ نہیں دی جا رہی ہوتی!

واپس شادی کی جانب آتے ہیں.....میں نے ایک ایسے ماحول میں مصروف صبح گزاری جو پر جوش ہونے کے ساتھ ساتھ خوشیوں سے بھی بھرپور تھا.....میرے چھوٹے سے کیبن میں دھکم پیل اور زور و شور سے کام جاری تھا..... یہ زور شور نور صاحب اور ناصر کا مرہون منت تھا..... جو شام پڑنے پر پشاوری کلا میرے سر پر سجا رہے تھے اور شاندار ریشمی صافا اس کے کردار کو باندھ رہے تھے.....اس عمل میں ان کی محبت اور فخر اور ناز شامل تھا.....جس کی جھلک ان کی آنکھوں میں دیکھی جا سکتی تھی.....ان کا بھائی یوسف بالآخر دولہا بنا تھا!

میری اپنی پُرتعیش لیموزین پھولوں سے سجی کھڑی تھی جس نے مجھے سائرہ کے گھر لے جانا تھا اور میرے ہمراہ میری دلہن کو میرے گھر لانا تھا.....لیکن لالہ نور اور ناصر نے انکشاف کیا کہ وہ اور سکینہ آپا یہ چاہتی ہیں کہ میں گھوڑی پر سوار ہو کر بارات لے کر سائرہ کے گھر جاؤں.....میں نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی کہ:.....

''میں ایک گھوڑی پر!''

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

میں نے انہیں یہ بھی بتایا کہ میں اپنی گاڑی میں جاؤں گا اور یہ انکشاف بھی کیا کہ دلہن کے گیٹ تک سڑک ڈھلوانی تھی..... میرا خیال تھا کہ گھوڑی پھسل جائے گی اور گر جائے گی.....

تاہم..... میری بحث لاحاصل رہی..... لہٰذا مجھے گھوڑی پر سوار ہونا ہی پڑا..... میں نے تصور بھی نہ کیا تھا کہ میرے گھر سے سائرہ کے گھر کا دو منٹ کا راستہ ایک گھنٹے میں طے ہوگا..... ہمارا خیال تھا کہ تقریباً پانچ صد مہمان شادی میں شریک کریں گے لیکن ہماری سوچ کے برعکس پرستاروں اور دوستوں کا ایک ہجوم شادی میں شرکت کرنے کے لئے موجود تھا.....

جیسا کہ میری گھوڑی کی لگام پرتھوی راج جی..... ششی کپور اور ناصر نے تھام رکھی تھی..... مجھے پیچھے سے اور اردگرد سے لوگوں کے لاتعداد دھکے لگ رہے تھے..... ہر ایک دھکے کا اثر میرے سر پر بھی ہوتا تھا اور میرا کلا بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا تھا.....

ڈھلوان پر گھوڑی کے پھسل پھسل کر چلنے کی وجہ سے معاملہ مزید ابتری کا شکار ہوتا چلا جا رہا تھا..... یہ ایک معجزہ ہی کہ میں سنبھل کر گھوڑی پر بیٹھا ہوا تھا.....

جیسے ہی دلہن کے گھر کا گیٹ پوری آب و تاب اور شان و شوکت کے ساتھ کھلا تاکہ میں ہمراہ اپنے باراتی گھر کے اندر داخل ہوسکوں..... ہزاروں لوگ جو سکیورٹی اہلکاروں کے بھی قابو میں نہ آئے تھے وہ بھی ایک طوفان بدتمیزی کی مانند اندر داخل ہوگئے..... میں اپنے عزیز دوست پروڈیوسر۔ڈائریکٹر ناصر حسین کی محض ایک جھلک ہی دیکھ سکا جو اپنے یونٹ کے ہمراہ خطرناک انداز میں وین کی چوٹی پر کھڑا تھا تر کارروائی کی تصویر کشی کر رہا تھا..... یہ ایک دوست کا حیران کن اور محبت بھرا انداز تھا..... لوگوں کے رش اور دھکم پیل کی وجہ وہ اس کی ٹیم تقریباً زمین بوس ہوگئی تھی..... خدا کا شکر ہے کہ کوئی زخمی نہ ہوا تھا.....

میری شادی ان سب کے لئے حیران کن تھی جو مجھے جانتے تھے..... میرے قریبی دوستوں میں سے محض نوشاد صاحب ہی ایسے دوست تھے جنہوں نے مجھ سے یہ پوچھنے کی جسارت کی تھی کہ کیا میں کہیں ایک غلطی تو نہ کر رہا تھا:.....

''تم کیسے ایک ایسی لڑکی کے ساتھ شادی کا سوچ سکتے ہو جو تم سے بیس سے زائد برس چھوٹی ہے؟''

اس نے مجھے اس مان کے ساتھ پوچھا جس کا وہ ایک دوست اور بہی خواہ ہونے کے حوالے سے حامل تھا..... مجھے اسے بتانے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہ ہوئی تھی کہ میں نے اس اقدام پر بڑی سنجیدگی کے ساتھ غور و خوص کیا تھا جو میں اٹھانے جا رہا تھا اور میں جانتا تھا کہ سائرہ وہ لڑکی تھی جسے اماں اور آغا جی بھی پسند کرتے اگر وہ حیات ہوتے.....

جیسا کہ پہلے بھی تذکرہ کیا جا چکا ہے..... نوشاد صاحب میرے والدین کو بخوبی جانتے تھے اور وہ بالخصوص آغا جی کی جانب بے حد متوجہ ہوتے تھے جب وہ باندرہ میں ہمارے گھر میں آتے تھے..... آغا جی بھی نوشاد صاحب سے باتیں کرنا پسند کرتے تھے اور وہ ان کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے اپنا وقت بہت اچھی طرح گزارتے تھے جب کبھی نوشاد صاحب ہمارے گھر آتے تھے..... آغا جی نے کرافورڈ مارکیٹ جانا تقریباً بند کر دیا تھا اور اس کی وجہ ان کی گرتی ہوئی صحت تھی اور وہ اس وقت اپنے دوستوں کی صحبت سے لطف اندوز ہوتے تھے جب وہ گھر پر ان سے ملاقات کرنے کے لئے آتے تھے..... اب وہ حیات نہ تھے..... نوشاد صاحب حیران ہونے اور مجھ سے پوچھنے میں حق بجانب تھے:.....

©جملہ حقوق بحق ادارہ اُردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

''تمہاری بابت کیا ہے؟ کیا تمہارے بہن اور بھائی تمہارے فیصلے سے خوش ہیں؟''

میں نے جواب دیا کہ کم از کم میں یہ توقع کرسکتا تھا کہ میری فیملی سائرہ کو بڑی گرمجوشی سے خوش آمدید کہے گی..... میرے ساتھ شادی کرنے کے حوالے سے سائرہ پر کوئی دباؤ نہ تھا اور اس کے شادی کرنے کے حوالے سے مجھ پر بھی کوئی دباؤ نہ تھا..... یہ خدا کی مرضی تھی کہ وہ ہمیں باہم اکٹھے لا رہا تھا .....اس کی ماں..... نسیم آپا نے مجھے اپنے پروقار انداز میں بتایا تھا کہ ان کے علاوہ سائرہ بھی خوش تھی اور خدا نے اس کی دیرینہ خواہش اسے عطا کی تھی وہ خدا کی اس عنایت پر خوش تھی اور مسرور تھی..... جہاں تک میرا تعلق تھا..... مجھے یقین تھا کہ نجومی کے الفاظ (اس کا تذکرہ پہلے کیا جاچکا ہے) حرف بہ حرف پورے ہو رہے تھے اور میں ایک محبت بھری اور احترام کرنے والی بیوی سے نوازا جا رہا تھا.....

نوشاد صاحب نے ہمارے نکاح میں شرکت نہیں کی تھی ..... ان کی غیر حاضری کی تلافی میرے دیگر تمام دوستوں کی موجودگی نے کردی تھی جنہوں نے اس تقریب کو میری زندگی کی ایک ایسی خوشگوار ترین تقریب بنا دیا تھا جس کی یاد ہنوز میرے دل میں تازہ ہے.....

راج کپور نے ایک مرتبہ ایک میڈیا انٹرویو میں یہ مذاق کیا تھا کہ جس دن میں شادی کروں گا اس دن وہ اپنے گھٹنوں کے بل چل کر میرے گھر آئے گا..... لہٰذا جب راج 48..... پالی ہل پہنچا..... اسے اپنا مزاحیہ اعلان یاد تھا..... وہ فوری طور پر اپنے گھٹنوں کے بل چلنے لگا اور حاضرین کو حیران کردیا .....میری سب سے بڑی بہن سکینہ آپا بالکونی میں تھی اور انہوں نے اسے پکارا اور فی الفور اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کا حکم دیا..... راج میرے اس قدر قریب تھا جس قدر میرا کوئی بھی بھائی میرے قریب تھا اور سکینہ آپا اس حقیقت کو جانتی تھی.....

میرے رشتہ داروں اور دوستوں نے میری شادی کی تقریب میں جس گرمجوشی اور محبت بھرے جذبات کا مظاہرہ کیا تھا اور جس طرح میرے گھر میں خوشیوں کو دوبالا کرنے کے لئے آئے تھے میں ان کا بے حد شکر گزار تھا..... جیسا کہ پہلے ہی تذکرہ کیا جاچکا ہے..... برات کو سائرہ کے گھر پہنچنے میں ایک گھنٹہ لگا تھا..... سائرہ نے ایسا لباس نہ پہن رکھا تھا جو دلہن عام طور پر پہنتی ہے..... اس کی والدہ جس کا اس کے میک اپ اور وارڈ روپ فیشن میں مکمل عمل دخل تھا اس نے اپنی بیٹی کے لئے بطور دلہن ایک ایسے لباس کا انتخاب کیا تھا جو اگرچہ سادہ تھا لیکن اس کے فطری حسن اور خوبصورتی کو بخوبی اجاگر کرتا تھا.....

میرے پرستار جو برات کے ہمراہ اندھا دھند دلہن کے گھر میں داخل ہو چکے تھے اور ان کے ہجوم کی وجہ سے میڈیا اور مہمانوں کے لئے مخصوص جگہ کا نظام درہم برہم ہو چکا تھا..... صاف ظاہر ہے کہ سلطان اور ناصر کو اس سلسلے میں کچھ ضروری اقدام سرانجام دینے تھے لہٰذا انہوں نے کسی حد تک کامیابی حاصل کرتے ہوئے میڈیا اور مہمانوں کے لئے جگہ بنائی اگرچہ ہجوم باغ اور اردگرد کی جگہ کو ہنوز گھیرے ہوئے تھا..... بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ سلطان اور اس کے معاونین نے درجنوں لوگوں کو دوڑایا تھا کہ وہ اردگرد کے تمام ریسٹورنٹوں سے جتنا بھی کھانا دستیاب تھا وہ سمیٹ لائیں تاکہ بن بلائے ہجوم کی بھی کھانے سے تواضع کی جاسکے.....

نکاح خوبصورت تھا..... میرے سب پیارے اور عزیز میری طرف سے تقریب میں شریک ہوئے تھے..... جنرل شاہنواز..... راج کپور..... ناصر..... سلطان..... مکری..... ستیش بھلا اور ہر وہ ہستی جسے میں اپنی زندگی میں ایک اہم تصور کرتا تھا..... پر ان میری شادی میں شرکت کی وجہ سے سری نگر سے بمبئی آن پہنچے تھے.....

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

جیسا کہ ضروری تھا..... سائرہ اور میں نے نکاح نامہ پر دستخط کئے اور انفرادی طور پر کہا ''قبول ہے''..... قاضی صاحب کے سوال کے جواب میں جو بڑے ہنس مکھ اور شفیق مولانا تھے..... راج مجھے دلہن کے پاس لایا تا کہ آئینہ دکھائی کی رسم کی تکمیل کی جاسکے جس کے تحت دولہا اور دلہن پہلے ایک دوسرے کو آئینے میں دیکھتے ہیں..... اس کے بعد..... راج نے دودھ کا ایک پیالہ طلب کیا اور اس میں شادی کی انگوٹھی ڈبوئی قبل اس کے کہ ہم ان کا تبادلہ کرتے اور میاں بیوی بنتے.....

اگلی شام میرے گھر ولیمے کی تقریب کا اہتمام کیا گیا تھا..... جس میں ہماری فیملی کے تمام عزیز دوستوں نے شرکت کی..... ولیمے میں مہاراشٹر کے وزیر اعلیٰ وسانت راؤ نے بھی شرکت کی.....

سارہ اور میں نے ولیمہ رات میرے چھوٹے سے باغ میں گزاری جو گھر سے باہر واقع تھا ..... بنیادی طور پر مجھے یہ نامعقول اور ناشائستہ لگتا تھا کہ سائرہ کو بتاتا کہ میں چاہتا ہوں کہ ہم دونوں اپنے بنگلے کے چھوٹے اور علیحدہ حصے میں قیام کریں..... جو متواتر میری سلطنت بن چکا تھا..... اس کا سڑک کی جانب سے اپنا علیحدہ داخلی راستہ موجود تھا..... جب مجھے تنہائی کی ضرورت ہوتی تھی تب میں اس جگہ کا رخ کرتا تھا تا کہ وہ لوگ جو میرے کام کے حوالے سے مجھ سے ملنے کے لئے آتے تھے ان کی وجہ سے خواتین کی بے پردگی نہ ہو..... مجھے اس وقت بے حد سکون محسوس ہوا جب سائرہ نے انکار نہ کیا..... جو کچھ میں نے کہا تھا اس پر عمل کرتے ہوئے اس کی آنکھوں سے طمانیت اور خوشی جھلک رہی تھی..... مابعد آنے والے برسوں کے دوران..... جیسا کہ اس نے میرے ساتھ میری زندگی شیئر کی..... یہ خصوصیت کہ اس نے وہی کچھ کیا جو کچھ میں نے کہا ہماری شادی کی کامیابی کا پیش خیمہ ثابت ہوئی.....

اگلی صبح سویرے..... ہمیں مدراس کیلئے روانہ ہونا تھا..... میں نے ''رام اور شیام'' کا بقایا کام ختم کرنا تھا اور سائرہ نے میرے ساتھ ایک یا دو دن گزارنے کے بعد ڈارجیلنگ (مغربی بنگال میں ایک پہاڑی مقام) کا رخ کرنا تھا تا کہ ''جھک گیا آسمان'' کی شوٹنگ میں حصہ لے کر اس فلم کو مکمل کروا سکے.....

سائرہ میرے ساتھ سفر کرنے پر آمادہ اور خوش تھی اور ہم نے محسوس کیا کہ ہمیں بمبئی کی ختم نہ ہونے والی بھاگ دوڑ اور گہما گہمی سے نجات حاصل کرتے ہوئے ایک دوسرے کی صحبت سے لطف اندوز ہونے کے لئے تنہائی میسر آئے گی..... مدراس میرا دوسرا گھر بن چکا تھا اور میں پہلے ہی یہاں پر ایک پرسکون علاقے میں اپنا گھر خریدنے کا بندوبست کر چکا تھا.....

جب ہم مدراس ہوائی اڈے پر پہنچے ایک شاندار سرپرائز ہمارا منتظر تھا..... سڑک سے لے کر ہماری آمد کے مقام تک سرخ گلاب کی پتیاں بچھائی گئی تھیں اور ناگی ریڈی بذات خود فلم کی کاسٹ اور عملے کے ساتھ ہاتھوں میں پھولوں کے ہار لئے ہماری آمد پر ہمارے استقبال کے لئے موجود تھے..... ہمیں بتایا گیا کہ ہوائی اڈے سے باہر لوگوں کا ایک ہجوم جمع ہو چکا تھا لہٰذا ہمیں خاموشی کے ساتھ یہاں سے رخصت ہونا تھا.....

ناگی ریڈی کے اسٹوڈیو پہنچنے کے بعد..... اس نے ہمیں بتایا کہ وہاں پر ہمارے لئے اس سے بھی بڑا سرپرائز موجود تھا..... اوشیانک ہوٹل میں میرے سوٹ کو بخوبی سجایا گیا تھا اور میرے پرانے سنگل بیڈ کی جگہ ایک شاندار ڈبل بیڈ بچھایا گیا تھا..... کمرے کا ہر کونہ کھدرا اور بیڈ جاسمین کی خوشبو سے مہک رہا تھا اور اسے پھولوں سے بھی سجایا گیا تھا..... جب ائیر کنڈیشنرز چلایا گیا تب پورا کمرہ خوشبو سے مہکنے لگا اور ہمیں کسی دوسری دنیا میں بسنے کا احساس دلانے لگا.....

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

میں نے ایک مرتبہ ریڈی صاحب کے بیٹے پرساد سے کہا تھا..... جو میرا عزیز دوست بن چکا تھا کہ میں ناقابل یقین حد تک بڑا بیڈ پسند کرتا تھا جو انوکھا اور نرالا دکھائی دے..... پرساد نے بھی مذاقاً جواب دیا تھا کہ وہ ایسا بیڈ مجھے میری شادی کے موقع پر تحفے کے طور پر پیش کرے گا..... چونکہ اس وقت تک دور دور تک میری شادی اور دلہن کا کوئی تصور بھی نہ پایا جاتا تھا..... اس نے مذاقاً کہا تھا کہ بیڈ کے اس تحفے کی پیش کش مجھے ایک ترغیب کے طور پر مدنظر رکھنی چاہیے اور مجھے جلد از جلد اپنی دلہن تلاش کر لینی چاہئے..... اس کی پیشین گوئی عجیب وغریب انداز میں جلد ہی پوری ہوگئی کیونکہ میں اس خوبصورت لڑکی کا ہاتھ تھامنے کا متلاشی نظر آنے لگا جس سے میں نے محبت کرنے کا آغاز کیا تھا اور جس سے میں شادی کرنا چاہتا تھا.....

میرے بیڈ پر سوتی چادروں کی جگہ ریشمی چادریں بچھا دی گئی تھیں..... ایسا دکھائی دیتا تھا جیسے کمرہ مسٹر اور مسز دلیپ کمار کے نہیں بلکہ کسی شہنشاہ اور ملکہ کے لئے سجایا گیا تھا..... میں نے اس سرپرائز کو خوش آمدید کہا..... جو کچھ میں سائرہ کو اپنے گھر میں پیش کرنا چاہتا تھا اور وقت کی کمی کے پیش نظر پیش نہ کر سکا تھا وہ سب کچھ یہاں پر انتہائی شاندار طریقے سے میری آنکھوں کے سامنے موجود تھا..... ایک سے زائد انداز سے سائرہ اور میں نے بطور میاں بیوی باہم اکٹھے اپنی زندگی کا آغاز انڈیا کے عالمانہ اور فاضلانہ اور ثقافتی لحاظ سے دولت مند شہر میں کیا..... پرسکون صبحوں سے لطف اندوز ہوتے ہوئے ہمراہ ناشتہ جو باغ میں پیش کیا جاتا تھا..... اس کے بعد فلمی سیٹوں پر پرجوش کام..... ہمراہ دوپہر کے کھانے اور کافی کے لئے وقفہ اور آخر میں کمرے میں پرسکون رات کا کھانا.....

ہر چیز مثالی تھی..... ہم دونوں ان پکوانوں کو پسند کرتے تھے جو جنوبی انڈین باورچی پیش کرتے تھے اور ہمیں بمبئی کے کھانے قطعاً یاد نہ آتے تھے..... درحقیقت سائرہ تو ان کھانوں کی مستقل پرستار بن چکی تھی.....

جب کبھی میں شوٹنگ سے جلد فارغ ہو جاتا تھا..... ہم گاڑی لے کر شہر کی سیر کو نکل جاتے تھے اور سائیکل رکشے جو گاڑیوں اور بسوں کے ہجوم میں مصروف سڑکوں پر بے خوف وخطر رواں دواں ہوتے تھے ہم انہیں دیکھ کر لطف اندوز ہوتے تھے..... پھولوں سے سجے اسٹال بھی ہمارے من کو بھاتے تھے جہاں پر خواتین کی آرائش وزیبائش کے لئے مختلف اقسام کے رنگ برنگے پھول فروخت ہوتے تھے۔

©جملہ حقوق بحق ادارہ اُردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

میں نے محسوس کیا تھا کہ سائرہ کسی کے ساتھ فی الفور دوستی کا رشتہ استوار نہ کرتی تھی لیکن اس کے باوجود بھی اس نے ''رام اور شیام'' میں میری شریک اداکاروں کے ساتھ دوستانہ رویہ استوار کرلیا تھا ..... ہم دن بھر کے کام کے بعد اکثر شامیں یونٹ کے اراکین کے ساتھ ملاقاتیں کرتے ہوئے اور دلچسپ باہمی روابط کا حامل بنتے ہوئے گزارتے تھے..... میں نے محسوس کیا کہ وہ اگرچہ فطری اعتبار سے شرمیلی تھی لیکن وہ اپنے خول سے باہر نکلنے کی جدوجہد میں مصروف تھی..... میں اس کے رویے کو سمجھ سکتا تھا کیونکہ اس کا تعلق ایک مختصر سی فیملی سے تھا جو محض چار افراد پر مشتمل تھی..... سائرہ کے لئے اس کی ماں ..... دادی..... اور اس کا بڑا بھائی سلطان ہی کل کائنات تھا..... یہ وہ دنیا تھی جس میں وہ پروان چڑھی تھی ..... وہ انہی لوگوں کو جانتی تھی..... انہیں سمجھتی تھی اور ان سے محبت کرتی تھی..... میں نے محسوس کیا کہ اسے اپنے ہم عمر دوستوں کی ضرورت تھی اور زندگی کے ہر شعبے سے تعلق رکھنے والے زیادہ سے زیادہ لوگوں سے ملنے کی ضرورت تھی.....

مابعد آنے والے برسوں کے دوران..... اس نے ایسا ہی کیا اور اس کی شخصیت نکھر کر سامنے آنے لگی.....

باب نمبر 20

شریک کار اور دوست

(COULEAGUS AND FRIEND)

''کوہ نور'' (1960ء)..... اس فلم کی یاد میرے ذہن میں ہمیشہ تازہ رہے گی کیونکہ اس فلم کے لئے میں نے ستار بجانا سیکھنے کی کاوش کی تھی..... یہ میرے لئے ایک اور موقع تھا جس کے تحت میں اپنی مزاحیہ اداکاری کی آزمائش کرسکتا تھا..... میں ''کوہ نور'' کی تیاری میں اس لئے بھی لطف اندوز ہوا کہ اس کی تیاری کے دوران مینا کماری کے ساتھ میری وہ دوستی پروان چڑھی جس کا آغاز ''آزاد'' سے ہوا تھا ..... ہم جذباتی ڈرامے اور المیہ کرداروں کے لئے مشہور تھے..... اب ہم ایک اور فلم میں اکٹھے جلوہ گر ہوئے تھے۔''

''رام اور شیام'' اپنے شیڈول سے پہلے ہی مکمل ہوگئی تھی..... اس میں کام کرنا ہم سب کے لئے ایک خوشگوار تجربہ تھا..... میں اپنے دوست پران کے ساتھ بیک وقت ''رام اور شیام'' اور ''آدمی'' میں کام کررہا تھا..... پران اور میں دوستی کی حقیقی اصطلاح میں دوست تھے..... ہماری ملاقات کام پر بھی ہوتی تھی اور ہم غیر رسمی طور پر بھی بکثرت ایک دوسرے سے ملتے جلتے تھے اور یہ ملاقات یا تو اس کے گھر میں ہوتی تھی یا پھر میرے گھر میں ہوتی تھی کیونکہ ہم ایک ہی علاقے کے رہائشی تھے..... باندرہ..... کام پر ہم ایک دوسرے کے خلاف جاتے تھے..... ہمارے کردار ہمیشہ کسی نہ کسی وجہ سے اختلاف اور جھگڑے کا شکار ہوتے تھے..... دیکھنے والوں کے لئے میرے حوالے سے اس کی یہ تبدیلی بے حد حیران کن ہوتی تھی جس کا وہ اس وقت شکار ہوتا تھا جب وہ کیمرے کا سامنا کرتا تھا کہ وہ چند لمحے قبل ہمارے درمیان دوستی اور دوستی کے جذبات کا بھرپور مظاہرہ دیکھ چکے ہوتے تھے..... ٹھیک ہے..... یہ ایک چیلنج ہے جس کا سامنا ہم اداکار ہمیشہ کرتے ہیں..... ہم وہ کچھ بن جاتے ہیں جو کچھ ہم حقیقت میں نہیں ہوتے اور یہ سب کچھ کرنا اس قدر آسان نہیں ہوتا جس قدر آسان دکھائی دیتا ہے.....

پران کے لئے یہ سب کچھ آسان نہ تھا جب وہ فلموں میں ایسے ناشائستہ اور دھوکہ دینے والے کردار کرتا تھا جس کی وجہ سے وہ چوٹی کے ایک ولن کے طور پر مشہور تھا..... اسے اپنی اس اچھائی .....

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

شریف النفسی اور ایمانداری کو بالائے طاق رکھنے کے لئے قرار واقعی کاؤش سرانجام دینا پڑتی تھی جو اس کی حقیقی فطرت تھی.....

ہم نے بمل رائے کی ''مدھومتی'' (1958ء) کی شوٹنگ میں باہم اکٹھا کام کیا اور ہم اس سے بخوبی لطف اندوز ہوئے..... یہ شوٹنگ جنگل کی لوکیشن میں کی گئی تھی جہاں تقریباً ہر کوئی بنگالی بولتا تھا جب کہ ہم دونوں آپس میں پنجابی میں بات کرتے تھے..... ہم شام کو شاعری پڑھنے سے لطف اندوز ہوتے تھے اور وہ ایسی شامیں پسند کرتا تھا.....

ہم نے مدراس میں اس وقت حیران کن وقت گزارا جب ہم ''رام اور شیام'' اور ''آدمی'' کی شوٹنگ میں مصروف تھے..... ہم نے حال ہی میں ''دل دیا درد لیا'' (1966ء) مکمل کی تھی اور مدراس کے فلمی سیٹوں (SETS) پر یہ مذاق جاری وساری تھا کہ ''پران آپ کا پیچھا ہی نہیں چھوڑتا''..... یہ میرے لئے بھی بہتر تھا اور اس کے لئے بھی بہتر تھا کیونکہ ہم ایک دوسرے کی صحبت پسند کرتے تھے اور بطور فنکار اور شریک اسٹار ایک دوسرے کی عزت واحترام کرتے تھے.....

اس نے اپنی یادگار دوستی کا مظاہرہ اس وقت کیا جب اس نے سری نگر میں دلیری کے ساتھ طوفان کا سامنا کیا جہاں پر اس نے طوفان کے باوجود فضائی سفر طے کیا جب کہ دیگر مسافروں نے دانشمندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے جہاز پر سوار نہ ہونے کا فیصلہ کیا تھا..... وہ اسی پرواز سے طوفان کے باوجود بھی دہلی پہنچا اور اس کے بعد وہ بمبئی کی پرواز میں سوار ہو کر میری برات کی سائرہ کے گھر روانگی سے قبل ہی برات میں شامل ہونے کے لئے آن پہنچا..... وہ منہ سے ایک لفظ نکالے بغیر ہی مجھ سے بار بار بغلگیر ہوتا رہا.....

پران نے ہماری دوستی کے استحکام کے لئے ایک اور دستِ تعاون اس وقت دراز کیا جب میں ''آزاد'' (1955ء) کی شوٹنگ میں مصروف تھا..... میں اس فلم میں بھرپور مزاحیہ اداکاری کر رہا تھا اور یہ ایک ایسا اقدام تھا جو میں نے اپنے قریبی دوستوں اور خیر خواہوں کے مشورے سے ہٹ کر اپنایا تھا جو یہ چاہتے تھے کہ میں المیہ اداکاری میں اپنا جو مقام بنا چکا تھا مجھے اس مقام سے دست بردار نہیں ہونا چاہئے..... پہلے شیڈول کے بعد پران میرے پاس آیا اور مجھے پورے خلوص کے ساتھ بتایا کہ میں ایسے تمام لوگوں کو ایک حیران کن سرپرائز دینے جا رہا تھا جو یہ تصور کرتے تھے کہ میں اپنے کیریئر میں ایک غلط قدم اٹھا رہا تھا..... اس نے کہا کہ فلم ہاؤس فل ہوگی اور لوگ مجھے مزید فلموں میں مزاحیہ اداکاری میں دیکھنا پسند کریں گے..... جیسا کہ پران نے پیشین گوئی کی تھی..... ''آزاد'' نے قرار واقعی کامیابی حاصل کی اور عوام نے اسے بے حد پسند کیا اور یہ ثابت کر دیا کہ وہ مجھے اس اداکاری میں بھی اسی طرح پسند کرتے تھے جس میں مَیں انہیں ہنساتا تھا اور جس طرح وہ مجھے اس اداکاری میں پسند کرتے تھے جس میں میں انہیں رلاتا تھا..... پران خوش تھا کہ ''رام اور شیام'' میں کچھ حقیقی مزاحیہ مناظر کا حامل بنوں گا اور میری ریہرسلیں دیکھ کر اسے بے حساب خوشی ہوئی اور بعد میں اس نے مجھے بتایا کہ میری کون سی جدت بہترین تھی..... ایک مرتبہ پھر وہ اور میں (''رام اور شیام'' میں) ایک دوسرے کے خلاف تھے۔ بطور ایک بزدل اور ڈرپوک رام..... میں نے جابر اور ظالم ٹھاکر جندرا کے سامنے جھکنا اور اس کی چاپلوسی کرنا تھی اور بطور ایک شعلے جیسے شیام..... میں نے اسے اس کی اپنی ہی دوا کا ذائقہ چکھانا تھا اور ایک سین میں ایک کوڑے کے ذریعے اس پر غلبہ حاصل کرتے ہوئے جو اَب انڈیا کے سینما کی تاریخ کا حصہ ہے.....

اس سین میں..... شیام اپنے ظالم برادر نسبتی کے ہاتھوں سے کوڑا چھین لیتا ہے اور اس پر

itsurdu.blogspot.com

برسانا شروع کرتا ہے..... ایک فوری ریہرسل کے لئے میں نے کوڑا لیا اور اس کی نوک کے ساتھ پران کی پشت کو ہلکا سا چھوا..... کیمرہ یونٹ پران کے انتظار میں تھا کہ وہ صدمے کے تأثرات پیش کرے جس کا اُس صورت حال میں اس سے تصور کیا جاتا تھا..... صدمے کے تأثرات پیش کرنے کی بجائے..... پران نے ہنسنا شروع کیا اور مجھ سے دور بھاگنا شروع کیا..... سب لوگ حیران اور پریشان تھے کیونکہ کوئی نہیں جانتا تھا کہ وہ کیوں دور بھاگ رہا تھا..... میں کوڑے کے ہمراہ پران کے پیچھے گیا تا کہ معلوم کرسکوں کہ کیا رونما ہو رہا تھا..... غیر ارادی طور پر کوڑے کا رخ اس کی جانب تھا اور میری حیرانی کی کوئی انتہا نہ رہی..... کہ وہ بے تحاشہ ہنس رہا تھا اور وہ اپنی ہنسی پر قابو پانے میں ناکام ہو رہا تھا.....

''لالے (وہ پیار سے مجھے ''لالے'' کہتا تھا) میرے ساتھ ایک مسئلہ ہے..... مجھے گدگدی بہت جلدی ہوتی ہے۔''

ہمیں ریہرسل کے بغیر شوٹنگ کرنا تھی اور پران نے اس وقت جو تأثرات پیش کئے جب میں نے اس پر کوڑا برسایا..... میرا خیال ہے وہ سین فلم کا ایک یادگار سین تھا.....

''رام اور شیام'' میں میرا ایک اور دوست بھی موجود تھا جو مجھے بے حد عزیز تھا..... مکرمی انجمن اسلام اسکول میں میرا اسکول کا ساتھی تھا اور وہ بمبئی ٹاکیز میں میری شمولیت سے قبل ہی ایک اداکار بن چکا تھا..... لہٰذا اس کو حق حاصل تھا کہ مجھ سے سینئر ہونے کے ناطے وہ کبھی کبھار میری رہنمائی کرتا رہتا تھا..... اسکول میں مَیں اسے بمشکل ہی جانتا تھا اور بمبئی ٹاکیز میں ''پراتما'' (1945ء) کی پروڈکشن کے دوران میں اسے اپنے اسکول کے پرانے ساتھی کے طور پر بخوبی جاننے لگا تھا..... اس وقت تک مکری دو فلموں میں کام کر چکا تھا اور میرے بھائی کے ساتھ اس کا دوستانہ تھا.....

''پراتما'' کے بعد ہم دوبارہ ''انوکھا پیار'' (1948ء) کے سیٹ پر ایک دوسرے کو خوش آمدید کہہ رہے تھے..... اس مرتبہ ہم نے قابل غور حد تک وقت باہم اکٹھے گزارا اور ہم آپس میں دوست بن گئے اگرچہ ہمارے درمیان بہت کم قدر مشترک پائی جاتی تھی..... میرے خیال میں یہ ضروری نہیں کہ کوئی اپنی زندگی کے سفر میں ایسے دوست بنائے جو اس جیسے مزاج اور فطرت کے حامل ہوں..... مکری ایک دل لگی کرنے والا بندہ تھا اور وہ اکثر میرے ساتھ بھی ایسی دل لگی کرتا تھا کہ میں ہراساں ہو جایا کرتا تھا..... میں اب یہاں پر اصل موضوع سے تھوڑا سا ہٹ کر محبوب خان کی ''آن'' (1952ء) کی شوٹنگ کے دوران مکری اور نادرہ کا ایک حیران کن اور ناشائستہ قصہ بیان کرنا چاہتا ہوں.....

محبوب صاحب بنی نوع انسان کے جواہر تھے جو اداکاروں اور ٹیکنیشنوں کا اس وقت بھی بے حد خیال رکھتے تھے جب ہم لوکیشنوں پر شوٹنگ کرتے تھے..... وہ شاندار ہوٹل میں سب کے لئے کمرے بک کرواتے تھے..... مکری میرے علم میں لائے بغیر ہوٹل کے استقبالیہ ڈیسک پر گیا اور ڈیوٹی پر موجود اہلکار کو بتایا کہ وہ میرا کمرہ شیئر کرے گا اور اس لئے اسے ایک علیحدہ کمرے کی ہرگز ضرورت نہ تھی..... لہٰذا ہوٹل کے اہلکاروں نے اس کے کمرے کو ایسی اشیاء سے مزین کرنے کا تردد محسوس نہ کیا جیسے کمبل..... تولیہ اور بیڈ شیٹ وغیرہ.....

©جملہ حقوق بحق ادارہ اُردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

پہلے دن رات گئے شوٹنگ پیکے اختتام کو پہنچی اور ہم نے پیک اپ کیا اور میں ایک اچھی نیند سے لطف اندوز ہونے کے لئے اپنے کمرے میں چلا آیا..... یہ سردی کا موسم تھا اور اچھی خاصی سردی پڑ رہی تھی..... میں نے جلدی جلدی تھوڑا بہت کھانا کھایا اور اپنے بستر کے کمبل میں گھس کر جلدی نیند کی آغوش میں جا پہنچا..... میں نے غالباً کمرے کا دروازہ لاک نہ کیا تھا..... دوران نیند..... میں نے محسوس کیا کہ کوئی میرے کمبل میں گھس رہا تھا..... میں جاگ اٹھا اور میری حیرانی کی انتہا نہ رہی کہ یہ اپنے پاجامے اور کرتے میں ملبوس مکری تھا جو میرا بستر شیئر کرنا چاہتا تھا!

فطری بات تھی کہ میں مشتعل ہو گیا لیکن میں نے اپنے اشتعال پر قابو پاتے ہوئے اس سے دریافت کیا کہ وہ میرے بستر میں کیا کر رہا تھا اور اس نے جواب میں ایک طول وضاحت پیش کی جو احمقانہ تھی.....

صاف ظاہر ہے..... مکری ایک ایسے کمرے میں سونا نہ چاہتا تھا جو سرد تھا اور جس میں کمبل بھی موجود نہ تھا..... لہٰذا وہ نیچے برآمدے میں چلا گیا اور دستک دیے بغیر ایک کمرے میں داخل ہو گیا جس کے بارے میں اس نے تصور کیا کہ میرا تھا..... جیسا کہ وہ اندھیرے میں دیکھ نہ سکا کہ کمرے میں کون سو رہا تھا..... وہ بستر میں گھس گیا اور وہاں نادرہ تھی جو خوف کے عالم میں چیخ چلا رہی تھی اور ہراساں ہوتے ہوئے اسے گالیاں دے رہی تھی..... وہ اس قدر خائف تھا کہ وہاں سے فوری طور پر حرکت نہ کر سکا لیکن اس نے اپنے اوسان بحال کئے اور قبل اس کے کہ وہ اسے فوراً کمرے سے باہر نکل جانے کا حکم دیتی اس نے اس سے معذرت کر لی.....

اس کے لئے کہیں بھی جانے کی کوئی سبیل نہ تھی لہٰذا اس نے میرے ہی کمرے میں پناہ لینی تھی..... اسے توقع تھی کہ میں اس کی صورت حال سمجھتے ہوئے اس پر مہربانی کرنے کا مظاہرہ کروں گا لیکن میں اس کی حماقت برداشت کرنے کے موڈ میں نہ تھا..... میں نے یقین دہانی حاصل کی کہ وہ واپس اپنے کمرے میں چلا گیا تھا اور اب واپس نہیں آئے گا..... یہ قصہ یہاں پر ہی ختم نہ ہوا بلکہ اگلے دن اس کا رد عمل زیادہ شدید تھا..... جب کہ غصے میں بھری ہوئی اور غضب ناک نادرہ نے اس واقعہ کا تذکرہ کیا جو گزشتہ شب رونما ہوا تھا..... شک وشبے کا شکار مسز محبوب خان کا پارہ چڑھا ہوا تھا اور ان کے ذہن میں جو سوال گردش کر رہا تھا، وہ یہ تھا:.....

''نادرہ اپنے کمرے کو لاک کئے بنا کیوں سو رہی تھی؟''

کیا دروازہ محبوب کے لئے کھلا چھوڑا گیا تھا..... جن کے بارے میں یہ افواہ گردش کر رہی تھی کہ وہ اپنے بڑے سے دل میں حسین وجمیل اور نئی آنے والی نادرہ کے لئے ایک نرم گوشہ رکھتے تھے؟

اس جوڑے کے درمیان رنجش پروان چڑھ رہی تھی..... میں نے اس لئے ایسا محسوس کیا تھا کہ مسز محبوب خان نے روتے ہوئے علیحدگی میں مجھ سے اپنے شک کا اظہار کیا تھا..... میں نے ان کے ذہن سے شکوک کے بادل رفع کرنے کے لئے اپنی تمام تر ڈپلومیسی اور خوش تدبیری استعمال کی اور محبوب صاحب کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی جو مکری کی دیدۂ دلیری اور جرأت پر برہم تھے.....

اس کے بعد میں نے مکری کو جلد بازی میں فیصلے کرنے سے خبردار کیا اور دو معاملات کے حوالے سے بھی اسے خبردار کیا..... ایک معاملہ یہ تھا کہ وہ ہوٹل کے کمروں اور میک اپ کے کمروں میں میرا پیچھا نہ کیا کرے کیونکہ میں اپنی پرائیویسی اور آزادی کی قدر کرتا تھا..... دوسری درخواست اپنے عزیز دوست مکری سے یہ کی وہ کام کے اوقات کے دوران الکحل سے دور رہے..... مجھے علم تھا کہ وہ فلم بندی

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

کے دوران خاموشی کے ساتھ کھسک جایا کرتا تھا اور الکحل سے شغل کیا کرتا تھا جسے وہ توانائی فراہم کرنے والے مشروب سے تشبیح دیتا تھا..... جب تک وہ تھوڑی مقدار میں الکحل کا استعمال کرتا تھا تب تک معاملہ ٹھیک رہتا تھا کچھ مواقع ایسے بھی آتے تھے کہ وہ بلا تردد مے نوشی کر جاتا تھا اور مجھے ہراساں کر دیتا تھا .....لہٰذا میں نے اسے سختی کے ساتھ خبردار کیا کہ وہ ایس۔ یو۔ سنی کی ''کوہ نور'' (1960ء میں نمائش کے لئے پیش کی گئی) کی شوٹنگ کے دوران الکحل کو ہاتھ بھی نہ لگائے گا..... میں نے یونٹ کے اراکین کو بھی خبردار کیا کہ وہ اسے ہرگز ممنون نہ کریں اگر وہ شوٹنگ کے دوران الکحل طلب کرتا ہے.....

ایک دوپہر..... جب میں سنی کے ساتھ سنجیدہ بحث مباحثے میں مصروف تھا..... اس وقت میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب جھومتا ہوا مکری میرے پاس آیا اور مجھ سے کہنے لگا کہ میں اپنے آپ کو کیا سمجھتا تھا؟ وہ بے حد غصے میں تھا کہ یونٹ کے لڑکوں نے اس کے لئے مے نوشی کا اہتمام کرنے سے انکار کر دیا تھا..... لہٰذا اسے اپنے طور پر اہتمام کرنا پڑا تھا اور اس نے بوتل اپنے ہاتھ میں تھام رکھی تھی اور بار بار یہ سوال دہرا رہا تھا:.....

''تم کیا سمجھتے ہو کہ میں اپنی مدد آپ نہیں کر سکتا؟ میں مکری ہوں تمہارا بہترین دوست اور تم نے لڑکوں سے کہا تھا کہ وہ مجھے الکحل نہ دیں!''

اس حالت میں وہ کام کرنے کے قابل نہ تھا اور اس نے میری توجہ بھی مشتر کر دی تھی لہٰذا میں نے پیک اپ کے لئے کہا اور گاڑی میں بیٹھ کر اسٹوڈیو سے باہر نکل آیا اور مکری کو اس کے حال پر چھوڑ کر واپسی کی راہ لی..... اس نے جلد ہی یہ محسوس کر لیا کہ میں اس کے ساتھ ناراض تھا اور میری ناراضگی کی وجہ بھی جائز تھی..... جیسا کہ ہمیشہ دوستوں کے درمیان یہی رونما ہوتا ہے ہم نے اس قصے کو اس وقت فراموش کر دیا جب چند دن بعد ہماری ملاقات ہوئی اور اس نے مجھ سے وعدہ کیا کہ ایسا دوبارہ کبھی رونما نہ ہوگا۔

www.UrduPoint.com

''کوہ نور'' (1960ء)..... اس فلم کی یاد میرے ذہن میں ہمیشہ تازہ رہے گی کیونکہ اس فلم کیلئے میں نے ستار بجانا سیکھنے کی کاوش کی تھی..... یہ میرے لئے ایک اور موقع تھا جس کے تحت میں اپنی مزاحیہ اداکاری کی آزمائش کر سکتا تھا..... میں ''کوہ نور'' کی تیاری کے دوران اس لئے بھی لطف اندوز ہوا کہ اس کی تیاری کے دوران مینا کماری کے ساتھ میری وہ دوستی پروان چڑھی جس کا آغاز فلم آزاد سے ہوا تھا..... ہم جذباتی ڈرامے اور المیہ کیلئے مشہور تھے..... اب ہم ایک فلم میں اکٹھے جلوہ گر ہوئے تھے.....

''کوہ نور'' کے حوالے سے میں ایک دلچسپ اور اوہام پرست تجربہ بیان کرنا چاہتا ہوں جو اس فلم کے لئے لوکیشن کی تلاش کے دوران پیش آیا تھا..... سنی اور میں نے بذریعہ سڑک پرناسک (مہاراشٹر میں..... بمبئی سے تقریباً 190 کلومیٹر دور) سے آگے جانے کا فیصلہ کیا تاکہ فلم کے کچھ آؤٹ ڈور مناظر کی فلمندی کے لئے موزوں لوکیشن تلاش کر سکیں..... میں نے سنی کو مشورہ دیا کہ ہم شام کو آغاز کریں گے تاکہ ہم سرِ شام مجوزہ لوکیشن پر پہنچ سکیں اور تب رات کے وقت جگہ کی موزونیت کا اندازہ لگائیں گے .....سنی مان گیا اور وہ گھر چلا گیا تاکہ ہمارے سفر کے لئے کچھ ضروری اشیاء پیک کر سکے اور اس نے شام تک میرے گھر واپس آنا تھا.....

سنی کی بیوی ہمیشہ ایک پراسرار خاتون دکھائی دیتی تھی..... غیر معمولی اور پر تجسس سوالات سے بھرپور..... وہ مافوق الفطرت میں بے حد دلچسپی رکھتی تھی اور اس سے یہ مطالبہ کرتی رہتی تھی کہ کیا وہ بھی دورے میں ہمارے ساتھ شرکت کر سکتی تھی..... وہ شام کے وقت روانگی کے حوالے سے غالباً سنی کی

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

وجوہات سمجھنے کے موڈ میں نہ تھی اور میرے ساتھ جانے کے اس کے مخفی فیصلے کو بھی سمجھنے سے قاصر تھی.....

سنی نے اس کی ساتھ جانے کی درخواست فی الفور مسترد کردی اور جلدی جلدی اپنا بیگ پیک کیا اور میرے گھر چلا آیا.....

اس نے نہ ہی مجھے اپنی بیوی کی اس خواہش کے بارے میں بتایا کہ وہ بھی ہمارے ساتھ سفر کرنا چاہتی تھی اور نہ ہی اس راز سے پردہ اٹھایا کہ اس کی بیوی سحر سازی کرتی تھی .....ہم چار لوگ تھے (بشمول کیمرہ اسسٹنٹ اور ڈرائیور).....ہم ایک گاڑی میں سوار تھے اور عورت کے سمانے کی کوئی گنجائش نہ تھی اور سنی نے اپنی برہم بیوی کو یہ وضاحت دینی ضروری نہ سمجھی.....

ابھی ہم نے محض چند میل کا سفر ہی طے کیا تھا کہ سورج نے غروب ہونے کا آغاز کردیا اور آہستہ آہستہ رات طاری ہونے لگی..... بالکل غیر متوقع طور پر موسم تبدیل ہوگیا.....اور ہم تند و تیز چلنے والی ہوا کی بدولت حیران و پریشان ہوکر رہ گئے.....اور بارش گاڑی کی ونڈ اسکرین سے ٹکرانے لگی..... ہم نے ابھی کچھ مزید سفر طے کرنا تھا.....سنی اور کیمرہ اسسٹنٹ جو ڈرائیور کے علاوہ سامنے بیٹھے تھے..... انہوں نے فیصلہ کیا کہ ہمیں کہیں نہ کہیں رک جانا چاہیے اور بارش کے ختم ہونے کا انتظار کرنا چاہئے اور بارش رکنے کے بعد بقایا سفر طے کرنا چاہیے.....میں نے بھی ان کے ساتھ اتفاق کیا اور ہم نے ہائی وے کے دونوں اطراف میں پھیلی ہوئی بنجر زمین کے ساتھ ساتھ کسی آبادی کے آثار تلاش کرنے کی کوشش کی .....ہم محتاط انداز میں آگے بڑھ رہے تھے.....

جلد ہی ہمیں ایک شیڈ (SHED) دکھائی دیا اور ہم نے اس کے قریب اپنی گاڑی روک دی .....سنی اور میں گاڑی سے باہر نکلے اور شیڈ کی جانب بڑھنے لگے جسے اب ہم واضح طور پر دیکھ سکتے تھے .....اس کی ایک ٹوٹی پھوٹی چھت تھی اور ایک کھلا ہوا ٹاٹ کا تھیلا اس کے ساتھ رسے کے ایک ٹکڑے کے ساتھ بندھا ہوا تھا..... ایک جھاڑی کے ساتھ بندھی ہوئی ایک بکری کانپ رہی تھی اور ہمیں امید بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی کہ ہم اسے شیڈ کے اندر لے جائیں گے.....

شیڈ کے اندر.....لکڑی کے تنے موجود تھے اور اس کے علاوہ کچھ ملبہ بھی پڑا تھا.....اور ایک ٹوٹا ہوا بینچ بھی موجود تھا.....میں بینچ پر بیٹھ گیا اور سنی چہل قدمی کرتا ہوا بکری کی جانب بڑھا تاکہ یہ دیکھ سکے کہ ہو اس بیچارے جانور کی کوئی مدد کرسکتا ہے.....ٹاٹ کا تھیلا ہوا میں پھڑ پھڑا رہا تھا.....طوفانی ہوا کا جھکڑ چل رہا تھا.....سنی چلتا ہوا واپس اسی جگہ آرہا تھا جہاں پر میں بیٹھا ہوا تھا جب ٹاٹ کا تھیلا جدا ہوا اور وہاں وہ ہمارے سامنے تھی.....اچانک.....اس پر یقین کریں یا ناں.....سنی کی بیوی.....وہ کھڑی تھی اور ہمیں گھور رہی تھی.....اس کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ تھی.....میں اس عورت کو دیکھ کر غیر متزلزل رہا جو جسمانی طور پر ہم سے میلوں دور تھی.....کیمرہ اسسٹنٹ کانپ رہا تھا اور سنی اسی جگہ بت بنا کھڑا تھا جہاں پر وہ موجود تھا.....

طوفان تھم چکا تھا اور ہم نے خاموشی کے ساتھ اپنی گاڑی میں اپنے سفر کا دوبارہ آغاز کیا..... سنی شرم یا ہراساں ہونے کی وجہ سے خاموش تھا اور کیمرہ اسسٹنٹ کے پاس بھی بولنے کے لئے الفاظ نہ تھے.....ڈرائیور اس واقعہ سے بے خبر تھا کیونکہ وہ گاڑی میں ہی موجود رہا تھا.....میں جو سردی محسوس کر رہا تھا اس سے چھٹکارا پانے کے لئے میں نے ایک پشتو گیت گانا شروع کیا جو مجھے آتا تھا.....

©جملہ حقوق بحق ادارہ اُردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

ہم لوکیشن پر جا پہنچے.....اس کا معائنہ کیا اور واپس بمبئی چلے آئے.....اپنے گھر کے تحفظ میں واپس پہنچنے کے بعد.....اگلی دوپہر میں نے اپنی بہنوں کو اپنے اس تجربے سے آگاہ کیا وہ اسے بغور سن رہی تھیں کہ اس دوران ہم نے گاڑی کے ہارن کی آواز سنی جو ہمارے بنگلے کے گیٹ اندر داخل ہو چکی تھی .....لڑکیاں بھاگتی ہوئی گئیں تاکہ ٹیرس سے نیچے فرسٹ فلور پر جھانک کر دیکھ سکیں کہ ہمارے گھر کون آرہا تھا..... مجھے اس وقت دھچکا لگا جب میں نے انہیں خوف کے ساتھ کانپتے ہوئے دیکھا اور چھوٹی لڑکیاں بھی خوف سے کانپ رہی تھیں.....مہمان سنی اور اس کی بیوی کے علاوہ کوئی اور نہ تھے.....کیا یہ محض اتفاق تھا یا کالے جادو کا کرشمہ تھا؟

باب نمبر 21

سائرہ کی دیکھ بھال

(TAKING CARE OF SAIRA)

''سر فرانسس اویری۔ جونز (ڈاکٹر جو سائرہ بانو کا علاج کر رہا تھا) اس نے ایک خوبصورت خراج تحسین پیش کیا یہ کہتے ہوئے کہ اس نے کبھی کسی مریض کے خاوند اور ماں کو اس کی اس قدر دیکھ بھال کرتے ہوئے نہیں دیکھا.....اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے مزید کہا کہ ایسا محض مشرقی لوگوں میں ہی رونما ہو سکتا ہے.....ہماری مشترکہ کوششوں اور اللہ کی مہربانی سے سائرہ معجزانہ طور پر روبہ صحت ہو گئی۔''

جیسے ہی میری گاڑی اس کے کام کی لوکیشن پر پہنچی .....وہ خوشی خوشی پہاڑی سے نیچے کی جانب بھاگی اور ہم نے اپنی گاڑی وہیں پر چھوڑی اور تب ایک پرتعیش لیموزین میں سوار ہو کر اپنا ہنی مون منانے کے لئے قریبی بھوٹان کی جانب لونگ ڈرائیو پر روانہ ہوئے .....اب تک وہ میری اس عادت سے بخوبی آشنا ہو چکی تھی کہ مجھے آؤٹنگ کے لئے گمنام اور غیر معروف مقامات پسند تھے اور میں ایسے مقامات کو ترجیح دیتا تھا.....اور میں معروف اور مقبول عام مقامات پر آؤٹنگ کرنے سے گھبراتا تھا..... سائرہ اپنے بچپن اور لڑکپن میں دنیا بھر کا سفر طے کر چکی تھی ..... پہلے اپنی اماں کے ساتھ اور مابعد اپنی شوٹنگ وغیرہ کے لئے.....سائرہ یورپ کی بے حد عادی ہو چکی تھی.....وہ بڑے شہروں کے آرام و سکون اور ہنگاموں کی عادی تھی.....مابعد آنے والے برسوں کے دوران جب کبھی ہم نے کسی غیر ملکی مقام کا سفر طے کیا.....وہ پہلے ہی اس مقام سے آشنا تھی اور وہاں تک کا سفر پہلے ہی طے کر چکی تھی! تاہم بطور ایک کنوارا..... مجھے تنہائی پسند تھی اور میں ڈاک بنگلے میں قیام کرنا پسند کرتا تھا.....میرا شوفر اور ملازم میری گاڑی کی ڈگی میں انڈے..... پیاز.....آلو اور ضروریات زندگی کی وہ تمام اشیاء رکھ دیتے تھے جو گھر میں پکانے کے لئے درکار ہوتی تھیں اور میں چھٹیاں منانے کے لئے الگ تھلگ واقع جگہوں پر روانہ ہو جایا کرتا تھا.....مجھے فطرت سے محبت تھی.....

بھوٹان کے خوبصورت نظاروں اور ایسے پہاڑوں نے ہماری چھٹیوں کو اس قدر شاندار اور حسین بنا دیا تھا جن تک رسائی مشکل تھی.....ہماری یہ چھٹیاں غیر معمولی تھیں.....ہمیں شاہی خاندان نے بھوٹان کے دورے کی دعوت دی تھی.....وہاں پر خوبصورت اور حسین جنگلی علاقہ موجود تھا جہاں پر حیران کن انداز میں لکڑی کے مکانات تعمیر کئے گئے تھے جن کے اردگرد سبزہ ہی سبزہ تھا اور وہ اس سبزے میں گھرے ہوئے تھے اور ہم نے اپنی رات وہاں پر گزارنے کا ارادہ کیا.....سردی بے حد شدید تھی.....تند و تیز اور طوفانی ہوا چل رہی تھی اور شدید سردی کی آمد کی نشاندہی کر رہی تھی.....ہمارے لکڑی کے کیبن کو

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

گرم رکھنے کے لئے انگیٹھیوں میں کوئلے دہک رہے تھے..... ہم اپنے کمبلوں میں گھس گئے اور نیند کا انتظار کرنے لگے کہ وہ کب ہمیں اپنی آغوش میں سماتی ہے..... نور جہاں..... سائرہ کی ملازمہ..... جو جہیز میں اس کے ساتھ آئی تھی..... ہم مذاق سے ایسے ہی کہتے تھے..... وہ ساتھ والے کیبن میں نیند کے مزے لوٹ رہی تھی.....

سب کچھ ٹھیک ٹھاک تھا اور باہر ہوا اپنے ہی نغمے بکھیر رہی تھی..... اچانک میری جاگ کھلی اور میں نے محسوس کیا کہ سائرہ میرے پہلو میں موجود نہ تھی..... میں جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا..... میں نے ہر ممکنہ جگہ اسے تلاش کیا اور اس کے بعد باتھ روم کا رخ کیا.....

میں نے جو کچھ دیکھا وہ ایک ڈراؤنا خواب تھا..... وہ بے ہوش پڑی تھی..... سفید نائٹ گون میں اس کا جسم بالکل ساکت تھا..... اس کے دراز بال فرش پر بکھرے ہوئے تھے..... خدا کا شکر تھا کہ اس کا سر زخمی نہ ہوا تھا..... وہ بیسن پر گرنے سے بچ گئی تھی..... میں نے فی الفور جھک کر اسے اپنے بازوؤں میں اٹھایا اور کمرے میں پہنچایا اور میں دل ہی دل میں یہ دعا بھی کر رہا تھا:.....

''یا اللہ! اسے کچھ نہیں ہونا چاہیے..... مجھے اسے پا لینے کے بعد کچھ نہیں ہونا چاہیے۔''

فی الفور ڈاکٹروں کو بلایا گیا اور انہوں نے انکشاف کیا کہ ہم نے تمام کھڑکیاں بند کر کے تازہ ہوا کی آمد و رفت کمرے میں روکنے کے حوالے سے بہت بڑی غلطی کی تھی کیونکہ کیبن کے اندر انگیٹھی میں کوئلے دہک رہے تھے..... صاف ظاہر تھا..... کچھ کوئلے جل نہ سکے تھے اور وہ ان جلے رہ گئے تھے اور کیبن کے اندر ہر جگہ خطرناک کاربن مونو آکسائیڈ موجود تھی..... یہ مہلک بھی ثابت ہو سکتی تھی.....

ہم نے فی الفور واپسی کی راہ لی اور کیبن میں واقع اپنے گھر واپس آ گئے..... سائرہ نے اپنی ایک فلم کی شوٹنگ کے لئے رپورٹ کرنی تھی جس کی وہ حامی بھر چکی تھی.....

چونکہ میں اس قدر طویل عرصے تک کنوارا ہی رہا تھا..... لہٰذا مجھے یہ احساس تھا کہ میری بہنوں اور بھائی احسان کے لئے میری بیوی سائرہ کے ہمراہ میرے ساتھ شیئر کرنا مشکل تھا.....

یہ ایک ایسی چیز تھی جس کا مجھے پہلے ہی سے ادراک تھا اور میں اس کے لئے تیار بھی تھا..... لیکن جو سرپرائز میرا منتظر تھا وہ یہ تھا کہ وہ اس حقیقت کے مدنظر غم و غصے کا شکار تھے کہ میری بیوی اپنی شہرت اور اپنی طرز زندگی کی حامل تھی.....

اپنے گھر میں وہ ایک شہزادی کی مانند رہتی تھی..... وہ اپنی فیملی کی آنکھ کا تارا تھی اور اس کی فیملی اس کے کہے بنا ہی اس کا ہر کام کر دیتی تھی.....

لیکن یہاں پر وہ ایک مشترکہ خاندان میں تھی جس کی حکمران میری بڑی بہن سکینہ آپا تھی جس کے ساتھ نباہ کرنا مشکل تھا اور اس کے علاوہ..... میری شادی شدہ بہنیں مثلاً سعیدہ اور فوزیہ اور مؤخر الذکر کے خاوند نے بھی ہماری شادی کے بعد ہمارے ساتھ قیام کرنے کا فیصلہ کیا تھا..... سائرہ چونکہ ایک ورکنگ وومن تھی لہٰذا اسے وقت مقررہ پر شوٹنگ کے لئے پہنچنا ہوتا تھا اور اسے اپنے شیڈول پر عمل کرنے کے لئے اپنی جگہ اور مخصوص سہولیات کی ضرورت تھی.....

بدقسمتی سے ہمارا سب کچھ مشترکہ اور سانجھا تھا..... سائرہ کے غسل کے لئے علیحدہ واش روم کی سہولت دستیاب نہ تھی..... مثال کے طور پر اگر سائرہ نے واش روم استعمال کرنا ہوتا تھا لیکن اسی وقت فوزیہ نے بھی باتھ روم استعمال کرنا ہوتا تھا..... اگرچہ سائرہ نے ایک مرتبہ بھی شکایت نہ کی تھی بلکہ وہ چہل قدمی کرتے ہوئے دو منٹ میں اپنے بنگلے میں پہنچ جاتی تھی..... وہاں پر غسل کرنے کے لئے اور

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

اپنے میک اپ روم میں تیار ہو کر اپنی شوٹنگ کے لئے چلی جاتی تھی.....

میں محسوس کر سکتا تھا کہ ایسی صورت حال ہمارے لئے ایک مثالی صورت حال ہرگز نہ تھی..... بدقسمتی سے ہماری فیملی کی پرانی خادمہ اور میرا خدمت گار انور اپنے ہی دورے پر روانہ ہو چکے تھے اور سائرہ کی خادمہ نور جہان کے لئے ایک مصیبت ٹوٹ پڑی تھی اور سارے گھر کے کام کاج کا بوجھ اس کے سر پر آن پڑا تھا.....

میں خاموش تھا اور بڑی خاموشی کے ساتھ اس کا مشاہدہ کر رہا تھا جو کچھ رونما ہو رہا تھا..... میں چونکہ ہمیشہ اپنی بہنوں کی معاونت کرتا چلا آ رہا تھا لہٰذا میں چاہتا تھا کہ وہ محسوس نہ کریں کہ میں نے ان کی معاونت سے ہاتھ کھینچ لیا تھا یا میں انہیں نیچا دکھانے کی کوشش کر رہا تھا..... اس قسم کی صورت احوال میں سائرہ اور مجھ میں مفاہمت پائی جاتی تھی اور میں حیران تھا کہ وہ کیسے صبر و تحمل اور برداشت کا مظاہرہ کر رہی تھی اور چھوٹے موٹے مسائل کو نظر انداز کر رہی تھی..... سائرہ جو اس وقت ایک شرمیلی اور بزدل سی لڑکی تھی..... مجھے یہ تسلیم کرنے میں کوئی عار نہیں کہ سائرہ نے میری بہنوں کے ساتھ اپنے تعلقات مضبوط بنانے کی کوشش کی اور اس نے اس حوالے سے حقیقی کوشش بھی کی اور پیار محبت اور عزت و احترام سے ان کے دل جیتنے کی کاوش بھی کی.....

گھریلو دباؤ..... کھچاؤ اور تناؤ کی وجہ سے اس کی صحت متاثر ہونے لگی اور جلد ہی سائرہ بے حد علیل ہو گئی..... یہ اس جذباتی دباؤ کا نتیجہ تھا جو اس عداوت کے ماحول میں اس کے اندر پرورش پا رہا تھا جس ماحول میں وہ رہ رہی تھی اور وہ اچانک غیر دوستانہ ماحول کا شکار ہوئی تھی اور اپنے میکے میں ایک خوش باش محفوظ اور تحفظ بھری زندگی گزارنے کے بعد اچانک وہ اس قسم کے ماحول کا شکار ہوئی تھی..... وہ انتڑیوں کی سوزش اور ورم میں مبتلا ہو چکی تھی..... اگرچہ سائرہ اور نسیم آپا نے حقیقت پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہوئے یہ کہا کہ اس کی اس بیماری کی وجہ وہ برا آملیٹ تھا جو اس نے کھایا تھا..... ڈاکٹر نے سائرہ کے لئے پرہیزی کھانا تجویز کیا تھا لہٰذا نسیم آپا نے یہ ذمہ داری اٹھائی کہ وہ ہمیں ناشتہ اور دوپہر کا کھانا اپنے گھر سے بھیجنے لگیں..... اور اگر ہم گھر پر ہوتے تو رات کا کھانا بھی بھجوا دیتی تھیں.....

اس کی انتڑیاں مناسب کارکردگی کا مظاہرہ نہ کر رہی تھیں اور اس کے بداثرات اس کی صحت پر بھی نمایاں ہونے لگے تھے..... ہم نے بمبئی میں سینٹ الزبتھ نرسنگ ہوم میں سائرہ کا علاج کروایا..... اگرچہ وہاں سے علاج کروانے کا ہمارا فیصلہ بروقت اور دانشمندانہ تھا اور سائرہ کی صحت بھی کسی قدر بحال ہو رہی تھی..... تاہم معالجوں نے ہمیں مشورہ دیا کہ اس کی صحت کو جو نقصان پہنچ چکا تھا اس کے مکمل تدارک کے لئے ہمارے لئے یہ ضروری تھا کہ ہم اسے لندن کلینک (برطانیہ کے بڑے ہسپتالوں میں سے ایک ہسپتال) منتقل کر دیں جہاں پر دنیا کے معروف معالج ڈاکٹر سر فرانسس اویری جونز کے زیر نگرانی اس کا بہت علاج ہو سکے گا جو ملکہ الزبتھ کے ڈاکٹروں میں سے ایک تھے۔

اماں جی (سائرہ کی دادی)..... سلطان اور راحت نے بھاگ دوڑ کرتے ہوئے مجھے اور نسیم آپا کو فی الفور لندن روانہ کرنے کا بندوبست کر دیا..... دیگر عزیز دوستوں کے علاوہ یاش چوپڑا..... ستیش بھلا..... اور بلراج کوہلی بھی ہمارے ساتھ تعاون کرنے میں پیش پیش تھے اور وہ ہمیں رخصت کرنے کے لئے ہوائی اڈے پر موجود تھے.....

©جملہ حقوق بحق ادارہ اُردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

لندن کلینک میں میں بیچارگی کے عالم میں سائرہ کے پاس بیٹھا تھا..... اس کی خوبصورت آنکھیں ناتوانی کے عالم میں میری جانب دیکھ کر مسکرا رہی تھی..... وہ اپنے خوف سے اور تکلیف کو بالائے طاق رکھتے ہوئے مجھے یہ باور کروا رہی تھی کہ وہ مجھ سے کس قدر محبت کرتی تھی اور میری ہر وقت وہاں موجودگی کی قدر کرتی تھی..... لندن کلینک میں بے حد سختی تھی اور مریض کے کمرے میں کسی کی موجودگی کی اجازت نہ تھی..... لیکن ڈاکٹر فرانسس اویری۔ جونز کی مہربانی کی بدولت نسیم آپا کو دن رات سائرہ کے کمرے میں ایک کرسی پر بیٹھنے کی اجازت مل گئی تھی..... ڈاکٹر سر فرانسس اویری۔ جونز جانتا تھا کہ نسیم آپا بذات خود ریڑھ کی ہڈی کے مہرے کے عارضے میں مبتلا تھی اور اس کے باوجود بھی وہ اپنی بیٹی کے پاس اس چھوٹی سی کرسی پر بیٹھی رہتی تھی جو اسے فراہم کی گئی تھی۔ سر فرانسس اویری۔ جونز نے ایک خوبصورت خراج تحسین پیش کیا..... یہ کہتے ہوئے کہ اس نے کبھی کسی مریض کے خاوند اور ماں کو اس قدر دیکھ بھال کرتے ہوئے نہ دیکھا تھا..... اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے مزید کہا کہ ایسا محض مشرق میں ہی رونما ہو سکتا ہے..... ہماری مشترکہ کوششوں اور اللہ کی مہربانی سے سائرہ معجزانہ طور پر روبصحت ہو گئی..... اس نے تقریباً ایک ماہ کلینک میں آرام کیا اور اس کے بعد لندن میں منوج کمار کی ''پورب پچھم'' (یہ فلم 1970ء میں نمائش کے لئے پیش کی گئی تھی) میں نے اپنی شوٹنگ کے لئے آغاز کر دیا.....

یہاں پر مجھے یہ کہنے میں کوئی عار نہیں کہ فلم کے پروڈیوسر۔ ڈائریکٹر کے طور پر منوج کا موقف قابل تعریف تھا..... اس نے مجھے یقین دہانی کروائی کہ وہ سائرہ کے صحت یاب ہونے کا انتظار کرے گا اور اس کی صحت یابی کے بعد ہی ''پورب اور پچھم'' کی شوٹنگ کرے گا کیونکہ اس نے سائرہ کو اپنے ذہن میں رکھتے ہوئے اسکرپٹ تحریر کیا تھا..... اس نے مجھے بتایا کہ اگر سائرہ اسے نہیں کرے گی تب وہ اس پراجیکٹ سے ہی دست بردار ہو جائے گا..... برسوں بعد منوج نے مجھے ''کرانتی'' (1981ء میں نمائش کے لئے پیش کی گئی) میں کام کرنے کی پیش کش کی..... میں نے مکمل اسکرپٹ پڑھے بغیر ہی اس کی پیش کش کو قبول کر لیا کیونکہ میں اس کا قرض ادا کرنے کا خواہاں تھا.....

دوسری جانب سبھو دمکھر جی..... جن کے ساتھ سائرہ نے ''جنگلی'' (1961ء) میں کام کرتے ہوئے اپنے فلمی کیریئر کا آغاز کیا تھا اور اس کے بعد اس کے پروڈکشن ہاؤس کے لئے تین مزید فلموں میں بھی کام کیا تھا..... اس نے اسے مکمل طور پر نظر انداز کر دیا تھا..... اس نے اسے مکمل طور پر نظر انداز کر دیا تھا۔ اس نے سبھو دکے لئے لکھاری گلشن نندا سے خصوصی طور پر ایک موضوع (شرمیلی) حاصل کیا تھا تاکہ وہ اس کے ساتھ فلم بنا سکے..... اس فلم میں اس کا نمایاں کردار تھا اور اسے فلم کے لئے آؤٹ ڈور شوٹنگ کی تواریخ بھی دی جا چکی تھیں..... تاہم جب وہ علیل ہو گئی..... تب اسے بتائے بغیر ہی ایک اور فنکارہ کے ساتھ تبدیل کر دیا گیا..... ''شرمیلی'' 1971ء میں نمائش کے لئے پیش کی گئی جس کی ہیروئن (ڈبل رول میں) راکھی تھی.....

1970ء کے عشرے کے آغاز میں..... ہم نے چند ہفتے فیشن ایبل دنیا کے شہر میں گزارے (یہاں پر سائرہ نے اپنا بچپن اور لڑکپن گزارا تھا)..... ہم نے اپنے ایام محض ایک دوسرے کی معیت میں یا لونگ ڈرائیو کرتے ہوئے گزارے..... جیسا کہ ان لوگوں کے علم میں ہے جو بکثرت لندن کا دورہ کرتے رہتے ہیں..... شہر کا چہرہ اپنی ظاہری صورت کی بابت دھوکہ دینے والے ثبات کا حامل ہے اور تبدیلیوں کا مشاہدہ کرنے اور انہیں پہنچاننے کے لئے ذہین آنکھ کی ضرورت ہوتی ہے..... اس وقت آسمان سے باتیں کرتی ہوئی عمارت وجود میں نہ آئی تھیں اور آسمان کا نظارہ بخوبی کیا جا سکتا تھا.....

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

سارہ اور میں اپنی دلچسپی کے مقامات بار بار دیکھتے رہے اور ان سے لطف اندوز ہوتے رہے .....ایک مرتبہ ہم اپنی گاڑی میں سوار ویسٹ منسٹر سے گزر رہے تھے سائرہ نے مجھ سے تذکرہ کیا کہ یہ کس قدر حیران کن ہوگا اگر ہم برمنگھم پیلس جاسکتے اور ملکہ الزبتھ سے ملاقات کر سکتے ..... حیرانی کی بات تھی کہ اسی ہفتے مجھے دعوت موصول ہوئی کہ ہم اس ٹی۔ پارٹی میں شرکت کریں جس کی میزبانی ملکہ کر رہی تھی..... یہ ایک سالانہ تقریب تھی جس میں اہم شہریوں کے علاوہ غیر ملکی مہمانوں اور سفارت کاروں نے شرکت کرنا تھی..... میں چونکہ سائرہ کو سرپرائز دینا چاہتا تھا..... اس لئے میں نے اسے دعوت کے بارے میں نہ بتایا..... میں نے اسے یہ بتا کر خوش کر دیا کہ میں اسے ایک ایسی عمدہ جگہ پر چائے پلانے کے لئے لے جانا چاہتا تھا جسے میں جانتا تھا..... وہ خوش ہوگی اور تیار ہوگی..... وہ مجھے تیار ہوتا دیکھ کر حیران ضرور ہوئی لیکن اس نے یہ سوال نہ کیا کہ میں کیوں اس قدر اہتمام سے تیار ہو رہا تھا..... ہم گاڑی میں بیٹھ گئے..... میں نے اس وقت اس کی آنکھوں میں چمک دیکھی جب وہ مجھ سے پوچھ رہی تھی کہ ہم کہاں جا رہے تھے .....اس وقت تک وہ مکمل طور پر روبصحت ہو چکی تھی اور اس کی علالت نے اس کی صحت پر جو بد اثرات مرتب کئے تھے وہ بھی زائل ہو چکے تھے اور وہ اپنی فطری صحت سے لطف اندوز ہوتے ہوئے دمک رہی تھی اور بے حد خوبصورت دکھائی دے رہی تھی.....

شوفر رولس رائس کو محل کی جانب لے جا رہا تھا اور سائرہ کی حیرت کی اس وقت کوئی انتہا نہ رہی جب گاڑی برمنگھم پیلس کے دروازے سے اندر داخل ہوئی جو مہمانوں کے لئے کھول دیا گیا تھا..... اسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا جب میں نے اسے بتایا کہ ہم ملکہ سے ملاقات کرنے جا رہے تھے اور اس کے باغ میں پیش کردہ چائے سے لطف اندوز ہونے جا رہے تھے.....

ہم سانس روکے خوبصورت اور بارعب ہالوں اور راہداریوں سے گزرتے ہوئے اس باغ میں جا پہنچے جہاں پر ملکہ الزبتھ..... شہزادہ فلپس..... مادر ملکہ..... شہزادہ چارلس اور شہزادی عینی مہمانوں سے ملاقات کر رہے تھے..... جیسے ہی ہم باغ میں داخل ہوئے اور قریب پہنچے ملکہ..... ہمارے اپنے بے تحاشہ ایشیائی اہلکار..... اور دیگر کئی ہائی کمشنر اور سفارت کار محبت بھرے انداز میں ہمارے اردگرد جمع ہو گئے اور ہم سے آٹو گراف کا مطالبہ کرنے لگے اور گپ شپ لڑانے لگے..... ملکہ الزبتھ یہ دیکھ کر بہت زیادہ حیران ہوئی..... اس نے ہمارے ساتھ ہاتھ ملائے..... وہ مسکرائی اور کہنے لگی:.....

''تم بے حد مقبول شخص ہو! خوشی ہوئی..... تم سے مل کر بے حد خوشی ہوئی!''

انڈیا ہماری واپسی پر..... میں نے یہ فیصلہ کیا کہ میں سائرہ کے ہمراہ اس کے بنگلے میں منتقل ہو جاؤں جو سڑک کے عین پار واقع تھا کیونکہ اسے خصوصی دیکھ بھال کی ضرورت تھی اور اس کے علاوہ اسے اس پرہیزی غذا کی ضرورت بھی تھی جو سر فرانسس اویری۔ جونز نے اس کے لئے تجویز کی تھی اور یہ پرہیزی غذا اس کے علاج معالجے کا ایک اہم حصہ تھی..... اگرچہ اس کی علالت کے حوالے سے اب خطرے والی کوئی بات نہ تھی لیکن تاحال وہ مکمل طور پر صحت یاب نہ ہو سکی تھی اور ہم اس کی مکمل صحت یابی کے متمنی تھے.....

نسیم آپا..... سلطان اور میں نے ملک کے بہترین ہومیو پیتھک ڈاکٹروں کی خدمات بھی حاصل کر لی تھیں اور ملک کے نامور حکماء سے بھی رابطہ کیا تھا..... وہ معالج حضرات آئے اور ہمارے ساتھ قیام پذیر ہوئے تاکہ سائرہ کا علاج معالجہ کر سکیں اور ادویات کے ردعمل کا جائزہ لے سکیں..... ان سب عناصر نے باہم مل کر اور نسیم آپا کی دیکھ بھال اور توجہ نے سائرہ کی جلد صحت یابی میں معاونت سرانجام

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

دی.....اس قسم کی دیکھ بھال اور نگہداشت محض اس کے لئے تعمیر کردہ بنگلے میں ہی ممکن ہو سکتی تھی.....جس کی تعمیر اس کی ضروریات اور آرام کو مدنظر رکھتے ہوئے کی گئی تھی.....

جب تک علاج معالجہ جاری تھا.....میں سائرہ کو اپنے گھر کے ماحول سے دور رکھنا چاہتا تھا کیونکہ اس ماحول میں اس کی علالت میں شدت آسکتی تھی جو مجھے کسی بھی طرح گوارا نہ تھی.....میرے گھر کا ماحول ہمیشہ گرم مزاجی کا حامل رہتا تھا.....اور ایک وجہ یہ بھی تھی کہ میں اپنا زیادہ تر وقت آؤٹ ہاؤس میں گزارتا تھا.....مثال کے طور پر.....اس سے پہلے ''رام اور شیام'' کی نمائش سے قبل.....مجھے یاد ہے کہ منوج کمار اور اس کی بیوی (شاشی) ہمارے گھر آئے تھے.....وہ بالخصوص میرے ساتھ سائرہ کے بارے میں ''پورب اور پچھم'' میں کام کرنے کے بارے میں بات کرنا چاہتے تھے.....تھوڑی دیر بعد.....شاشی اور سارہ ہال سے سیڑھیاں چڑھ کر اوپر واش روم کی جانب جا رہی تھیں.....لیکن سیڑھیوں پر.....میری بہنوں میں سے ایک بہن نے ان کے ساتھ بدتمیزی کی.....سائرہ.....جیسا کہ میں پہلے بھی بیان کر چکا ہوں.....بے حد خوش باش اور ایک بچے جیسی عادت کی حامل تھی اور اس کا تعلق ایک مختصر فیملی سے تھا اور اس کی پرورش بڑے لاڈ.....پیار.....اور نازوں کے ساتھ کی گئی تھی.....وہ ناقابل یقین حد تک شرمیلی بھی واقع ہوئی تھی.....گھر میں کئی ناخوشگوار واقعات پیش آنے کے بعد ناصر کو بلایا.....میرا وہ بھائی جو میرے دل سے قریب ترین تھا.....اور میں نے اس سے کہا کہ میں سن۔این۔سینڈ ہوٹل میں منتقل ہونا چاہتا تھا یا ناصر کے خالی فلیٹ میں منتقل ہونا چاہتا تھا (چونکہ ناصر اور اس کی بیوی پارانا سک فارم پر رہائش پذیر تھے).....ایک مرتبہ پھر.....میری بیوی نے وکالت کی کہ یہ سب کچھ بے معنی تھا اور یہ واقعات کوئی حقیقت نہ رکھتے تھے اور بے معنی تھے اور اس نے مجھے ان واقعات کو نظر انداز کرنے کے لئے کہا لوگ گزرتے برسوں کے ساتھ ساتھ میری بیوی کے حوالے سے مسائل پر بہت چھان بین کرتے تھے اور میں نے یہ محسوس کیا کہ مجھے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان مسائل کا احاطہ کرنا چاہیے.....

ایک مرد ہونے کے ناطے.....مجھے غسل کرنے اور تیار ہونے کے لئے بہت زیادہ وقت درکار نہیں ہوتا تھا.....جب کہ سائرہ ہر کام اس قدر باریک بینی سے کرتی تھی کہ اسے بہت زیادہ وقت درکار ہوتا تھا.....اس کی زندگی خصوصی ملاقاتوں اور خصوصی پروٹوکول کا تقاضا کرتی تھی.....جب کہ میں کسی بھی وقت مقررہ پر اپنے مہمانوں کو خوش آمدید کہنے کا عادی تھا.....خواہ وہ معروف شخصیت ہو یا عام آدمی.....اور میں اپنے دوستوں اور مہمانوں سے اتفاقی ملاقات کے رجحان کا حامل تھا۔

©جملہ حقوق بحق ادارہ اُردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

جلد ہی سائرہ نے میرے طرز زندگی اور میری رفتار کو اختیار کر لیا..... نسیم آپا اور اماں جی نے تین بڑے ڈیپ فریزروں کا بندوبست کر دیا تھا تا کہ ان اشیائے خورد و نوش کا ذخیرہ کیا جا سکے جو ایک کرکٹ ٹیم کے لئے کافی ہو..... کیونکہ مہمان کرکٹ اور دیگر کھیلوں کی ٹیمیں بھی بغیر اطلاع کے آن وارد ہوتی تھیں اور ان کو بھی خوش آمدید کہا جاتا تھا اور ان کا بخوبی استقبال کیا جاتا تھا..... میرے لئے یہ کوئی مسئلہ نہ تھا کہ میں دوپہر ڈیڑھ بجے اعلان کر دیتا تھا کہ ان کے لئے دوپہر کا کھانا جس قدر جلد ممکن ہو سکے تیار کیا جائے..... میں یہاں یہ تذکرہ بھی کرتا چلوں کہ سائرہ کا اسٹاف حیران کن تھا..... اور اس کے پاس ہنوز وہی اسٹاف موجود تھا جو 45 برس قبل موجود تھا..... اور ان کی جانشین نسلیں جنہوں نے اماں جی اور آپا کی خدمت کی تھی..... نور جہان اور اس کے کنبے سے آغاز کرتے ہوئے تا عظیم باورچی نرمدا اور کویتا..... ان کی مابعد ایک طویل قطار تھی جو لاتعداد مہمانوں کو مکمل کھانا اور وہ بھی ایک مختصر اطلاع پر پیش کرنے میں کوئی دقت محسوس نہ کرتی تھی..... درحقیقت..... آپ یقین کریں یا نہ کریں..... حتیٰ کہ وہ ہماری فیملی اور رشتے داروں کے ساتھ مل کر کھیلوں کی ایسی ٹیمیں بناتے تھے جن کا مقابلہ کرنا مشکل ہوتا تھا! سائرہ..... سلطان اور قریبی دوست اور عزیز و اقارب مثلاً فریدہ جلال..... اس کا خاوند تبریز (وہ بھی ہمارے گھر کے سامنے والی عمارت سے پتنگیں اڑاتا تھا اور میری پتنگوں کے ساتھ لڑاتا تھا)..... بے بی فریدہ (ایک بچہ اداکارہ)..... میرے بھتیجے احمد اور جاوید (نور صاحب کے بیٹے جو زیادہ تر وقت ہمارے ساتھ گزارتے تھے)..... ال ہما (اداکارہ وینا کی بیٹی)..... اور درجنوں دیگر ان کھیلنے کے لئے ہماری چھوٹی چھوٹی ٹیمیں تشکیل دیتے تھے اور کھیلنے سے لطف اندوز ہوتے تھے..... خواہ یہ کرکٹ ہو یا فٹ بال..... ہمارے گھر کے لان میں سارا دن اس کا کھیل جاری رہتا تھا.....

میرے پاؤں میں ''چکر'' تھا اور میں سفر طے کرتا رہتا تھا اور سائرہ کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی معاملہ تھا (اس کے نام کا مطلب ہے ''وہ جو سفر طے کرتا ہے'')..... ہمارے اسٹاف کی ایک ٹیم ہمارے ہمراہ سفر کرتی تھی جن کے پاس ضروری مرچ مسالہ ان کے صندوقوں میں بھرا ہوا ہوتا تھا اور وہ ہمارے لیے بریانی اور دیگر پکوان پکاتے تھے..... ہم خواہ گھر سے کس قدر دور ہی کیوں نہ ہوں اس سے کوئی فرق نہ پڑتا تھا.....

کوئی بھی شادی..... اگرچہ شادی کرنے والے جوڑے نے خواہ کس قدر نیک نیتی کے ساتھ ہی کیوں نہ کی ہو..... اسے نبھانا آسان نہیں ہوتا..... ہماری زندگی میں بھی نشیب و فراز آتے رہے تھے..... اگرچہ ہم دو امتیازی شخصیات کے حامل تھے..... لیکن ہم بھی قدر مشترک بھی پائی جاتی تھیں..... ہم دونوں اپنی اپنی فیملی کے سربراہ بھی تھے اور تہ دل کے ساتھ اپنی پیاری ہستیوں کے ساتھ وابستہ تھے اور ہمارے دل ان کے لئے دھڑکتے تھے اور مختصر یہ کہ ہم زندگی کی مسرتیں شیئر کرتے تھے.....

اگرچہ میں سنجیدہ شخصیت کا مالک تھا..... لیکن میں شوخی..... شرارت اور مذاق کرنے کا بھی عادی تھا..... اگر ہم تنہا..... ویران اور پراسرار جگہ پر مقیم ہوتے تھے مثلاً پان ہالہ (جنوبی مہاراشٹر میں ایک مقام)..... جہاں پر اس دور میں (1967ء میں)..... بجلی کی سپلائی اکثر منقطع ہو جاتی تھی..... میں کسی کو بتائے بغیر صحن میں کھسک جاتا تھا اور چھوٹے چھوٹے پتھر کھڑکیوں پر برساتا تھا اور رات کے اندھیرے میں ویران مقام پر پتھروں کی ٹک ٹک خوف کا ایک سماں پیدا کرتی تھی اور سائرہ خوف کے عالم میں کانپنے لگتی تھی! ہم دونوں شوٹنگ کے خاتمے کے بعد طویل چہل قدمی کے عادی تھے اگرچہ علاقہ کسی قدر ویران ہی کیوں نہ ہوتا..... ہم چہل قدمی کے دوران آپس میں باتیں بھی کرتے رہتے تھے..... میں چلتے چلتے

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

رک جاتا اور اس کی جانب گھوم کر پوچھتا..... بے حد پراسرار تاثرات کے ساتھ:.....

''اور وہ شخص جس کے ہمراہ تم اب چل رہی ہو..... اس کے بارے میں تم کیا سوچتی ہو کہ وہ کون ہے؟ تمہارا خاوند؟ نہیں۔۔۔۔۔''

اس چھوٹے سے ڈرامے کے اثرات کی وجہ سے سائرہ کا رنگ زرد پڑ جاتا!

کبھی کبھار میں اس کے ساتھ ایک اور انداز سے مذاق کرتا تھا..... 1966ء میں..... بنگلور ہوائی اڈے سے..... سائرہ اور میں اپنی گاڑی میں سوار ہو کر ویسٹ اینڈ ہوٹل میں اپنے دل پسند سوٹ کی جانب روانہ ہوئے ..... ہم نے زبردست ناشتہ کیا اور ناشتہ کرنے کے بعد نور جہان کے انتظار میں مصروف ہو گئے کیونکہ اس نے ہمارا سامان لے کر آنا تھا اور ہمارے ساتھ آن ملنا تھا..... جلد ہی..... میں غائب ہو گیا..... سائرہ نے اِدھر اُدھر میری تلاش کی لیکن بے سود..... جیسے ہی سائرہ اور نور جہاں کمرے میں داخل ہوئیں اور اونچی لمبی الماری کی جانب بڑھیں تا کہ اس کے اندر سوٹ کیس رکھ سکیں تب میں نے یکدم ایک شیر کی دھاڑ کے ساتھ الماری سے باہر چھلانگ لگا دی! نور جہاں فرش بوس ہو گئی اور سائرہ تھر تھر کانپنے لگی..... اس کے بعد جب گھر واپس آئے..... نسیم آپا مجھے سمجھانے لگیں:.....

''یوسف بیٹا سائرہ بے حد شرمیلی اور ڈرپوک لڑکی ہے..... خدا معاف رکھے..... اس طرح اس کے دل کی دھڑکن بند ہو جائے گی۔''

تاہم جلدی ہی میں نے اسے سخت تر بنا دیا تھا اور تب اس نے میرے ساتھ شوخی شرارت اور مذاق کرنا شروع کر دیا تھا..... محض چند ہفتے قبل..... خدا کی مہربانی سے ہمیں ''رفاقت ختم نہ ہونے والے جوڑے'' کی یادگار/نشانی سے نوازا گیا اور لوگ جاننا چاہتے ہیں کہ ہماری دیرپا رفاقت جو 48 برس پر محیط ہے اس کی وجہ کیا ہے..... میں نے اپنے آپ کو تبدیل کیا..... بے تحاشہ تبدیل کیا اور سائرہ نے مجھ سے بڑھ کر اپنے آپ کو تبدیل کیا.....

www.UrduPoint.com

جیسے ہی ہماری شادی ہوئی..... میرے مرد (دوست مثلاً پران ..... ستیش بھلا ..... اور بلراج (بالی) کو ہلی صبح 2 بجے میرے گھر کے دروازے کے سامنے گاڑی روک کر اس کا ہارن بجاتے اور مجھ سے توقع کرتے کہ میں نیچے اتروں اور ڈرائیو کے لئے چلیں..... یہ ہماری ایک قدیم رسم بن چکی تھی .....اور ہم لڑکے جوش و خروش اور ذوق و شوق سے بھرپور تھے اور شام کے وقت ستیش کے گھر میں حیران کن کھانا کھاتے تھے..... اس کے بعد شعر و شاعری اور گانے وغیرہ کا دور چلتا تھا..... پران اور ستیش کو اردو شاعروں کا کلام ازبر تھا مثلاً مرزا غالب..... میر تقی میر..... اور فیض احمد فیض وغیرہ..... لیکن جلد ہی ہماری بھابی (ستیش کی بیوی شالو) موٹا سا دیوانِ غالب نکال لاتی اور ثقیل اردو کا ایک شعر پڑھتی جہاں تک وہ پڑھ سکتی تھی اور بقایا شعر اسے ''کسی چیز'' کے ساتھ ختم کرنا ہوتا تھا..... یہ اس قدر پر لطف تھا کہ میں نے اسے ''رام اور شیام'' میں نقل کیا.....

مجھے تیاری کرنے کے لئے محض پانچ منٹ درکار ہوتے تھے..... ہم نے کہیں بھی جانا ہوتا تھا میں محض پانچ منٹ میں تیار ہو جاتا تھا اور میری اس جھٹ پٹ تیاری کو مدنظر رکھتے ہوئے اس مسحور کن اور دلربا نوجوان خاتون کو بھی میرے قدم سے قدم ملا کر چلنے کے جنون میں اپنی تیاری کے دورانیے میں خاطر خواہ کمی واقع کرنا پڑی اور اس نے ڈرامائی انداز میں اس کمی کو گلے لگایا.....

شادی کے آغاز میں..... ایک شام..... اس نے تیار ہونے میں ایک گھنٹہ صرف کیا..... بالآخر وہ ظہور پذیر ہوئی اور دلربا اور خوبصورت دکھائی دے رہی تھی..... وہ اس جیولری کو بے حد پسند کرتی

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

تھی جو نسیم آپا اس کے لئے ڈیزائن کرتی تھی..... جیولری کے انتخاب کے حوالے سے اس کی چوائس بہترین تھی.....اس موقع پر اس نے بے تحاشہ زیورات پہن رکھے تھے.....

فطری طور پر اس نے مجھ سے استفسار کیا:.....

''میں کیسی دکھائی دے رہی ہوں؟''

میں نے محض ایک ہی جواب دینا تھا اور مسکراتے ہوئے وہی جواب دیا:.....

''خوبصورت! لیکن تم ایک ٹوکرا لو اور اپنا تمام زیور اس میں ڈال کر اپنے ہمراہ لے چلو تا کہ لوگ جان سکیں کہ تمہارے پاس کس قدر زیور موجود ہے۔''

اس کے بعد سائرہ کا یہ معمول رہا کہ اس نے جب بھی میرے ساتھ باہر کہیں جانا ہوتا تھا وہ محض گلے میں مالا اور کانوں میں بالیاں پہننے تک ہی محدود رہتی تھی.....

مختصر یہ کہ مسحور کن اور دلربا لڑکی جو کسی بڑی تقریب میں شرکت کرنے کے لئے اپنے میک اپ کرنے اور بال سنوارنے میں کم از کم ایک گھنٹہ صرف کرتی تھی.....اس نے اچانک اپنے آپ کو تبدیل کر لیا.....

مجھے ایک موقع یاد ہے جب ہم ایک دوسرے کیلئے نئے تھے اور اس نے حال ہی میں فلم انڈسٹری جوائن کی تھی.....میں غیر متوقع طور پر اس کے فلیٹ واقع سی بیلی گیا تھا.....میں نے اطلاعی گھنٹی بجائی.....میرے اطلاعی گھنٹی بجانے پر سائرہ نے دروازہ کھولا.....اور مجھے دیکھ کر وہ اس قدر اونچی آواز میں چیخی اور چلائی کہ کسی کا بھی دل دہل سکتا تھا.....اُسکے بال تیل میں چپڑے ہوئے تھے اور اُسنے سادہ سی شلوار قمیض پہن رکھی تھی.....وہ بھاگ کر اپنے کمرے میں چلی گئی اور دوبارہ باہر نہ نکلی.....اُسنے نسیم آپا سے کہا:.....

''اب وہ مجھے اس حلیے میں دیکھ چکا ہے.....اب وہ کبھی بھی میرے ساتھ کام نہیں کرے گا!''

اس کے برعکس.....ہماری شادی کے جلد بعد.....اگر اس نے اپنی بالوں کی کنڈیشننگ کے لئے مہندی لگائی ہوتی اور میں اسے پکارتا اور کسی دوست کے ہاں کسی تقریب میں اپنے ہمراہ چلنے کے لئے کہتا.....وہ اپنے سر کو ایک پگڑی سے ڈھانپ لیتی اور اس حالت میں میرے ہمراہ جانے میں کوئی عار محسوس نہ کرتی.....ایک مرتبہ میں ایک شادی کی تقریب میں شرکت کرنے کے لئے حیدر آباد کا سفر طے کر رہا تھا.....وہ حسب معمول ہوائی اڈے پر مجھے الوداع کہنے کے لئے موجود تھی.....اس دوران اسے اطلاع موصول ہوئی کہ آج اس کی شوٹنگ کینسل ہو چکی تھی.....میں نے اچانک سوچا:.....

''میں کیوں نہ اسے یہ کہوں کہ وہ بھی میرے ساتھ چلے اور جہاز پر سوار ہو جائے؟''

اس نے میری خواہش پر عمل کیا اور شادی کی تقریب میں اسی عام شلوار قمیض میں شرکت کی جو اس نے پہن رکھی تھی.....

مجھے سائرہ کے ساتھ سالہا سال رہتے ہوئے اس کی جس ادا سے بے حد محبت ہے اور جسے میں بے حد پسند کرتا ہوں وہ اس کی فطری سادگی اور دل کی نرمی ہے.....اس کی دیگر خصوصیات میں اس کی یہ عادت بھی شامل ہے کہ وہ کسی بھی صورت حال کی تصحیح کے لئے فی الفور معذرت کر لیتی ہے اور کسی جھوٹے غرور و تکبر میں مبتلا نہیں رہتی.....کوئی بھی خراب صورت حال اسے درد دل میں مبتلا کر دیتی ہے اور وہ اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھتی جب تک صورت حال کی اصلاح نہ کرے.....بطور ایک مرد..... مجھے کسی خاندانی رنجش کو بھلانے کیلئے اپنے مزاج کو ٹھنڈا کرنے کیلئے وقت درکار ہوتا تھا.....

©جملہ حقوق بحق ادارہ اُردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

میں اپنی انتہائی ذہین ترین بہن اختر سے کھچا کھچا رہتا تھا اور میں نے اپنے آپ کو اس سے ایک فاصلے پر رکھا ہوا تھا..... اس کھچاؤ کی وجہ سے..... آصف کے ساتھ اس کی خلافِ توقع شادی تھی..... میں نے اس سے میل وجول بند کر رکھا تھا..... ایک دن دوپہر کے کھانے کے موقع پر..... سائرہ ایک فون کال سننے کے لئے اٹھی..... دوسری جانب بمبئی بریچ کینڈی ہسپتال کا ایک ڈاکٹر تھا جو ہمیں مطلع کر رہا تھا کہ اختر اپنے بھائی سے ملاقات کرنا چاہتی تھی اور یہ کہ اس کی حالت نازک تھی..... اس وقت تک وہ آصف کو کھو چکی تھی (وہ 9 مارچ 1971ء کو فوت ہو چکا تھا) اور اپنی بیٹیوں کے ہمراہ رہائش پذیر تھی.....

میں نے سائرہ سے فی الفور کہا کہ:.....

''میں نہیں جاؤں گا۔''

سائرہ نے مجھ سے درخواست کی کہ میں جاؤں اور اس سے ملاقات کروں..... سب سے بڑھ کر یہ کہ بالآخر وہ میری بہن تھی اور اس کی حالت نازک تھی..... میں نے دہرایا کہ میں اس سے ملاقات نہیں کروں گا..... اس نے مجھے شرمندہ کروایا تھا اور میں نے اس سے قطع تعلق کر لیا ہے.....

سائرہ نے اپنے نرم انداز میں مجھے سمجھایا کہ فی الحال تو اس سے مل لیں..... اگر خدانخواستہ ایسی ویسی بات ہو گئی تب آپ کو عمر بھر افسوس رہے گا..... لہٰذا وہ مجھے بریچ کینڈی لے گئی اور اس نے ہم دونوں بہن بھائیوں کے درمیان مصالحت کروانے کی کوشش کا آغاز کیا..... اور پہلی مرتبہ..... اختر (جو میری سائرہ کے ساتھ شادی کے بے حد خلاف تھی) میری بیوی کو جاننے اور سمجھنے لگی..... مابعد آنے والے برسوں کے دوران اور حتیٰ کہ اب تک..... سائرہ اختر کے بے حد قریب ہے اور دونوں کے آپس کے تعلقات مثالی تعلقات ہیں.....

خدا کی مہربانی سے ہمارے طویل اور مثالی تعلقات کی پائیداری کا ایک راز یہ بھی ہے کہ ہم نے اپنے تعلقات کی راہ میں بھی اپنی انا کو حائل نہیں ہونے دیا ہے..... ہم دونوں انا سے پاک شخصیات کے مالک ہیں..... ہم ایسے جوڑوں کو دیکھ کر دکھ محسوس کرتے ہیں جو چھوٹی چھوٹی باتوں کو اپنی انا کا مسئلہ بنا لیتے ہیں اور ان کی زندگی اجیرن ہو جاتی ہے.....

اداکار رچرڈ برٹن نے ایک مرتبہ ذرائع ابلاغ میں ایک معروف بیان دیا تھا:.....

''تمہیں بے چاری لز (الزبتھ ٹیلر ایک معروف اسٹار اور اس کی بیوی) پر ترس کرنا چاہیے..... وہ گزشتہ برس کے جواہرات کے ساتھ سفر کر رہی ہے۔''

سائرہ اور میں ہمیشہ طمانیت کا شکار رہے اور عاجزی کا اظہار کرتے رہے اگرچہ ہمیں ہر لحاظ سے بے حد نوازا گیا تھا..... ہماری زندگی ہمیشہ لطف اندوزی اور قہقہوں سے بھرپور رہی۔

اگر میں نے سائرہ سے کہا:.....

''میرے ساتھ تقریب میں جانے کے لئے تیار رہنا..... اور گھر پر میرا انتظار کرنا۔''

اور میں اس بارے میں بھول گیا اور تقریب میں اکیلا ہی چلا گیا..... سائرہ نے کبھی میرے ساتھ لڑائی نہ کی..... اس کی بجائے وہ میری بھول جانے والی عادت پر ہنستی اور بات آئی گئی ہو جاتی..... یہاں مجھے ایک ایسا واقعہ یاد آ رہا ہے جو اس میں چھپی حیران کن خوبی کو عیاں کرتا ہے..... ہم ایک تقریب میں مدعو تھے جو شرلے میک لین کے آسکر ایوارڈ حاصل کرنے کے حوالے سے تھی..... دیگر مہمانوں کے علاوہ میں اور سائرہ بھی اس تقریب میں مدعو تھے اور ہم نے رات کا کھانا شیرلے میک لین کے ساتھ کھانا تھا..... میری بیوی شرلے میک لین کی بہت بڑی پرستار تھی..... تقریب کے روز میں دہلی میں تھا.....

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

بہر کیف میں شام کی پرواز سے واپس بمبئی پہنچا اور سائرہ میرے استقبال کے لئے ہوائی اڈے پر موجود تھی اور وہ اپنے ہمراہ میرا ڈارک سوٹ اور ضروری لوازمات اپنے ساتھ لے کر آئی تھی.....

جیسے ہی میں اس کے ہمراہ اپنی گاڑی میں بیٹھا..... میں نے اس سے استفسار کیا کہ کیا وہ ان مداحوں اور مہمانوں میں گم ہونا چاہتی ہے جو شرلے کے اردگرد موجود ہوں گے یا وہ محض ہم دونوں کے درمیان معیاری وقت گزارنے کو ترجیح دیتی ہے..... چونکہ ہم گزشتہ دو دنوں سے ایک دوسرے سے دور رہے تھے..... یہی سب کچھ تھا! ہم کینڈل لائٹ ڈنر سے لطف اندوز ہوئے..... محض ہم دونوں..... اور ہمارے ساتھ ایسا کبھی کبھار ہی ہوتا تھا.....

ایک اور چونکا دینے والی خوبی جس کی وہ حامل ہے..... وہ اس کی ماضی کو بھول جانے اور حال میں زندہ رہنے کی عادت ہے.....

ہمارے نکاح کے تھوڑی ہی دیر بعد..... مجھے مدھو بالا کا پیغام موصول ہوا کہ وہ مجھ سے فوری ملاقات کرنے کی متمنی تھی..... اس وقت ہم مدراس میں مقیم تھے اور وہیں پر مجھے یہ پیغام موصول ہوا تھا..... جیسے ہی بمبئی واپس آئے میں نے سائرہ کو اس پیغام کی بابت بتایا..... سائرہ فوراً اصرار کرنے لگی کہ مجھے مدھو کو ضرور ملنا چاہیے وہ کسی وجہ سے پریشان ہوگی..... جب میں مدھو کے گھر پہنچا..... مجھے یہ دیکھ کر دکھ محسوس ہوا کہ وہ دبلی پتلی اور کمزور دکھائی دے رہی تھی..... اس کی خرابی صحت کے اثرات اس کے چہرے سے نمایاں تھے..... لیکن اس نے اپنے چہرے پر مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے اپنی خوشی کا اظہار کیا اور کہا:.....

''ہمارے شہزادے کو ان کی شہزادی مل گئی ہے..... میں بہت خوش ہوں۔''

وہ اپنے ذاتی معاملات کے حوالے سے پریشان تھی اور وہ اس حوالے سے مجھ سے مشورہ چاہتی تھی اور ہم انہیں زیر بحث لاتے رہے حتیٰ کہ وہ کسی قدر مطمئن ہوگئی کہ انہیں حل کر لیا جائے گا..... اس کے بعد وہ پرسکون ہوگئی..... یہ اس کے ساتھ میری آخری ملاقات ثابت ہوئی..... 23 فروری 1969ء کو وہ موت سے ہمکنار ہوگئی.....

ایک دوسرے موقع پر..... جب میں 1998ء میں دل کے عارضے میں مبتلا تھا.....

اُما (کامنی کوشال) نے کئی برس بعد میرے دفتر میں فون کیا جس کی قریبی خاتون دوست تھیں جو مجھ سے ملاقات کرنے کی خواہاں تھی اور سائرہ نے انہیں گھر بلانے کا بندوبست کیا..... اس نے اُما سے بھی میری بات کروائی..... جو میری عیادت کے لئے آئی تھی اور یہ کہ میں نے دل کا آپریشن کروانا تھا.....

اُما نے کہا کہ وہ بچوں کی فلموں کی کچھ ٹیپیں (TAPES) بھیجے گی جنہیں وہ پسند کرتی تھی..... وہ بچوں کے رسائل میں کہانیاں تحریر کر رہی تھی اور ان میں سے کچھ کا انتخاب فلمانے کے لئے بھی ہو چکا تھا..... اس کا خیال تھا کہ یہ ایک بہتر آئیڈیا ہوگا کہ میں اپنی سرجری سے قبل بچوں کی کچھ تفریحی فلمیں دیکھوں اس نے ہماری گاڑیوں میں سجانے کے لئے ہمیں بہت سے چھوٹے چھوٹے کھلونے بھی بھیجے..... سائرہ اور میں نے اس کی اس روش کو سراہا.....

میں مدراس میں اپنے قلیل قیام کو کبھی فراموش نہیں کر سکتا..... خواہ یہ کام کے سلسلے میں ہو یا تفریح کے حوالے سے ہو..... جیسا کہ قسمت کو منظور تھا..... ہماری اولین پہلی فلم گوپی (1970ء میں نمائش کے لئے پیش کی گئی)..... مدراس میں فلمائی گئی تھی.....

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

میاں بیوی ٹیم

(THE HUSBAND-WIFE TEAM)

''میری بیوی کی سخت محنت اور خامی سے پاک کام کرنے کی جستجو کی اہلیت کا مجھ پر انکشاف ہونے لگا.....وہ مشورے کو بہت جلد قبول کرنے کی اہلیت کی حامل تھی اور میری اس رہنمائی کو جلد جذب کر لیتی تھی جو میں اسے ان فلمی مناظر میں دیتا تھا جن میں ہم اکٹھے کام کرتے تھے.....وہ تین فلموں میں میری شریک اداکارہ رہی اور میں نے اس کی اداکاری اور کام کے ساتھ لگن کا بذات خود مشاہدہ کیا۔''

فلم گوپی (ہدایت کار بھیم سنگھ) ایک خوشگوار تجربہ تھی .....ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے اس نے میرے اور سائرہ کے ہنی مون کے دورانیے میں اضافہ کر دیا تھا.....زیادہ تر ایک کاٹج کی مانند.....کوڈ باکام پر (مدراس میں ایک مقام) سبزے کے عین درمیان میں ہمراہ آم کے درخت جنہوں نے صحن کو اپنے حصار میں لے رکھا تھا.....ہماری تفریح اور ورزش کے لئے ناگی ریڈی ایک بہت بڑے بیڈمنٹن کورٹ کا حامل تھا جس کے اردگرد اونچی چار دیواری تھی.....

سائرہ بے حد خوش تھی کیونکہ شوٹنگ کے بعد ہم دن بھر کے دوران بہت بڑے گھر میں اکیلے ہوتے تھے اور وہ اس وجہ سے بھی خوش تھی کہ وہ پہلی مرتبہ میرے ساتھ کام کر رہی تھی.....اب تک وہ اپنے شرمیلے پن سے کسی حد چھٹکارا پانے کے علاوہ قدامت پسندانہ ماحول میں پروان چڑھنے کے تحفظات سے بھی کسی حد تک خلاصی پا چکی تھی.....سیٹوں پر وہ میرے اور روم پرکاش جی کے درمیان مذاق سے لطف اندوز ہوتی تھی.....ایک معروف مزاحیہ اداکار اور کریکٹر ایکٹر.....اور ابھرتی ہوئی اداکارہ فریدہ جلال سائرہ کے ساتھ دوستی کا رشتہ استوار کرنا چاہتی تھی اور اس نے اس کی اس کاوش کا بھی بڑی گرمجوشی سے جواب دیا.....درحقیقت سائرہ اور فریدہ جلال میں دوستی کا جو رشتہ اس وقت استوار ہوا وہ آج تک قائم ہے.....سائرہ کی خٹک گرو.....روشن کماری بھی دوست تھی اور اس کی معیت میں مدراس میں بہت اچھا وقت گزرا.....روشن کماری اور سائرہ کئی گھنٹوں تک اس گانے کے لئے ریہرسل کرتی تھیں جو ہم دونوں پر فلمایا گیا تھا.....اور یہ گانا فلم کی نمائش کے بعد مقبول عام ہوا تھا.....

شوٹنگ کے پہلے دن.....جب کہ بطور شریک اداکار ہم دونوں کا پہلا شوٹ باہم اکٹھے لیا گیا تھا.....وہ ایک ایسا خواب تھا جو سائرہ برسوں سے دیکھ رہی تھی.....راجندر کرشن.....شاعر وہ دیکھ رہا تھا کہ سائرہ کس قدر کامل کارکردگی کا مظاہرہ کر رہی تھی.....

جب تالیوں کا شور تھما تب وہ اسے ایک طرف لے گیا اور کہنے لگا:.....

''بیٹا.....میرا خیال ہے تم نے شاندار کارکردگی کا مظاہرہ کیا تھا.....تاہم میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں اور میری یہ بات تمہارے اپنے مفاد میں ہے.....تمہیں اداکاری میں دلیپ کمار بننے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے.....اپنے آپ کو سائرہ بانو ہی رکھنا چاہیے.....یہ وہ کام ہے جو اس کی تمام ہیروئنیں کرتی رہی ہیں.....ان سب نے دلیپ کمار بننے کی کوشش کی تھی اور ناکام ہوئی تھیں.....تم ایسا کام ہرگز نہ کرنا.....اپنا الگ اسٹائل اپنانے کی کوشش کرنا۔''

©جملہ حقوق بحق ادارہ اُردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

جب ہم واپس اپنے کاٹج میں گئے تب سائرہ نے مجھے بتایا کہ راجندر کرشن نے اسے کیا کہا تھا ..... میں نے بھی اس کی تائید کرتے ہوئے کہا کہ اس کا مشاہدہ درست تھا..... میں نے ہمیشہ اپنے شریک اداکاروں کی اس طور مدد کرنے کی کوشش کی تھی کہ میں ایک سین میں ان کے لئے ان کے کرداروں کی اداکاری کر کے انہیں بتاتا تھا اور یہ عمل تیاری کے دوران سرانجام دیتا تھا اور اس کے پیچھے یہ خواہش کارفرما نہ ہوتی تھی کہ میں ان پر غلبہ حاصل کرنا چاہتا تھا بلکہ محض یہ وجہ کارفرما ہوتی تھی کہ وہ مجھ سے بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کریں..... یہ ایک ایسا کام تھا جو میں نے مکھرجی اور محبوب صاحب سے سیکھا تھا جو اداکاروں کو چہرے کے تأثرات اور جسمانی حرکات وسکنات کے بارے میں درس دیتے تھے..... میں نے سائرہ کو بتایا کہ یہ دونوں عظیم شخص اس دور میں اپنا مطلوبہ نتیجہ حاصل کرنے کے حوالے سے کس قدر جذباتی تھے جب کہ وہ دور انڈین سینما کا ایک ایسا دور تھا جب کہ فنکاروں اور ہدایت کاروں کے لئے کوئی روایتی تربیت دستیاب نہ تھی.....

حقیقت یہ تھی کہ جب میرا بھائی ناصر اور میں دونوں اکٹھے ''گنگا جمنا'' (1961ء) میں کام کر رہے تھے..... ناصر خاموشی کے ساتھ بیٹھ جاتا تھا اور میں فنکاروں سے جو سین چاہتا تھا وہ مجھے انہیں بیان کرتے ہوئے اور ان کی وضاحت کرتے ہوئے اور چہرے کے تأثرات کا مظاہرہ کرتے ہوئے دیکھتا رہتا تھا اور اسے چہرے کے تأثرات سے کسی کے احساسات کو بھانپنے کا خاطر خواہ تجربہ حاصل ہوا تھا.....

سچائی یہ ہے کہ میں بچپن ہی سے چہرے کے تاثرات سے مسحور تھا اور مجھے چہرے کے تأثرات سے کسی کے احساسات کو بھانپنے کا ملکہ حاصل تھا..... بچپن سے ہی میرے علم میں یہ حقیقت آچکی تھی کہ چہرے کے تأثرات وہ کچھ بیاں کر دیتے ہیں جو کچھ بیان کرنے میں الفاظ بھی کبھی کبھار ناکام رہتے ہیں.....

www.UrduPoint.com

جب آغا جی ناراض یا پریشان ہوتے تھے..... وہ ہمیشہ الگ تھلگ اور خاموش رہتے تھے..... لیکن ان کی آنکھیں اور ماتھے پر پڑنے والی شکنیں ان کے احساسات کبھی نہ چھپا سکتی تھیں..... میں پشاور میں واقع اپنے بڑے سے گھر میں رہنے والے فیملی کے تمام اراکین کا مشاہدہ کیا کرتا تھا کیونکہ میں اکثر اس وقت یا تو اماں کے پیچھے چھپا ہوا ہوتا تھا یا ان کے ساتھ لگ کر بیٹھا ہوا ہوتا تھا وہ جب گھر والوں یا مہمانوں کے ساتھ باتیں کرتی تھیں۔

میں اس بات میں کم دلچسپی لیتا تھا کہ اماں کیا بولتی تھیں یا ان کے مخاطب کیا بولتے تھے بلکہ میں اس انداز میں زیادہ دلچسپی لیتا تھا جس انداز سے وہ اپنے احساسات اور سوچوں کا اظہار کرتے تھے۔ میں ان کے تأثرات کا مشاہدہ کرنے سے لطف اندوز ہوتا تھا اور ان کے ہاتھوں کے استعمال اور ان کی آواز کے اتار چڑھاؤ کا مشاہدہ کرتا تھا..... اماں کو کبھی کبھار یہ خبر ہو جاتی تھی جو کچھ میں کر رہا ہوتا تھا اور وہ مجھے پیار سے کمرے سے چلے جانے کا کہہ دیتی تھیں..... وہ یہ بھی واضح کر دیتی تھیں کہ بچوں کو بڑوں کی باتیں نہیں سننی چاہئیں۔ اگرچہ میں اس وقت آغا جی کے پاس نہ بیٹھتا تھا جب وہ اپنے دوستوں سے باتیں کر رہے ہوتے تھے..... لیکن میں ایک فاصلہ رکھ کر ان کا بھی مشاہدہ کیا کرتا تھا..... کچھ ایسے لوگ ہوتے تھے جن کا قہقہہ ماحول کو گرما دیتا تھا اور کچھ لوگ ایسے ہوتے تھے جو کسی ردعمل کا اظہار نہ کرتے تھے..... میرا خیال ہے وہ خاموش رہتے تھے.....

میری نمایاں خواتین میں سے نرگس تھی جس نے ایک مرتبہ مذاقاً مجھ سے پوچھا تھا کہ

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

میں اس انداز کے بارے میں اس قدر زیادہ کیئے جانتا تھا جس انداز سے عورتیں اپنے آپ کا اظہار کرتی تھیں..... میں نے اسے یہ بتاتے ہوئے حیران کر دیا کہ یہ میرے بچپن کے مشاہدات کا ثمر تھا اور میں نے اسے اپنے بچپن کے مشاہدات کے بارے میں سب کچھ بتایا اور وہ ورطۂ حیرت میں رہ گئی.....

''گوپی'' کی جانب واپس آتے ہوئے..... میری بیوی کی سخت محنت اور خامی سے پاک کام کرنے کی جستجو کا مجھ پر انکشاف ہوا..... وہ مشورے کو بہت جلد قبول کرنے کی اہمیت کی حامل تھی اور میری اس رہنمائی کو جلد جذب کر لیتی تھی جو میں اسے ان فلمی مناظر میں دیتا تھا جن میں ہم اکٹھے کام کرتے تھے ..... وہ تین فلموں میں میری شریک اداکارہ رہی اور میں نے اس کی لگن اور کارکردگی کا بذات خود مشاہدہ کیا..... ہم نے جن دیگر دو فلموں میں اکٹھے کام کیا تھا وہ درج ذیل تھیں:.....

☆ ساگینا (SAGINA) ..... واضح رہے یہ فلم 1970ء میں بنگالی میں بنائی گئی تھی اور مابعد 1974ء میں ہندی میں بنائی گئی تھی.....

☆ بیراگ (BAIRAAG) (1976ء)

اس نے زندگی کے ایسے کردار ادا کرنے تھے جو اس کی حقیقی ذات کے ساتھ یا اس کے کسی جاننے والی کی زندگی کے ساتھ کوئی مشابہت نہ رکھتے تھے..... اس نے جو کچھ بھی اخذ کرنا تھا اپنے تصور سے ہی اخذ کرنا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ ہدایت کاروں اور لکھاریوں کی ہدایات کو بھی مدنظر رکھنا تھا۔

ہم نے ''ساگینا'' کے لئے اس وقت معاہدہ دستخط کیا تھا جب ''گوپی'' بن رہی تھی اور ابھی اپنے تیاری کے مراحل میں تھی اور اس سلسلے میں مجھے اکثر بذریعہ جہاز کلکتہ (اب کولکتہ) جانا پڑتا تھا اور بہت زیادہ وقت ضائع ہوتا تھا..... مجھے ان اجلاس میں شرکت کرنا ہوتی تھی جن کا بندوبست ہدایت کار ٹاپان سنہا کرتا تھا..... میں پہلے بھی ٹاپانڈا کے ساتھ اپنے دوست ہیٹن چوہدری کی معیت میں ملاقات کر چکا تھا..... لیکن ہم نے فلموں کی بابت زیادہ بات نہ کی تھی..... ٹاپانڈا مختصر بات کرنے کا عادی تھا اور وہ اس طرح بات کرنے کو ترجیح دیتا تھا جس طرح اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ بات کرتے ہیں..... میرا خیال ہے کہ اس نے بھی ایس۔ مکھر جی صاحب کی مانند فزکس میں پوسٹ گریجوایشن کی ہوئی تھی اور اس نے اپنے سینما کے سفر کا آغاز بطور ایک ساؤنڈ انجینئر کیا تھا جس طرح اول الذکر نے کیا تھا.....

جبکہ مکھر جی صاحب کھل کر باتیں کرتے تھے اور ان لوگوں کے ساتھ زندہ دلی کے ساتھ محو گفتگو ہوتے تھے جنہیں وہ جانتے تھے لیکن ٹاپانڈا محض بوقت ضرورت ہی بات کرنے کا عادی تھا..... اشوک بھیا (اشوک کمار) نے بنگالی فلم ''ہیٹ بازاری'' (Hate Bazare) (1967ء) میں کام کرنے کے بعد ٹاپانڈا کے بارے میں بہت سی باتیں کی تھیں جو اس فلم کا ہدایت کار تھا..... میں 1957ء کی بنگالی فلم ''کابولی والا'' (Kabuliwala) بیملدا (بمل رائے) کی معیت میں دیکھ چکا تھا..... ٹاپانڈا نے اس فلم کی کہانی نوبل انعام یافتہ لکھاری رابندر ناتھ ٹیگور کی تحریر سے اخذ کی تھی اور خوب اخذ کی تھی..... اور میں نے اس فلم میں کارکردگی کے حوالے سے اداکار چابی بسواس کی تعریف بھی کی تھی.....

ٹاپانڈا ایک ایسا ہدایت کار تھا جو نہ صرف میری تجاویز اور مشاہدات کا خیر مقدم کرتا تھا بلکہ دیگر اداکاروں کی تجاویز اور مشاہدات کو بھی قدر کی نگاہ سے دیکھتا تھا..... وہ فلم کی کہانی کے حوالے سے میرے ساتھ طویل بحث مباحثہ کرتا تھا اور مجھے اس حوالے سے پڑھنے کے لئے لٹریچر بھی فراہم کرتا تھا..... یہ لٹریچر کرداروں کو سمجھنے کے حوالے سے میرا بے حد معاون ثابت ہوتا تھا.....

میں ساگینا کے کردار سے مسحور ہوتا تھا..... نازک مسائل سے نبٹنے کے حوالے سے اس کا

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

مکروفریب سے عاری ہونا اور لوگوں کو قائل کرنا..... اس کے تصورات اور اس کی فطری اہلیتیں ..... لالیتا (یہ کردار سائرہ نے ادا کرنا تھا) کے لئے اس کی محبت..... اگرچہ ٹاپانڈا نے ساگینا کا کردار بڑی محنت سے تخلیق کیا تھا لیکن اس نے مجھے اس میں مزید بہتری لانے کی پوری پوری آزادی دے رکھی تھی ..... درحقیقت وہ ایک ایسا ہدایت کار تھا جو زیادہ تر کام اداکاروں پر چھوڑ دیتا تھا کہ وہ اسکرین پلے میں صورت احوال کا مطالعہ کریں اور ان کے مطالبات کو سمجھیں اور اس میں مزید بہتری اور نکھار پیدا کرنے کی کوشش کریں..... ایسے ہدایت کار کے ساتھ کام کرتے ہوئے ایسے اداکار حقیقی خوشی محسوس کرتے ہیں جو زرخیز ذہن کے حامل ہوتے ہیں اور جو بار بار بہتری لاتے ہوئے کردار کو زیادہ پرقوت بناتے ہیں..... جب کہ ایسے اداکاروں کے لئے یہ کام ایک بوجھ ثابت ہوتا ہے جو ہدایت کار کی رہنمائی کی پیروی کرنے کو ترجیح دیتے ہیں.....

یہ میری خوش قسمتی تھی کہ ''ساگینا مہاٹو'' کے اداکار کرداروں میں بہتری لانے کے مشتاق تھے ..... جیسا کہ پہلے تذکرہ کیا جاچکا ہے..... یہ فلم پہلے بنگالی میں بنائی گئی تھی اور مجھے اپنی لائنیں اسی زبان میں بولنی تھیں..... میرے دل میں پہلے ہی بنگالی زبان کے لئے ایک نرم گوشہ موجود تھا کیونکہ میں متواتر اشوک بھیا..... مکھرجی صاحب اور کئی بنگالی لکھاریوں اور ہدایت کاروں کی صحبت میں رہا تھا..... اور یہ میرے کیریئر کے ابتدائی دنوں کی بات تھی..... لہٰذا مجھے بنگالی لائنیں بولنے کے لئے بہت زیادہ کاوش نہ کرنا پڑی..... لیکن بمبئی سے غیر بنگالی فن کار (بشمول سائرہ)..... ان لوگوں کو ان کے بنگالی ڈائیلاگ کی ریکارڈ شدہ ٹیپ فراہم کی جاتی تھی تاکہ وہ اسے سن سکیں اور اس کی ریہرسل کرسکیں..... میں نے اپنے بنگالی ڈائیلاگ کی ادائیگی کے لئے جو گراں قدر کاوش کی تھی اس کا انعام مجھے فلم کی نمائش کے لئے پیش کئے جانے کے بعد ملا..... جب مقامی ذرائع ابلاغ نے اس بارے میں ستائشی تحریریں پیش کیں..... اس وقت میری خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی جب مجھے بنگالی فلم میں بہترین اداکاری کرنے پر بنگالی فلم جرنلسٹ ایسوسی ایشن کے انعام سے نوازا گیا.....

چار برس بعد..... پروڈیوسر جے۔ کے۔ کپور اور ہیمن گنگولی..... بنگالی فلم کی کامیابی نے ان دونوں حضرات کی حوصلہ افزائی کی اور انہوں نے کثیر لاگت خرچ کرتے ہوئے اسے دوبارہ ہندی میں بنایا..... انہیں لوکیشنوں پر مناظر کی دوبارہ عکس بندی کی گئی.....

میں نے جن ہدایت کاروں کے ساتھ کام کیا ان میں سے اکثر کے ساتھ میری خوب بنتی تھی کیونکہ ہم ایک جیسے ذہن کے حامل تھے..... مناظر پر کام کرنے کا عمل میری صوابدید پر چھوڑ دیا جاتا تھا ..... یقیناً میں لوگوں کی توقعات سے بخوبی واقف تھا لیکن اس کے ساتھ ساتھ میں اپنی اخلاقی ذمہ داری سے بھی بخوبی آگاہ تھا جو بطور ایک اداکار مجھ پر لاگو ہوتی تھی..... میں ایک ایسے کنبے کا سربراہ تھا جو چھ لڑکیوں اور پانچ لڑکوں پر مشتمل تھا..... میں ایسے فلمی منظر کے بارے میں سوچ کر ہی ہراساں ہوجاتا تھا کہ اس منظر کا میرے بھائی بہنوں کے ذہن پر کیا اثر مرتب ہوگا اور وہ مجھے ایسے منظر میں دیکھ کر کیسا محسوس کریں گے.....

©جملہ حقوق بحق ادارہ اُردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

میں جس فلم میں کام کرنے کا انتخاب کرتا تھا وہ ایک مزاحیہ فلم ہو سکتی تھی..... ایک محنت طلب موضوع..... ایک تاریخی یا سماجی فلم ہو سکتی تھی..... لیکن میں عام طور پر ایسے اسکرپٹ کا انتخاب کرتا تھا جو بنیادی طور پر سماجی بھلائی کے حوالے سے ہوتا تھا..... یہ درست ہے کہ کوئی ہمیشہ وہی کچھ نہیں پاتا جو کچھ وہ چاہتا ہے..... لیکن جہاں تک میری چوائس کا تعلق تھا..... میں ایسے اسکرپٹ کو ترجیح دیتا تھا.....

''اس لئے'' ساگینا مہاٹو'' میرے لئے دلچسپی کا باعث تھی کیونکہ یہ ایک ایسی سیاست پر بنیاد کرتی تھی جو لیبر تحریکوں کے گرد گھومتی تھی..... اس کی کہانی بھی ایک غیر معمولی محبت کے گرد گھومتی تھی جو واقعات کے اتار چڑھاؤ میں گندھی ہوئی تھی..... حقیقت میں سائرہ کو لالیتا کے کردار کے لئے کاسٹ کرنے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا کیونکہ کردار اس قدر بڑا ہر گز نہ تھا جو اس وقت کی سائرہ جیسی پائے کی اداکارہ کے لئے مناسب اور موزوں ہو سکتا تھا..... لیکن سائرہ بھی سائرہ تھی..... اس نے رضا کارانہ طور پر اس کردار کو ادا کرنے کی حامی بھر لی تا کہ وہ میرے ساتھ رہ سکے کیونکہ اس فلم کی عکس بندی دور دراز واقع پہاڑی مقامات پر ہونی تھی اور سائرہ نہیں چاہتی تھی کہ اس ویرانے میں مَیں اکیلا بوریت کا شکار ہوتا رہوں..... کردار بڑا غضب ناک تھا اور اس نے مردانہ وار چیلنج کو قبول کیا اور اپنے کردار کو اس قدر جرأت اور بہادری کے ساتھ ادا کیا کہ میں حیران رہ گیا..... اس کے ساتھی اداکاروں اور دیگر ذرائع نے اس کی جو تعریف کی اس کی وجہ سے وہ کسی قدر مغرور بھی ہو گئی.....

''ساگینا مہاٹو'' میں اس کے کام نے مجھے مزید قائل کیا کہ یہ بہت بڑی ناانصافی ہو گی اگر میں محض اس لئے اس کے کام کرنے پر قدغن لگاؤں کہ وہ میری بیوی ہے..... ہماری شادی کے چار ہفتوں کے اندر اندر..... مجھے ''شاگرد'' (1967ء میں نمائش کے لئے پیش کی گئی..... فلم کے ہدایت کار سمیر گنگولی تھے..... ہیرو جوائے مکھرجی تھے جو ایس۔ مکھرجی صاحب کے بیٹے تھے) کے رش پرنٹ دیکھنے کا موقع میسر آیا تھا اور یہ پہلا موقع تھا کہ میں اسے اسکرین پر دیکھ رہا تھا..... اختتام پر..... میں نے اسے بتایا کہ یہ میرے حوالے سے ایک جرم ہو گا اگر میں اسے اس کے کیریئر کو جاری رکھنے سے روکتا ہوں.....

''ساگینا مہاٹو'' کی لوکیشن آنکھوں کی ٹھنڈک تھی اور آنکھوں کو دعوتِ نظارہ دیتی تھیں..... اس کے کچھ پہاڑ اس قدر خوبصورت تھے جس قدر پشاور کے کچھ حصے خوبصورت تھے جو ہنوز میرے یادداشت میں محفوظ ہیں..... سفید بادل پہاڑوں سے اترتے ہوئے دور سے دیکھے جا سکتے تھے..... میں آؤٹ ڈور شوٹنگ کو پسند کرنے والے شخص کے ناطے اپنا فارغ وقت پہاڑیوں کو سر کرنے یا مارکیٹ کی تحقیق سرانجام دینے میں گزارتا تھا جہاں پر میں اپنی بیوی کو پیش کرنے کے لئے تحائف تلاش کرتا تھا..... ایک دن اسی طرح کے ایک تفریحی گشت کے دوران..... مجھے ایک کھیل دیکھنے کے لئے لے جایا گیا جو ایک مقامی تھیٹر گروپ نے پیش کیا تھا اور وہاں میں نے ایک اہل اداکار دریافت کیا جس کا نام قادر خان تھا جس نے اسٹیج کے پیچھے مجھ سے ملاقات کی اور ہندی فلموں میں کام کرنے کی اپنی خواہش کا اظہار کیا کیونکہ وہ اردو سے بخوبی آشنا تھا..... میں نے ٹاپانڈا سے بات کی اور اسے ''ساگینا'' میں ایک مختصر سے کردار کے لئے کاسٹ کر لیا گیا اور بعد میں ''بیراگ'' میں بھی اسے منتخب کیا گیا..... میں نے قادر کی اہلیتوں پر جو اعتماد کیا تھا اس نے اس کی تصدیق اس طور کی کہ بعد میں اس نے بے شمار ہندی فلموں میں بطور اداکار کام کیا اور لکھاری کے فرائض بھی سرانجام دیے..... میں نے اس کی کوئی ایسی فلم نہ دیکھی تھی جس نے اسے شہرت بخشی تھی اور معروف اداکار بنا دیا تھا لیکن میرے علم میں آیا تھا کہ اس کی بے حد طلب کی جاتی تھی.....

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

''ساگینا'' کی شوٹنگ کے دوران حسب معمول میں نے اپنے کاسٹ کے ساتھ بیڈمینٹن کورٹ بنا رکھا تھا جہاں پر میں روزانہ اس کے ساتھ گیم کھیلتا تھا جو میرے ساتھ گیم کھیلنے کا خواہاں ہوتا تھا..... شام کو جب سورج غروب ہو جاتا تھا اور رات کی تاریکی چھا جاتی تھی تب ہم خوشی کا الاؤ روشن کر کے اس کے اردگرد بیٹھ کر گاتے اور رقص کرتے تھے..... یہ ایک بہترین طریقہ تھا جس کے تحت ہم دور دراز کے علاقے میں واقع اپنی لوکیشن پر اپنی تنہائی اور ویرانی دور کرتے تھے..... ایک شام سائرہ کی گرو روشن کماری ..... جو ایک شرمیلی اور قدامت پسند خٹک ڈانسر تھی اور جے پور گھرانے کے رواج کے مطابق جس سے وہ متعلق تھی محض صاحب ذوق کے سامنے اپنے فن کا مظاہرہ کرتی تھی..... واضح رہے کہ یہاں گھرانہ کا مطلب ہے کلاسیکل موسیقی یا رقص کا اسپیشلسٹ اسکول..... اس نے بے ساختہ گھنگھرو باندھے اور اپنے فن کا مظاہرہ کیا..... اس نے ''ٹاٹ کار'' (فٹ ورک) کے کئی تغیر و تبدل پیش کئے جب کہ یونٹ کے ایک رکن نے اس کے لئے طبلہ بجایا.....

میں اس سین کو کبھی فراموش نہیں کر سکتا جسے ''ساگینا مہاٹو'' میں ادا کرتے ہوئے میں بے حد لطف اندوز ہوا تھا..... یہ ایک ایسا سین تھا جس کے تحت ساگینا دفتر میں گھٹن محسوس کرتا ہے اور وہ دفتر سے باہر نکلتا ہے تاکہ کھلی ہوا میں سانس لے سکے وہاں پر وہ ایک تیز رفتار ریل گاڑی دیکھتا ہے..... وہ ریل گاڑی کے ساتھ ساتھ دوڑتا ہے اور تیز تر سے تیز تر دوڑتا ہے جب کہ ہوا اس کے چہرے سے ٹکرا رہی ہوتی ہے..... جب میں نے ٹاپانڈا کو اس سین کا مشورہ دیا..... اس نے اس آئیڈیا کو بے حد پسند کیا..... اس نے میری جانب دیکھا اور اپنے پرسکون انداز میں مجھے پوچھا کہ میں انتظار کر سکتا ہوں کہ ایک ڈبل کا بندوبست کر لیا جائے تاکہ وہ دوڑ سکے..... اس نے اس وقت بے یقینی کے ساتھ مجھے گھورا جب میں نے اسے بتایا کہ میں بذات خود یہ سین کروں گا..... میں نے اسے اپنے اتھلیٹک ایام کے بارے میں بتایا لیکن اسے محض اس وقت یقین آیا جب ایک ہی ٹیک میں سین فلمالیا گیا! اس سین نے لوگوں پر اس قدر مثبت اثرات مرتب کئے کہ وہ آج تک مجھے خراج تحسین پیش کرتے ہیں.....

باب نمبر 23

ایک نیا کردار..... شاندار مقاصد کے حصول کی جستجو

(A New Role: Taking Up Noble Causes)

''میں نہیں جانتا کہ یہ میری فطرت میں شامل ہے یا یہ کوئی ایسی چیز ہے جو میں نے اس ماحول سے اخذ کی جس میں مَیں پروان چڑھا تھا۔ ایک اچھے مقصد کی حمایت کر کے مجھے بے حد طمانیت اور خوشی محسوس ہوتی ہے۔''

بہت سے نقادوں نے ''ساگینا مہاٹو'' کو ایک سیاسی فلم قرار دیا..... اس وقت جن صحافیوں نے میرے ساتھ ملاقات کی وہ یہ جاننے کے لئے بیتاب تھے کہ کیا میں ایک سیاسی جماعت میں شامل ہونے میں دلچسپی رکھتا تھا اور سیاست میں فعال انداز میں ملوث ہونے کا ارادہ رکھتا تھا..... مجھے یہ جواب دینے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہ ہوتی تھی کہ سیاست میں میرے ملوث ہونے کا کردار محض انتخابات سے قبل چلائی جانے والی مہمات تک ہی محدود تھا کہ میں ان میں حصہ لوں گا اور میں کسی بھی پارلیمنٹ ہاؤس میں کسی نشست کا خواہاں نہ ہوں گا.....

لوک سبھا کے ایک امیدوار کے لئے میں نے پہلی مرتبہ 1962ء میں اس وقت انتخابی مہم

www.UrduPoint.com
itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

چلائی جب وزیراعظم جواہر لعل نہرو (جو پنڈت جی کے نام سے مشہور تھے) نے فون پر دہلی سے میرے ساتھ بات کی اور مجھ سے استفسار کیا کہ کیا میں کسی قدر وقت نکال کر انڈین نیشنل کانگریس (آئی این سی) کے دفتر واقع بمبئی کا دورہ کر سکتا تھا اور وی۔ کے کرشن سے ملاقات کر سکتا تھا جو شمالی بمبئی سے انتخاب میں حصہ لے رہا تھا..... اس کا مخالف امیدوار اچاریہ جے۔ بی کریپ لانی کے علاوہ کوئی اور نہ تھا جس کا تعلق پہلے آئی این سی سے تھا اور وہ اس کا صدر رہا تھا لیکن اب وہ اس سے ناطہ توڑ چکا تھا اور اس نے کسان مزدور پراجا پارٹی کی بنیاد رکھی تھی جو 1952ء میں سوشلسٹ پارٹی آف انڈیا میں مدغم ہو گئی تھی اور پراچا سوشلسٹ پارٹی کے نام کے تحت ابھر کر سامنے آئی تھی۔

میں نے فی الفور پنڈت جی کے حکم کی تعمیل کی..... میں ان کی اس طرح عزت کرتا تھا اور ان سے اس طرح محبت کرتا تھا جس طرح میں آغا جی سے کرتا تھا..... میں نے آئی این سی کے متذکرہ دفتر کا دورہ کیا اور پنڈت جی کی ہدایات کی تکمیل کی..... چونکہ کرشن مینن دفتر پہنچنے میں تاخیر کا شکار تھا لہٰذا مجھے اس کا انتظار کرنا پڑا..... میں اس کے ساتھ ملاقات کرنے کا مشتاق تھا کیونکہ میں نے اس کے بارے میں بہت کچھ پڑھ رکھا تھا اور مجھے اس کی جنوری 1957ء کی وہ تقریر بھی یاد تھی..... جو تقریباً آٹھ گھنٹے تک جاری رہی تھی..... اس تقریر کے تحت اس نے سلامتی کونسل میں کشمیر پر انڈیا کا دفاع کیا تھا.....

جیسے ہی میں انتظار میں مصروف تھا لباس میں بخوبی ملبوس ایک شخص جلدی جلدی دفتر میں داخل ہوا اور مین آفس کے ساتھ ملحقہ کمرے میں مجھے تنہا بیٹھا دیکھ کر وہ میرے پاس چلا آیا اور یہ کہتے ہوئے اپنا تعارف کروایا:.....

''میرا نام راجنی ہے۔ میں روزگار کمانے کے لیے قانونی پریکٹس کرتا ہوں۔''

مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ اس کا پورا نام راجنی پٹیل تھا۔ میں اٹھ کھڑا ہوا اور یہ کہتے ہوئے اپنا ہاتھ دراز کیا۔

''میں یوسف ہوں..... میں روزگار کمانے کے لئے کوئی کام نہیں کرتا۔''

وہ کسی قدر ششدر رہ گیا اور اس نے کسی قدر ہچکچاہٹ کے ساتھ اپنا ہاتھ دراز کیا..... جیسے ہی ہم نے ہاتھ ملائے..... کرشن مینن لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا کمرے میں داخل ہوا اور ہماری جانب بڑھا..... اس نے بڑی گرمجوشی کے ساتھ میرا خیر مقدم کیا اور راجنی حیرانی کے عالم میں دیکھتا رہا..... وہ میرے ساتھ باتیں کرتے ہوئے مین آفس کی جانب بڑھا اور مجھے پنڈت جی کے فون کے بارے میں بتایا جس کے ذریعے اسے مطلع کیا گیا تھا کہ میں مقامی دفتر کا دورہ کروں گا۔

راجنی اور میں خاموشی سے اس کے پیچھے چلتے رہے..... مین آفس پہنچ کر کرشن مینن نے مناسب انداز میں ہمارا تعارف کروایا اور راجنی نے مجھے نہ پہچاننے پر معذرت کی..... اس نے یہ اعتراف کیا کہ وہ فلمیں نہیں دیکھتا تھا اور ایک طویل عرصے سے اس نے کبھی سینما کا رخ نہ کیا تھا..... کمرے میں محض چند لوگ موجود تھے اور کرشن مینن ان سب پر ہنس رہا تھا اور انہیں مذاق کر رہا تھا کہ وہ غالباً میری ایک جھلک دیکھنے کے لئے وہاں پر موجود تھے..... کرشن مینن ایک متاثر کن شخصیت کا مالک تھا اور وہ تحکمانہ انداز میں بات کرتا تھا اور بہت سے لوگ اسے اس طور دیکھتے تھے جیسے وہ ایک مغرور شخص تھا.....

©جملہ حقوق بحق ادارہ اُردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

کرشن مینن نے فضول باتوں میں وقت ضائع نہ کیا..... اس نے فی الفور مطلب کی بات کی اور مجھے بتایا کہ وہ چاہتا تھا کہ میں اس کے لئے آنے والے انتخابات کے لئے شمالی بمبئی کی لوک سبھا کی نشست کے لئے انتخابی مہم چلاؤں ..... پنڈت جی میرے بارے میں اس سے بات کر چکے تھے اور وہ (کرشن مینن) حیران تھا اگر میں انہیں مشکور کرسکتا تھا اور فلمی برادری کے کچھ لوگوں کی اس کے لیے حمایت حاصل کرسکتا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ انہیں کانگریس پارٹی کی حمایت میں جلوسوں میں شامل ہونے کے لئے قائل کرسکتا تھا..... اس نے اس امر پر زور دیا کہ پنڈت جی نے بیان کیا تھا کہ میں اردو روانی سے بول سکتا تھا اور اس کے علاوہ ہندی اور مراٹھی زبان پر بھی مجھے عبور حاصل تھا اور میں کسی بھی موضوع پر بڑی وضاحت اور جوش وجذبے کے ساتھ بول سکتا تھا..... جیسے ہی وہ باتیں کر رہا تھا..... راجنی اس کی باتیں غور سے سن رہا تھا لیکن وہ خاموش رہا تھا..... ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے جب کرشن مینن بولتا تھا تب کوئی اور نہ بولتا تھا..... میں کرشن مینن کو مطلع کرنا چاہتا تھا کہ یہ میرے لئے ایک نیا تجربہ تھا..... حقیقی زندگی میں مجھے عوامی تقاریر کرنے کا کوئی تجربہ نہ تھا.....

میں سمجھ سکتا تھا کہ پنڈت جی مؤثر انداز میں بولنے کی میری اہلیت سے کیسے متاثر ہوئے تھے..... 1960ء کے اواخر میں میری فلم ''گنگا جمنا'' کو سنسر بورڈ نے سرٹیفکیٹ دینے سے انکار کر دیا تھا..... یہ انکار ناانصافی پر مبنی تھا کیونکہ راج کپور کی ''جس دیس میں گنگا بہتی ہے'' جسے بورڈ نے اسی ہفتے کے دوران دیکھا تھا اسے تھوڑا بہت ردوبدل کرنے کے بعد سرٹیفکیٹ جاری کر دیا گیا تھا..... راج کی فلم بھی ڈاکوؤں اور ڈکیتی کی حامل تھی اور اس میں بھی تشدد کا عنصر پایا جاتا تھا.....

میں نے ڈاکٹر بی۔ وی۔ کسکار سے اس وقت کے انفارمیشن اور براڈ کاسٹنگ منسٹر (آئی اینڈ بی) کو اپیل کی جس پر کان نہ دھرے گئے کیونکہ اخلاق اور تشدد کے حوالے سے وہ اپنے ہی خیالات کا حامل تھا..... اس نے میری وجوہات اور توجیہ کو نہ سنا اور اس کے ساتھ ابلاغ سرانجام دینا مشکل ثابت ہوا..... مجبوراً مجھے پنڈت جی کے ساتھ ملاقات کرنے کا اہتمام کرنا پڑا اور میں نے ان کے سامنے واضح مؤقف اختیار کیا جو نہ صرف میری فلم کے حق میں تھا بلکہ ان تمام فلموں کے حق میں تھا جو سنسر بورڈ نے انہیں وجوہات کی بنا پر پاس نہ کی تھیں..... وہ میرے دلائل سے متاثر ہوئے اور انہوں نے ''گنگا جمنا'' پر نظر ثانی کے احکامات جاری کر دیے..... جس روز فلم نمائش کے لئے پیش کی جانی تھی اس سے محض ایک دن قبل بورڈ نے نہ صرف اس فلم کو پاس کر دیا بلکہ اس جیسی دیگر فلموں کو بھی پاس کر دیا جو اس وقت تک بورڈ کے سامنے پیش کی گئی تھیں.....

جیسے ہی میں نے کرشن مینن سے رخصت چاہی..... راجنی نے کہا کہ ہمیں اگلے دن ملاقات کرنی چاہیے تاکہ ہم انتخابی مہم کی منصوبہ بندی کرسکیں اور مناسب حکمت عملی بھی طے کرسکیں اور دیگر تفصیلات بھی زیر بحث لاسکیں..... جب ہم نے ہاتھ ملائے..... یہ بے حد گرمجوشی مصافحہ تھا.....

اس ملاقات کے بعد راجنی پٹیل اور میرے درمیان کئی باقاعدہ اجلاس منعقد ہوتے رہے اور یہ اجلاس بامقصد بھی ثابت ہوتے رہے..... بار بار کی ملاقاتوں کے باعث میرا راجنی پٹیل کے ساتھ دوستی کا رشتہ استوار ہو گیا اور ہم دونوں قریبی دوستی کے بندھن میں بندھ گئے..... وہ ایک ذہین شخص تھا اور اصولوں کی خاطر ڈٹا ہوا تھا.....

شمالی بمبئی کی لوک سبھا کی نشست کے لئے 1962ء کے انتخابات شہر کی انتخابی تاریخ کے ڈرامائی ترین مقابلے تھے..... راجنی مجھے جہاں بھی لے کر گیا میں وہاں پر گیا اور وہ مجھے ہر ایک ریلی

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

کے ایجنڈے سے بھی روشناس کروانا تھا کیونکہ آخری لمحے میں مَیں نے خطاب کرنا ہوتا تھا.....

حقیقت میں مَیں نے جس بہت بڑے سیاسی اجتماع سے خطاب کیا وہ جنوبی بمبئی میں کوپر ریگ گراؤنڈ میں جمع ہوا تھا..... راجنی اور میں گاڑی میں سفر کرتے ہوئے اس مقام کی جانب رواں دواں تھے اور مجھے کوئی آئیڈیا نہ تھا بلکہ میرے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ مجھے تقریر کرنے کے لئے پکارا جائے گا..... مرین ڈرائیو کے قرب وجوار میں..... راجنی نے مجھے مطلع کیا کہ میں بھی ان مقررین میں شامل تھا جنہیں تقریر کرنے کے لئے پکارا جانا تھا..... مجھے اس پر غصہ آیا اور میں نے اسے بتایا کہ یہ کیا مذاق تھا..... میں نے انکشاف کیا کہ میں کوئی سیاست دان ہرگز نہ تھا مجھے ایک موضوع دے دیا جاتا اور میں ایک مجمے کے سامنے اس پر بخوبی اظہار خیال کرتا..... اس نے میرے ہاتھ کو تھپتھپاتے ہوئے کہا:.....

''تم سے ایک سیاست دان کی تقریر کی کون توقع کرتا ہے؟ اسے سیاست دانوں کے لئے چھوڑ دو..... تم بطور دلیپ کمار مجھ سے بات کرو۔''

میں بالکل بھی نہ سمجھ سکا کہ وہ کیا کہہ رہا تھا..... اس وقت تک ہم جلسے کے مقام تک جا پہنچے تھے اور میں مجمعے کے جوش وخروش کو بخوشی محسوس کرسکتا تھا جو مجھے دیکھنے اور سننے کے انتظار میں تھا..... اب راجنی مجھ سے آنکھیں چرا رہا تھا اور وہ میری آنکھ میں آنکھ ڈال کر بات نہیں کر رہا تھا..... اس نے مجھے زندگی کے ایک ایسے چیلنج سے ہمکنار کر دیا تھا جس کا سامنا میں نے اپنی زندگی میں اس سے پہلے کبھی نہ کیا تھا.....

جیسے ہی میں جلسہ گاہ میں داخل ہوا..... میں نے سنا لوگ دلیپ کمار کا مطالبہ کر رہے تھے اور یہ مجھ پر لازم ہو گیا تھا کہ میں اسٹیج پر جاتا..... مائیکروفون پکڑتا اور لوگوں سے مخاطب ہوتا..... اب مجمعے سے زیادہ شور بلند ہو رہا تھا کیونکہ میں مجمعے کے سامنے کھڑا تھا..... مجھے یاد تھا میں نے کیسے نظم پڑھی تھی ..... میری دو آنکھیں ہیں ۔۔۔۔'' پشاور میں تالیاں بجاتے ہوئے سامعین کے سامنے اور مجھے بار بار پڑھنے کے لئے کہا گیا تھا..... میں نے ایک گہرا سانس لیا اور 10 منٹ تک خطاب کیا! جب میں نے اپنا خطاب ختم کیا تب لوگوں کا خراج تحسین پیش کرنا اور تالیاں بجا کر داد دینا دیدنی تھا..... مجمع گراؤنڈ چھوڑنے پر رضا مند نہ تھا اور پس وپیش کا مظاہرہ کر رہا تھا اور راجنی آنکھوں میں فتح کا خمار لئے میری جانب دیکھ رہا تھا..... یہ بطور عوامی مقرر میری زندگی میں ایک نئے باب کا آغاز تھا.....

کرشن مینن کے لئے میں نے جو انتخابی مہم چلائی اور اس دوران میں نے بہت سے خطابات بھی کئے اور ان خطابت کے حوالے سے میرے رشتے داروں اور دوستوں نے میری بے تحاشہ تعریف کی ..... روزانہ مجھے محض ایک ہی خطاب پیش نہیں کرنا ہوتا تھا بلکہ کئی عوامی اجتماعات سے مجھے روزانہ خطاب کرنا پڑتا تھا..... ہر جگہ مجھے مائیکروفون تھما دیا جاتا تھا اور خطاب کرنے کے لئے کہا جاتا تھا..... اس کام کے لئے اگرچہ کسی قدر تیاری کی ضرورت ہوتی تھی لیکن میں عام طور پر اپنے اس علم پر انحصار کرتا تھا جو میں کتب کے مطالعہ سے حاصل کر چکا تھا..... میں کتاب سے محبت کرنے والا بندہ ہوں اور میرے قریبی دوست اور میرے بہن بھائی جانتے تھے کہ میں اس وقت کس قدر خوش ہوتا تھا جب وہ میرے لئے بطور تحفہ ایک اچھی کتاب لاتے تھے.....

کرشن مینن کی شاندار کامیابی کے بعد کانگرس پارٹی کے لئے میرا مہم چلانے کا عمل ایک باقاعدہ مشق کی شکل اختیار کر چکا تھا..... کرشن مینن فتح یاب ہو کر منظر عام پر آیا تھا..... راجنی کے ساتھ میرا

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

بندھن مضبوط ہوتا چلا گیا جب کہ ہم اپنے مشترکہ مقاصد، مفادات اور اقدار دریافت کر چکے تھے ..... اگرچہ راجنی بمبئی میں کانگرس پارٹی کی قیادت کر رہا تھا..... لیکن وہ ایک سکے بند سیاست دان ہرگز نہ تھا..... وہ زیادہ تر بیرسٹر تھا اور قانونی برادری کے بہت سے لوگ ہمارے مشترکہ دوست تھے..... نہ ہی اسے اور نہ ہی مجھے اختیارات اور شہرت کی تمنا تھی ..... ایک دن ہم معمول کی گپ شپ لڑانے میں مصروف تھے کہ میں نے راجنی سے کہا کہ بمبئی جیسے کاسموپولٹن کے لئے ایسی عظیم جگہ کا اہتمام ہونا چاہئے جہاں پر نمائشوں کے علاوہ کلاسیکل رقص اور موسیقی کے پروگرام منعقد کئے جانے چاہئیں..... جہاں پر ممتاز لکھاریوں کے درمیان تبادلہ خیال ہونا چاہیے..... اور ایک سائنس سینٹر بھی ہونا چاہیے جس سے شہر کے ابھرتے ہوئے سائنس دان استفادہ کر سکیں..... خلائی ٹیکنالوجی کے میدان میں پروفیسر وکرم سارا بھائی کی سربراہی میں جو کام ہو رہا تھا اور جو ترقی اور کامیابی ہو رہی تھی میں اس سے نہ صرف مطمئن تھا بلکہ میں اس کا معترف بھی تھا..... راجنی نے پرجوش ردعمل کا اظہار کیا اور 1970ء کے عشرے کے آغاز میں اس نے بمبئی میں آرٹ ..... کلچر اور سائنس کے اولین سینٹر کے قیام کی تجاویز کی تیاری کے کام کا آغاز کر دیا تا کہ وزیراعظم اندرا گاندھی کو پیش کی جا سکیں..... اپنے باپ پنڈت جواہر لعل نہرو کی مانند..... اس نے بھی فیصلہ کرنے میں دیر نہ لگائی اور اس نے اصولی طور پر بیان کیا کہ ایک ایسا کلچرل سینٹر جو سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی بھی آشکار کرے بمبئی کی اولین ضرورت تھا..... اس نے راجنی کو تجاویز کی تیاری کے لئے گرین سگنل دے دیا..... لہٰذا وورلی پر نہرو سینٹر کی تخلیق کی جانب اولین قدم کا آغاز ہو چکا تھا.....

راجنی اور میرے لئے سیاست کا مطلب عام آدمی کی خدمت تھا..... راجنی اور میں دونوں انتخابات جیت کر فعال سیاست دان بن سکتے تھے لیکن وہ سوچ میرے اور اس کے ذہن سے کوسوں دور تھی ..... ہم ہمیشہ خوش اور مطمئن ہوتے تھے جب ہم سیلاب زدگان..... قحط زدگان اور زلزلہ سے متاثر لوگوں کے فنڈ اکٹھے کر کے حکومت کے حوالے کرتے تھے..... گاڑیوں میں فلمی ستاروں کے جلوس لوگوں کے ہجوم میں بمبئی کی مصروف سڑکوں پر آہستہ آہستہ رواں دواں رکھنے کے لئے قرار وراقعی منصوبہ بندی کی ضرورت ہوتی تھی..... مجھے یاد ہے کہ ہم ہر ایک قدرتی آفت کے نازل ہونے کے بعد اس کا شکار ہونے والے لوگوں کی امداد کے لئے ٹرک پر جلوس نکالا کرتے تھے.....

ہمیں ان لوگوں کے ساتھ بے حد مہربانی سے پیش آنا ہوتا تھا جو کپڑے..... رقم..... ادویات ..... کریانے کا سامان..... کمبل اور دیگر اشیاء ریلیف فنڈ میں دست تعاون دراز کرنے کے لئے لاتے تھے وہ لوگ جواب میں اپنے دل پسند ستاروں کے ساتھ ہاتھ ملانے کے متمنی ہوتے تھے..... اس کے ساتھ ساتھ ہمیں اداکاروں کی سلامتی اور تحفظ کا بھی پورا پورا خیال رکھنا ہوتا تھا..... تمام پرستار اس وقت شائستگی اور احترام کا مظاہرہ نہیں کرتے جب وہ نمایاں خواتین فنکاروں سے مصافحہ کرتے ہیں ..... یہ ٹرک پر موجود ہم مردوں پر منحصر ہوتا تھا کہ ہم اس پہلو کی دیکھ بھال کریں..... مجموعی طور پر ہم سب شہر کی سڑکوں پر گھومنے پھرنے سے لطف اندوز ہوتے تھے اور ان لوگوں کی تعریف سمیٹتے ہوئے بھی ہمیں لطف محسوس ہوتا تھا جن کو ہم اپنی اداکاری کے ذریعے تفریح بہم پہنچاتے تھے..... دن کے اختتام پر ہم نے جو فنڈ اکٹھا کیا ہوتا تھا وہ ہمیں انعام محسوس ہوتا تھا اور ہمیں فخر و ناز کا احساس دلاتا تھا کیونکہ ہم نے اپنے ایک چھوٹے سے طریقے سے بطور شہری اپنی ذمہ داریاں پوری کی ہوتی تھیں.....

©جملہ حقوق بحق ادارہ اُردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com itsurdu.blogspot.com

irsurdu.blogspot.com

وورلی پر اندرا گاندھی نے سہرو سینٹر کی تعمیر کے آغاز کا افتتاح کرنا تھا اور اس کے لئے 2 نومبر 1972ء کا دن مقرر کیا گیا تھا..... یہ دن راجنی اور میرے لئے ایک عظیم تکمیل اور خوشی کا دن تھا..... شام کو راجنی نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ باکول کے ساتھ شادی کر کے اپنی اس خوشی میں مزید اضافہ کرنا چاہتا تھا..... وہ ایک خوبصورت لڑکی تھی اور اس کے پیشے میں اس کی ساتھی تھی اور وہ اس کے ساتھ شادی کرنے کی تجویز کا کافی عرصے سے حامل تھا..... آپ باکول کا تذکرہ اس کے اپنے الفاظ میں اس کتاب کے دوسرے حصے میں پڑھ سکتے ہیں جو نصف شب کی تقریب کی بابت ہے.....

راجنی سرپرائز پیش کرنے کی عادت کا حامل تھا..... ایک صبح (1980ء کے آغاز میں کسی وقت)..... وہ بیدار ہوا جب کہ میں مہابالشور (مہاراشٹرا میں ایک پہاڑی مقام..... بمبئی سے تقریباً 220 کلومیٹر کی دوری پر واقع) میں چھٹیاں منا رہا تھا اور اس نے اعلان کیا کہ میں نے اور شارد چاندرا گوندرو پاوار..... جو اس وقت مہاراشٹر کا وزیر اعلیٰ تھا نے فیصلہ کیا تھا کہ مجھے بمبئی کا شیرف مقرر کیا جائے..... ایک لمحے کے لئے میں نے سوچا کہ یہ ایک مذاق تھا..... میں اسے ہنسی میں اڑا دینے کے عین قریب تھا جب راجنی نے بیان کیا کہ میرے لئے پیچھے ہٹنے کا کوئی موقع نہ تھا کیونکہ یہ خبر سرکاری طور پر ذرائع ابلاغ کو دی جا چکی تھی اور میں بھی اپنا ریڈیو آن کر کے بذات خود اس خبر کو سن سکتا تھا.....

شاردراؤ (جیسا کہ میں اسے پکارتا تھا) راجنی کے ذریعے میرے ساتھ تعارف حاصل کر چکا تھا جب اول الذکر کانگرس میں تھا..... (اس نے 1978ء میں وہ پارٹی چھوڑ دی تھی..... لیکن 1987ء میں دوبارہ شمولیت اختیار کر لی تھی)..... میں اپنے کام سے کچھ وقت نکال کر شاردراؤ کی انتخابی مہم چلاتا تھا جب اس نے مہاراشٹر دستور ساز اسمبلی کے انتخابات میں بارامتی (بمبئی سے تقریباً 250 کلومیٹر دور) سے 1967ء میں حصہ لیا تھا.....

ہم تینوں کی ملاقات اکثر میری رہائش گاہ یا وورلی میں راجنی کے اپارٹمنٹ میں ہوتی تھی..... مجھے بمبئی کا شیرف بنانے کے حوالے سے پہلے بھی دو مرتبہ بات ہوئی تھی لیکن میں نے یہ عہدہ قبول کرنے سے معذرت کر لی تھی کیونکہ میں نے حال ہی میں منوج کمار کی ''کرانتی'' پر کام کا آغاز کیا تھا جو فروری 1981ء میں نمائش کے لئے پیش کی گئی تھی..... میری عدم موجودگی میں..... میرے حیران کن دوستوں..... شاردراؤ اور راجنی نے میری جانب سے اس عہدے کو قبول کر لیا تھا..... جبکہ میں انہیں آگے جانے سے روک رہا تھا..... راجنی نے مجھے بتایا کہ اگر میں نے یہ عہدہ قبول نہ کیا تب ان دونوں پر بہت لے دے ہوگی اور ان دونوں کا ہراساں ہونا یقینی تھا..... اس نے مجھے یقین دہانی کروائی کہ میرا نیا جاب میرے کام میں مداخلت کا سبب نہیں بنے گا..... اس نے وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ یہ ایک سیاسی عہدہ تھا اور اس میں میرا روزانہ دفتر میں حاضر ہونا شامل نہ تھا..... لہٰذا میرے پاس اس عہدے کو قبول کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا.....

اس خبر کو سننے کے بعد اولین فرد جس کی خوشی دیدنی تھی اور جو میری اس تقرری پر بے حد مسرت کا اظہار کر رہا تھا وہ منوج کمار تھا جو غالباً اپنی امنگوں اور آرزوؤں بھری فلم ''کرانتی'' بنا رہا تھا اور میری حیرانی کی کوئی انتہا نہ رہی کہ اسے اپنی فلم کے شیڈول کے متاثر ہونے کی کوئی پرواہ نہ تھی کیونکہ میرے شیرف بننے کے بعد لازمی طور پر اس کے متاثر ہونے کا خدشہ بہرکیف موجود تھا..... اس کی بجائے وہ اس اعزاز پر خوشی اور جشن منا رہا تھا جو مجھے عطا کیا گیا تھا..... وہ چاہتا تھا کہ میں راج بھون سے تقریب حلف برادری کو فلمانے کی اجازت حاصل کروں، جو مہاراشٹر کے گورنر صادق علی کے روبرو منعقد ہونا تھی.....

irsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

جیسا کہ متوقع تھا اس خبر نے ہلچل مچادی کیونکہ پہلی مرتبہ ایسا ہوا تھا کہ ایک اداکار کو شیرف کا عہدہ تفویض کیا گیا تھا..... پورے سال بھر مجھے ذرہ برابر بھی مہلت نہ ملی حلف برادری سے لے کر شیرف کے دفتر میں آخری دن تک کیونکہ مجھے لاتعداد تقریبات میں شرکت کرنا ہوتی تھی جن کا آغاز صبح 10 بجے ہوتا تھا اور یہ تقریبات رات گئے تک جاری رہتی تھیں..... یہ اس قدر پرجوش اور ہیجان خیز تھا کہ سائرہ میرے سوٹ کیس کو مختلف سوٹوں کے ساتھ بھرتی رہتی تھی جو میں نے مختلف تقریبات میں پہنے ہوتے تھے اور میری گاڑی کی ڈگی میں رکھواتی رہتی تھی اور وہ میرے لئے سوٹ تبدیل کرنے کے لئے جگہیں تلاش کرتی رہتی تھی اگر وہ ایسا کرسکتی تھی.....

ہر جگہ مجھ سے یہ توقع کی جاتی تھی کہ میں ''چند الفاظ کہوں''..... یہ توقع مجھے پریشان کردیتی تھی.....کوئی کیسے محض ''چند الفاظ'' بول سکتا ہے.....مثال کے طور پر..... جب میونسپل ہسپتالوں کی حالت زار پر بولنے کی درخواست کی جائے جہاں ملک کے غریب غرباء طبی علاج معالجے کے لئے اور ادویات کے حصول کے لئے جاتے ہیں؟ بطور شیرف اپنے عہدے کی مدت کے دوران اس مسئلے اور دیگر مسائل کا احاطہ کرنا ہوتا تھا اور یہ احاطہ مختلف پلیٹ فارموں پر کرنا ہوتا تھا..... مجھے ہر ممکنہ موضوع پر بولنے کی دعوت دی جاتی تھی اور میں محتاط رہتا تھا کہ اگر کسی بھی خصوصی موضوع پر میں نے غلط بات کی تو میرا محاسبہ کرنے والے لوگ بھی بہرکیف موجود تھے.....

کچھ وجوہات کی بنا پر یہ غلط نظریہ رائج ہے کہ فلمی شخصیات دیگر پیشہ وارانہ شخصیات کے مقابلے میں تھوڑے جنرل نالج کی حامل ہوتی ہیں اور وہ محض اپنے آپ کے بارے میں اور اپنے کام کے بارے میں بات کرنے کی اہل ہوتی ہیں..... میں نے اس نظریے کو غلط ثابت کرنا تھا.....اگر میری اس حقیقت کو شیخی خوری نہ سمجھا جائے تو میں عرض کروں گا کہ میں نے بہت سے ایسے لوگوں کے اجتماعات سے خطاب کیا تھا جن کا تعلق پیشہ وارانہ میدانوں سے تھا مثلاً دل کے عارضے کا میدان..... پولٹری کا میدان.....زراعت کا میدان.....اور ادویات کا میدان اور کوئی بھی ایسا میدان جو اس روئے زمین پر وجود پذیر ہے.....میں نے اس سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے اجتماعات سے بطور شیرف اپنے بارہ ماہ کے عہدے کی مدت کے دوران خطاب کیا تھا.....اگرچہ بطور شیرف بہت سی سماجی تقریبات میں شرکت کرنے کی وجہ سے ''کرانٹی'' کی شوٹنگ کا میرا شیڈول بری طرح متاثر ہوا تھا اور مجھے شوٹنگ کے لئے وقت نہ ملتا تھا.....

بطور شیرف اور کافی زیادہ بعد میں (2000ء تا 2006ء) مہاراشٹر سے بطور ایک راجیا سبھا رکن میرے مقررہ کام میرے لئے بے حد اہمیت کے حامل تھے کیونکہ انہوں نے مجھے یہ موقع فراہم کیا کہ میں کچھ سماجی کام کرسکوں.....

بطور شیرف میں زندگی کے مختلف میدانوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے ساتھ باہم روابط رہا.....اور بطور راجیا سبھا رکن..... میں نے اس وقت بے حد خوشی محسوس کی جب میں نے حکومتی فنڈز سے مختلف مقاصد کے حصول کے لئے دست تعاون دراز کیا جو میرے ذمے تھے.....میں نے ان برسوں کے دوران جو دست تعاون دراز کیا اس سے میں نے بے حد خوشی اخذ کی.....میں نے ریاست میں واقع اسپتالوں کے ساتھ دست تعاون دراز کیا تاکہ وہ ضروری ساز وسامان اور ایمبولینس حاصل کرسکیں..... میں نے مہاراشٹر کے دیہی علاقوں میں پرائمری اسکول قائم کرنے کے لئے فنڈز فراہم کئے اور ریاست بھر میں اسکولوں کو مالی امداد فراہم کی ان میں بمبئی کے کچھ اسکول بھی شامل تھے تاکہ وہ کمپیوٹر اور جدید تعلیمی

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

تدابیر کی خریداری کر سکیں..... میں نے مختلف مقامات پر سڑکوں کا جال بچھانے کے لئے رقم مختص کی..... ان میں بمبئی..... سٹارا..... ناسک اور ناندڈ وغیرہ شامل تھے..... میں نے باغات کو خوبصورت بنانے اور بمبئی میں نئی پارکس (Parks) بنانے کے لئے بھی فنڈز فراہم کئے..... میں نے بمبئی کے گلی محلوں میں صاف ستھرے اور جدید واش روم کی تعمیر کے لئے بھی رقم فراہم کی.....

میں اس امر پر قوی یقین رکھتا ہوں کہ کسی بھی معاشرے کی خوشحالی صحت عامہ اور اس بنیادی تعلیم پر بنیاد کرتی ہے جو وہ اپنی غریب آبادی کو فراہم کرتا ہے..... میں نے اسکول کے آغاز کے لئے طلب کئے گئے فنڈز کی ترسیل کبھی نہیں روکی تھی..... بدقسمتی سے میرے تمام اچھے کام وہ نتائج فراہم نہ کر سکے جن کی میں خواہش رکھتا تھا..... مجھ پر مہاراشٹر کے سیاسی حلقے سے وابستہ ایک دوست نے دباؤ ڈالا کہ میں اپنا اراضی کا وہ پلاٹ جو باندرہ میں میری رہائش گاہ کے قریب واقع تھا میونسپل کارپوریشن کو ایک پارک بنانے کے لئے وقف کردوں..... بدقسمتی سے اراضی کا وہ پلاٹ آج تک پارک میں تبدیل نہیں ہوسکا اور اس پر کسی نے توجہ نہیں دی.....

میں نے ہمیشہ اس امر پر سختی سے زور دیا کہ اداکاروں کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی سماجی ذمہ داریوں کو محسوس کریں اور ان ذمہ داریوں کو پورا کرنے کو قرار واقعی کوشش کریں..... وہ اداکار جس کی تعریف وستائش لاکھوں لوگ کرتے ہیں ان پر معاشرے کا بھی کسی قدر قرض ہوتا ہے..... میں اسے اپنی خوش قسمتی اور اپنے لئے ایک بہت بڑی نعمت تصور کرتا ہوں کہ میں نیشنل ایسوسی ایشن آف بلائنڈ (این اے بی) کے ساتھ تعاون کر سکا..... جس کا میں کئی برس تک چیئرمین رہا..... میں نے وجے مرچنٹ کی تحریک دلانے پر اس کارِ خیر میں حصہ لیا..... وہ ایک معروف کرکٹر اور انڈیا کا سابق کپتان تھا اور وہ میرا ایک عزیز دوست تھا..... مجھے ایک کردار ادا کرنے کے لئے کہا تھا جو نیتن بوس کی ''دیدار'' میں اپنی بینائی کھو بیٹھتا ہے اور یہ میرے لئے کسی قدر مشکل کام تھا کہ میں یہ جانچ کر سکوں کہ ایک اندھا شخص کیسے کیمرے کی جانب دیکھے گا یا فلم میں دیگر کردار جب کہ وہ اپنے مناظر کی اداکاری کر رہا ہے اپنی اس معذوری کی وجہ سے بالخصوص جب کہ وہ فلم کے ابتدائی حصول میں بینائی کا حامل تھا..... میں نے اس پہلو پر محبوب صاحب سے بات کی اور انہوں نے مجھے مشورہ دیا کہ میں بمبئی سینٹرل ریلوے اسٹیشن پر جا کر کسی اندھے گداگر کو تلاش کروں جو روزانہ آتا تھا اور اسٹیشن سے باہر بیٹھ کر اپنے قریب سے گزرنے والوں کو ایک سکہ اپنے ٹین کے ڈبے میں ڈالنے کے کہتا تھا..... محبوب صاحب نے کہا کہ مجھے اس کے ساتھ بیٹھ کر اس کا مشاہدہ کرنا چاہئے..... اس کے ساتھ بات کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اور اس کی تاریک اور ویران دنیا کو سمجھنا چاہیے.....

©جملہ حقوق بحق ادارہ اُردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com
itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

میں نے عین وہی کچھ کیا اور آپ کو بتاتا ہوں کہ یہ ایک انکشاف تھا..... میں اس وقت جایا کرتا تھا جب اندھیرا چھا جاتا تھا اور قریب سے گزرنے والے لوگ ریل گاڑیاں پکڑنے کے لئے جلدی میں ہوتے تھے تاکہ وہ اپنی منزل مقصود تک پہنچ سکیں اور وہ اس شخص کو کچھ دینے کا تردد نہ کرتے تھے اور نہ ہی میرے جانب دیکھنے کا تردد کرتے تھے میں جو اس کے ساتھ بیٹھا ہوتا تھا..... ایک دن میں نے اس کے ساتھ بات کی اور اس سے قبل وہ یہ محسوس کرتا تھا کہ اس کے برابر بیٹھا شخص بھی اندھا تھا..... لیکن جب اس نے میری آواز سنی تب اس نے استفسار کیا:.....

''تم کون ہو؟ تم ایک اداکار محسوس ہوتے ہو جس کی فلم میں نے حال ہی میں دیکھی ہے۔''

میں حیران رہ گیا اور میں نے اس سے پوچھا:.....

''تم نے فلم کیسے دیکھی؟ تم تو دیکھ نہیں سکتے۔''

اس نے فوراً جواب دیا:.....

''تم نے فلم دیکھنی نہیں ہوتی..... تم ایک فلم سن سکتے ہو اور محسوس کر سکتے ہو اگر تمہارے پاس محسوس کرنے والا دل موجود ہو..... ہم دیکھ نہیں سکتے لیکن ہم سوچ سکتے ہیں..... محسوس کر سکتے..... ہنس سکتے..... رو سکتے ہیں۔''

میں اس کی جرأت اور طمانیت سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا..... اس نے خوش مزاجی سے مجھے بتایا کہ اس نے وہ فلم دیکھی تھی جس میں مَیں نے چند مرتبہ اداکاری کی تھی کیونکہ وہ گانے اور الفاظ پسند کرتا تھا..... جب وجے مرچنٹ نے نیب (این اے بی) کا آئیڈیا میرے سامنے رکھا اور یہ کام مجھ پر چھوڑا کہ میں وہ کچھ کروں جو کچھ میں فنڈز اکٹھے کرنے کے لئے کر سکتا تھا تاکہ اس مقصد کی علمبرداری کر سکوں..... یہ اس فقیر کا چہرہ تھا جو میری آنکھوں کے سامنے آیا اور میں نے محسوس کیا کہ مجھے وقت کی قلت کی بنا پر اپنی ذمہ داری سے منہ نہیں موڑنا چاہیے..... میرے اندر سے ایک آواز کی پکار سنائی دی جس نے مجھ سے کہا کہ مجھے میدان عمل میں کودنا چاہیے اور نیب کو اس قدر خود کفیل اور وسائل سے مالا مال بنانا چاہیے جو اس قدر نابینا لوگوں کی معاون ثابت ہو سکے جس قدر ممکن ہو سکے تاکہ وہ اپنی زندگیاں پُر وقار انداز میں اور عزتِ نفس کے ساتھ گزار سکیں.....

یہ میری خوش قسمتی تھی کہ مجھے ایک نوجوان اور مثبت سوچ کی حامل نوجوان خاتون کی معاونت حاصل تھی..... ویرا راؤ..... جو حال ہی میں بمبئی ٹاٹا انسٹی ٹیوٹ آف سوشل سائنس سے ظہور پذیر ہوئی تھی اور جس نے فنڈز اکٹھے کرنے اور فنڈز کا انتظام وانصرام سرانجام دینے میں خصوصی تعلیم وتربیت حاصل کی تھی..... اس نے کئی آئیڈیاز پیش کئے اور ان میں سے ایک آئیڈیا یہ بھی تھا کہ سال میں ایک مرتبہ بمبئی تا پونا خصوصی ٹرین چلائی جائے جس کی ٹکٹیں لوگ دلیپ کمار کے ساتھ سفر کرنے اور اس کے ساتھ باتیں کرنے اور اس کے ساتھ تصاویر اتروانے کے شوق میں خوشی خوشی خریدیں گے..... اس نے نیب کے عہدیداروں کو اس ٹرین کے بارے میں بتایا جو ڈربی کے ایام میں بمبئی اور پونا کے درمیان دوڑتی تھی اور اس ٹرین میں ٹکٹ کا حصول اس قدر مشکل تھا جس طرح خلائی جہاز میں مریخ پر جانے کے لئے ٹکٹ کا حصول مشکل تھا..... کسی نے اس بات پر توجہ نہ دی جو وہ پرجوش لڑکی کہہ رہی تھی اور یہ آئیڈیا اس کے ذہن میں ہی گردش کرتا رہا حتیٰ کہ میں نے اس کی بات سنی اور فی الفور اس پر عمل کیا.....

اگرچہ کچھ قنوطیت پسند لوگوں نے مخالفت کی..... ٹرین نے اپنے پہلے سفر کا آغاز لاتعداد مسافروں کے ساتھ کیا اور ذرائع ابلاغ نے بھی بے تحاشہ توجہ دی..... مجھے بتایا گیا تھا کہ میں نے گارڈ

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

کے ڈبے سے نکل کر ٹرین کے آخری حصے تک گشت کرتا تھا اور راستے بھر میں لوگوں کے ساتھ خوشگوار ماحول میں تبادلہ خیال کیا تھا..... ایسے کرنے میں مجھے کسی ہچکچاہٹ کا سامنا نہ تھا اور ہر سال سال میں نے عطیہ کا اولین اعلان کیا..... جو 50,000 تھا..... اولین ٹرپ..... 1960 میں ایک شاندار کامیابی تھا ..... محض عطیات سے اس قدر رقم اکٹھی کی گئی تھی کہ ہم عالمی منڈی میں نابینا طلباء کے لئے ابھرے ہوئے حروف والی بہترین کتب کا آرڈر دے سکتے تھے.....

دس برس تک..... میں نے خصوصی تہواری ٹرین پر پونا کا سفر طے کیا..... یہ ایک ایسا تجربہ تھا جس کا میں منتظر رہتا تھا اور اس کی وجہ وہ خوشی تھی جو یہ تجربہ عطا کرتا تھا..... میں جب ایسے لوگوں کے ساتھ براجمان ہوتا تھا جو اپنے ٹفن میں میرے لئے کوئی خصوصی چیز لائے ہوتے تھے اور میرے پاس بھی نیب کی جانب سے انہیں پیش کرنے کے لئے خوراک کے پیکٹ موجود ہوتے تھے..... یہ ایک سکپنگ کی مانند ہوتا تھا اور سفر کا بہترین حصہ وہ موقع تھا جو مجھے انڈیا کی مختلف زبانوں میں مسافروں کے ساتھ بات چیت کرنے کا حاصل ہوتا تھا..... وہ سادہ لوگ ہوتے تھے جو میری فلمیں دیکھ چکے ہوتے تھے اور وہ میرے اور میری بیوی کے ساتھ بات چیت کا آغاز کرنے میں شرم محسوس کرتے تھے جو اکثر مواقع پر میرے ہمراہ ہوتی تھی..... جب میں ان کی زبان میں ان سے بات کرتا تھا تب فرق فی الفور تحلیل ہو جاتا تھا اور وہ محسوس کرتے تھے کہ دلیپ کمار ایک سادہ سا نوجوان تھا اور اس کی بیوی بھی سادہ سی تھی جو اس سے دو قدم پیچھے رہتے ہوئے چلتی تھی اور اس وقت اس پر تعریفی نگاہ ڈالتی تھی جب وہ تامل..... کونکنڈی ..... گجراتی..... بنگالی..... پنجابی..... ہندی اور اردو زبان میں بات کرتا تھا..... مختلف مواقع پر میں اپنی فلمی برادری کے لوگوں کو بھی اپنے ساتھ شریک سفر ہونے کے لئے مدعو کرتا تھا اور مجھے یاد ہے کہ میں ٹرین پر جس مقبول ترین مہمان کا حامل تھا وہ جانی واکر تھا.....

میں نہیں جانتا تھا کہ یہ میری فطرت میں شامل ہے یا یہ کوئی ایسی چیز ہے جو میں نے اس ماحول سے اخذ کی تھی جس میں پروان چڑھا تھا..... ایک اچھے مقصد کی حمایت کر کے مجھے بے حد طمانیت اور خوشی محسوس ہوتی ہے..... 1988 کے اوائل میں کسی وقت..... مجھے پشاور سے ایک بہی خواہ کا ایک خط موصول ہوا..... واضح رہے کہ پشاور میری پیدائش کا شہر ہے..... اب وہ پاکستان میں ہے..... اس خط میں یہ انکشاف کیا گیا تھا کہ شہر..... اپنی تمام تر مادی ترقی کے باوجود بھی برسوں سے اس بلڈ بینک سے محروم تھا جو خون کے عارضے میں مبتلا لوگوں کو خون مہیا کرتا ہے اور پہلی مرتبہ خدمت خلق کا ایک ادارہ منظر عام پر آیا تھا جو خون کا عطیہ دینے مرکز اور بلڈ بینک قائم کرنا چاہتا تھا تا کہ ان لوگوں کا علاج معالجہ کیا جا سکے جو خون کے عارضے میں مبتلا تھے..... میرے بہی خواہ نے استفسار کیا تھا کہ کیا میں پشاور آ سکتا تھا اور اس بلڈ بینک کی خدمات کا افتتاح کر سکتا تھا.....

میری سوچوں پر پشاور کا مزید قبضہ نہ تھا..... اگرچہ راج (کپور) اور میں اکثر اپنے بچپن کے برسوں کو یاد کرتے تھے جو ہم نے وہاں پر گزارے تھے اور جب کبھی ہماری ملاقات ہوتی تھی ہم ان ایام کو زیر بحث لاتے تھے..... تاہم..... پشاور کا دورہ کرنے کی دعوت اور وہ بھی ایک عظیم الشان مقصد کے لئے ..... ناقابل مزاحمت تھی.....

میں نے سائرہ کے ساتھ اس دعوت کا تذکرہ کیا اور وہ بھی اس رائے کی حامل تھی کہ میں جو بھی تعاون کر سکتا تھا مجھے فاطمہ فاؤنڈیشن کے ساتھ کرنا چاہیے جو خون کا عطیہ دینے کا مرکز اور بلڈ بینک قائم کر رہے تھے..... لہٰذا میں نے دعوت قبول کر لی اور اس وقت میری حیرانی کی کوئی انتہا نہ رہی جب مجھے

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

مطلع کیا گیا کہ میں نے جو دعوت قبول کی تھی اس کا علم پاکستان کے صدر جنرل محمد ضیاء الحق کو بھی ہو گیا تھا اور انہوں نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ میرے دورے کی میزبانی سرانجام دیں گے اور مجھے ریاست کے ایک مہمان کی حیثیت سے مدعو کرتے ہیں.....

بلڈ بینک کے افتتاح کی ایک سادہ سی دعوت ایک ذاتی دورے سے اب ایک بہت بڑی تقریب میں تبدیل ہو چکی تھی کیونکہ پاکستان کے صدر نے اسے انڈیا کے ایک اعلیٰ عہدیدار کا ریاستی دورہ قرار دیا تھا اور یہ میری خوش قسمتی تھی کیونکہ میں ریاستی سربراہ نہ تھا یا انڈین حکومت کا سفیر نہ تھا کہ میں اس اعزاز کا حقدار ٹھہرتا..... جیسا کہ تصور کیا جا سکتا تھا..... ہماری جانب سے دورے کی تیاری اب ایک بڑے پیمانے پر ہونی تھی کیونکہ میں اب حاشیہ نشینوں..... فیملی اراکین اور ذرائع ابلاغ کے لوگوں کی معیت میں سفر طے کرنے جا رہا تھا.....

سفر کی اپنی تیاری کے عین درمیان میں جس کی نگرانی نسیم آپا اور سائرہ کر رہی تھی..... میں اس خوشی سے بے قابو ہو رہا تھا کہ میں ایک مرتبہ پھر اس پشاور کی سرزمین پر قدم رکھنے جا رہا تھا جو کبھی انڈیا کا حصہ ہوتا تھا..... وہ ملک جسے میں بڑے فخر کے ساتھ اپنا ملک کہتا ہوں..... اگست 1947ء میں جب آزادی نصیب ہوئی اور تقسیم ہند منظر عام پر آئی اور آغا جی کے علم میں آیا کہ ان کی اراضی اور ان کی جائیداد اب پاکستان میں تھی..... نیا ملک جو جنم لے چکا تھا..... بے شک وہ پریشان ہوئے لیکن ان کا اولین بے ساختہ ردعمل ان لوگوں کے حوالے سے یہ تھا جو انہیں زور دے رہے تھے کہ وہ پشاور جا کر اپنی جائیداد پر اپنا قبضہ جمائیں:.....

'ہم انڈیا میں رہیں گے اور انڈیا میں مریں گے۔''

یادداشتوں کا ایک قافلہ میری اندرونی آنکھ کے سامنے سے گزرتا رہا جیسے ہی میں نے اپنے آپ کو دورے کی ذہنی تیاری میں مدغم کیا..... ہمارے گھر اور اس کے اردگرد کی آوازیں اور خوشبوئیں..... دوستوں اور فیملی کے اراکین کے چہرے..... مندروں کی گھنٹیوں کے بجنے کی آوازیں جو اکثر اذان کی آواز کے ساتھ گڈمڈ ہو جاتی تھیں..... دادی کی تحکمانہ آواز..... سردیوں کی سردی اور گرمیوں کی گرمی..... سب کچھ میرے تحت الشعور میں واپس آ چکا تھا..... میں اپنے دل میں درد محسوس کر رہا تھا کہ اماں اور آغا جی میرے ہمراہ نہ تھے اور بطور ریاستی مہمان میرے دورے کی خوشیوں میں شریک نہ تھے..... یہ ایک ایسا اعزاز تھا جو عام طور ریاست کے سربراہوں کو عطا کیا جاتا تھا..... آغا جی یقیناً اس طرح فخر محسوس کرتے جس طرح میرے او بی ای کے حصول پر فخر کرتے.....

ہم نے اپریل 1988ء کے آغاز میں کراچی کا سفر کرنا تھا..... میرے دورے سے قبل..... ہمارے علم میں یہ بات آئی کہ پاکستانی پائلٹ اس بات پر ایک دوسرے سے جھگڑ رہے تھے کہ پاکستان انٹرنیشنل ایئر لائن کے اس طیارے کو کون اڑائے گا جس میں میں سوار ہو کر ان کے ملک کا اپنا اولین دورہ کرنے کا اعزاز حاصل کروں گا..... بہرکیف کپتان کی پرجوش آواز نے میرا اور میرے ہمراہیوں کا استقبال کیا..... اس کے الفاظ سے فخر و ناز جھلک رہا تھا جو وہ اور اس کا عملہ محسوس کر رہا تھا..... اسی طرح جب اس نے طیارے کے پاکستانی حدود میں داخل ہونے کا اعلان کیا..... اس کی آواز ایک مرتبہ پھر فخر و ناز اور خوشی کے جذبات سے معمور تھی کہ پی آئی اے کو مجھے پاکستان لانے کا شرف حاصل ہوا تھا.....

©جملہ حقوق بحق ادارہ اُردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

یہ بات سمجھ میں سمانے والی تھی کہ میرا دورہ ایک اہم دورہ تھا جس نے اہل پاکستان کو خوشی بخشی تھی کیونکہ پشاور..... میرا آبائی شہر..... اب ان کے ملک کا حصہ تھا..... لڑکا..... یوسف..... منڈے ہوئے سر کے ساتھ اور بگڑے ہوئے چہرے کے ساتھ جس نے 1930ء کے عشرے کے وسط میں پشاور چھوڑا اور آغا جی اور محمد سرور خان کے ساتھ عازم بمبئی ہوا..... جو ایک خوشحال فروٹ تاجر ہونے کی بنا پر شہر میں سماجی رتبے کا حامل تھا..... اب وہ بطور دلیپ کمار واپس آ رہا تھا..... ایک اداکار جس نے سخت محنت کی تھی اور اپنے کام کی بنا پر شہرت اور ناموری کمائی تھی..... اس نے پشاور کے آبائی باشندوں اور پاکستان کو فخر و ناز کا احساس دلایا جو فطری تھا اور ان حالات میں اس کی توقع کی جاتی تھی..... ان کے نکتہ نظر سے یہ مناسب تھا.....

مقررہ دن..... 12 اپریل 1988ء کو..... سائرہ..... میں اور قریبی دوستوں کا ایک گروپ اور فیملی اراکین کے علاوہ ہمارے حاشیہ نشین اور کیمرے کا عملہ..... عازم کراچی ہوا..... کراچی ہوائی اڈے پر ہمارا شاندار استقبال کیا گیا..... اس کے بعد ہر واحد دن ہم گاڑی میں گھومتے پھرتے تھے اور ہمیں کسی بھی منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے گھنٹوں درکار ہوتے تھے کیونکہ پرجوش ہجوم سکیورٹی کا حصار توڑ کر ہماری اس گاڑی کی جانب بھاگتا تھا جس میں ہم سفر کر رہے ہوتے تھے..... ہم محبت کے ناقابل فراموش تجربے سے دوچار ہوئے جس نے ہم سب کو بشمول میرے بھائی احسان اور مجھے رلا دیا.....

دورہ ہیجان خیز اور تھکا دینے والا تھا..... کئی تقریبات میں شرکت کرنا ہوتی تھی جن کی میزبانی ضیا صاحب کرتے تھے..... اس کے علاوہ رات کے کھانے..... دوپہر کے کھانے..... چائے کی دعوتیں اور آشنا اور اب مشہور مقامات کے دورے..... مثلاً قصہ خوانی بازار میں میرا گھر..... اس کے علاوہ کزنز اور ان کی فیملیوں کے ساتھ گٹ ٹوگیدر..... الیکٹرونک اور پرنٹ میڈیا کے ساتھ باہم روابط ہونا..... اور اسکول کے زمانے کے دوستوں کے ساتھ ملاقاتیں جو حیران تھے کہ میں ان کے نام نہیں بھولا تھا..... جس نے میرے دل کو ازحد خوشی بخشی وہ یہ امر تھا کہ میں فاطمہ فاؤنڈیشن کے خون کے عطیے کے مرکز اور بلڈ بینک کا افتتاح کرتے ہوئے اپنے پشاور کے دورے کو بامقصد بنانے کا اہل ہوا تھا..... اس سے بھی بڑھ کر دل کو گرما دینے والا دوستانہ ردعمل وہ تھا جو مجھے ایسے مجمعوں سے موصول ہوا جن سے میں نے خطاب کیا اور میں نے اس دن کا تصور کیا جب دونوں ممالک دوستی کے رشتے میں بندھ سکتے تھے اور ان کے درمیان بارآور اور پیداواری تجارتی تعلقات استوار ہو سکتے تھے جو دونوں کی معیشت کی بہتری کے لئے ناگزیر تھے.....

پشاور میں کوئی خاص تبدیلی رونما نہ ہوئی تھی..... ہمارا پرانا گھر ویسے ہی تھا جیسے وہ ہوا کرتا تھا اور یہی حال گلی کے دیگر گھروں کا بھی تھا..... بازار میں چپلی کبابوں کی خوشبو رچی بسی تھی اور جو شخص ٹی اسٹال پر کھڑا تھا اس نے مجھے گرما گرم اور خوشبودار چائے کی اسی دوستانہ انداز میں پیش کش کی جس طرح اس کے پیش رو کیا کرتے تھے..... ٹی اسٹالوں پر پیش کی جانے والی چائے ہمیشہ قوی خوشبو کی حامل ہوتی تھی خواہ یہ دودھ کے ہمراہ پیش کی جاتی تھی یا دودھ کے بغیر بطور قہوہ پیش کی جاتی تھی..... پرانی جگہوں پر جہاں سے میں گزرا وہ بھی تبدیل نہیں ہوئی تھیں ماسوائے یہاں اور وہاں نئے تعمیراتی ڈھانچے کھڑے تھے لیکن شہر کے دیگر مقامات جدید تعمیراتی اثرات کا نمونہ پیش کرتے تھے.....

بڑی سڑکوں پر ڈرائیو کرنا..... بالخصوص رات کے وقت..... ایک غیر معمولی تجربہ تھا..... سڑکیں عمدگی کے ساتھ تعمیر کی گئی تھیں اور ہر سو فٹ کے فاصلے پر سجاوٹی محرابیں ہمراہ روشنیاں موجود تھیں

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

.....ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے شہر روشنیوں کا تہوار منا رہا تھا..... سڑک کے دونوں جانب کھڑے لوگ اس قدر پرجوش تھے کہ ڈیوٹی پر موجود پولیس کو انہیں روکنے میں قرار واقعی دقت محسوس ہو رہی تھی..... وہ پولیس کو چکمہ دے کر میری گاڑی کے بونٹ پر چڑھنے کے لئے بے تاب تھے اور میرے ساتھ ہاتھ ملانے کے لئے بے قرار تھے..... یہ تجربہ ایک خواب کی مانند تھا اور میں دل ہی دل میں قادر مطلق اللہ کا شکر ادا کر رہا تھا.....

میں بمبئی واپس آن پہنچا جہاں پر بری خبر میری منتظر تھی..... مرا عزیز دوست راج (کپور) دہلی کے اسپتال میں داخل تھا..... اس خبر نے مجھے بری طرح بکھیر کر رکھ دیا جیسا کہ میں نے اس کے ساتھ اس وقت بات کی تھی جب پشاور سے دعوت موصول ہوئی تھی اور دوبارہ کراچی کے لئے روانہ ہونے سے قبل میں نے اس سے بات کی تھی..... میں بذریعہ جہاز دہلی پہنچا تاکہ اپالو اسپتال میں اس کی عیادت کر سکوں جہاں پر وہ زیر علاج تھا..... میں نے اس کی صحت یابی کی دعا کی جو رائیگاں گئی اور راج 2 جون 1988ء کو اس دنیا سے رخصت ہو گیا.....

میرا پاکستان کا دوسرا دورہ مارچ 1996ء کے آخری حصے میں تھا..... یہ دورہ پاکستان کا اعلیٰ ترین سویلین ایوارڈ ''نشان امتیاز'' وصول کرنے کے لئے کیا گیا تھا..... یہ ایوارڈ کم و بیش برطانیہ کے ''آرڈر آف برٹش ایمپائر'' اور امریکہ کے ''صدارتی میڈل آف فریڈم'' کے مساوی ہے..... اس انعام کے حوالے سے شیو سینا سپریمو بالا صاحب ٹھاکرے (اپنے پاکستان مخالف مؤقف کے لئے مشہور) نے خوب واویلا مچایا اور اعلان کیا کہ مجھے یہ ایوارڈ موصول نہیں کرنا چاہیے..... اس نے براہ راست میری حب الوطنی پر حملہ کیا جس سے مجھے گہرا دکھ پہنچا..... میں نے انڈیا کے وزیراعظم سے مشورہ طلب کیا..... اٹل بہاری باجپائی..... اور انہوں نے اصولی طور پر اعلان کیا کہ مجھے ایوارڈ موصول کرنا چاہیے..... انہوں نے کہا:.....

''تم ایک فنکار ہو لہٰذا تم پر سیاسی یا جغرافیائی پابندیاں نہیں ہیں..... تمہارا انتخاب انسانی ہمدردی کے ان کاموں کی وجہ سے کیا گیا ہے جو تم کر چکے ہو اور تم نے دونوں اقوام کے درمیان تعلقات بہتر بنانے کی جو کوششیں کی ہیں وہ بھی بخوبی جانی پہچانی جاتی ہیں۔''

اگر میں وہ ایوارڈ وصول کرنے سے انکار کر دیتا تب انڈیا اور پاکستان کے درمیان تعلقات مزید کشیدہ ہو جاتے.....

اس داستان کا خوشگوار حصہ جو مجھے بتانا چاہیے..... وہ یہ ہے کہ میرا عزیز دوست سنیل دت (ایک معروف فلمساز..... اداکار..... پارلیمنٹ کا رکن اور کابینہ کا وزیر جو اپنے انسانی ہمدردی کے کاموں کے لئے جانا جاتا تھا) میرے گھر آیا اور مجھ سے استفسار کیا کہ کیا وہ بھی میرے ہمراہ پاکستان جا سکتا تھا تاکہ مجھے ایوارڈ وصول کرتے ہوئے دیکھ سکے..... فطری طور پر میری خوشی دیدنی تھی اور ہمارے درمیان یہ طے پایا کہ ہم ایک مخصوص مقام تک اکٹھے سفر طے کریں گے اور اس کے بعد..... سنیل اپنی جائے پیدائش چوٹالا (پاکستان کے صوبہ پنجاب میں) چلا جائے گا جب کہ میں پشاور کا دورہ کر رہا تھا..... اس دورے کے دوران میں نے لاہور میں پاکستانی کرکٹر عمران خان کے شوکت خانم میموریل ٹرسٹ اسپتال کے افتتاح کا بھی وعدہ کیا تھا جو سرطان کے مریضوں کے علاج معالجے کے لئے مخصوص تھا..... اور اس کا نام اس کی والدہ شوکت خانم کے نام پر تھا.....

ہم تلخ یادوں کو ذہن میں تازہ رکھنے کے حق میں نہیں ہیں..... بالا صاحب ٹھاکرے اب

www.UrduPoint.com
itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

حیات نہیں ہے (وہ 17 نومبر 2012ء کو موت سے ہمکنار ہو گیا تھا) اور ہم نے اپنے اختلافات کو فراموش کر دیا تھا اور اپنے تعلقات دوبارہ استوار کر لئے تھے کیونکہ نہ ہی وہ اور نہ ہی میں اپنے آپ کو اور اپنے اردگرد کو بسنے والوں کی حالت قابل رحم بنانا چاہتے تھے..... وہ اپنے پیروکاروں اور سیاسی دنیا پر غالب تھا اور اسے ''ٹائیگر'' کہا جاتا تھا..... ہم اس وقت ایک دوسرے کے ساتھ متعارف ہوئے تھے جب وہ شیوسینا چیف نہیں بنا تھا..... وہ جون 1966ء میں شیوسینا چیف بنا تھا..... ہم ایک دوسرے کے کام کا احترام کرتے تھے اور ایک دوسرے کے کام کو پسند کرتے تھے..... وہ بطور اداکار میرے کام کو پسند کرتا تھا اور میں اس کے تیکھے اور کاٹنے والے کارٹونوں کا مداح تھا.....

ہماری طویل..... دیرپا دوستی کی بنیاد یہ تھی کہ ہم ایک دوسرے کے پیشوں کا احترام کرتے تھے ..... ہماری بمبئی میں واقع اس کے گھر پر ملاقات ہوئی تا کہ ہم وہ اختلافات ختم کر سکیں جو ہمارے درمیان موجود تھے..... ہمیں اپنے ماضی کے اختلافات پر قابو پانے میں ایک سیکنڈ سے بھی زائد وقت نہ لگا تھا اور ہم نے اپنے اختلافات بالائے طاق رکھتے ہوئے ایک دوسرے کے لئے احترام اور دوستی کے جذبات کی تجدید نو کی..... وہ اور اس کی بیوی مینا تائی حیران کن میزبان تھے اور وہ سادہ زندگی گزارنے کے عادی تھے..... اور وقت گزرنے کے ساتھ اور اس کے سیاسی کیریئر کے عروج کے دوران بھی ان کی زندگی کی سادگی میں کوئی فرق رونما ہوا..... مینا تائی حقیقت پسند خاتون تھی..... وہ پرانے دوستوں کے ساتھ جیسے ہم تھے ہمیشہ رابطے میں رہتی تھی اور ہمیں اپنے گھر مدعو کرتی رہتی تھی اور سادہ کھانوں کے ساتھ ہماری تواضع کرتی تھی.....

www.UrduPoint.com

ایک موقع پر جب کہ میں اور سائرہ ایک مشترک دوست کے گھر مدعو تھے جہاں پر ٹھاکرے فیملی بھی مدعو تھی..... سائرہ شدید کمر کے درد کے عارضے میں مبتلا تھی..... مینا تائی نے اس کی بے آرامی بھانپ لیا اور اس نے بالا صاحب سے اس کا تذکرہ کیا..... اس نے پارٹی کو خیر باد کہا اور کچن میں گیا..... شیشے کی ایک خالی بوتل طلب کی..... ایک پتیلی میں پانی گرم کیا..... اسے بوتل میں انڈیلا اور اسے سائرہ کے پاس لایا تا کہ وہ اپنی دکھتی ہوئی کمر کو سکون پہنچا سکے..... اس کی بیوی اور بہو نے سائرہ کو بتایا کہ وہ ان کے لئے بھی اسی قسم کی تشویش کا اظہار کرتا ہے جب وہ گھر پر بیمار پڑتی ہیں.....

ہم نے بالا صاحب کا حساس اور شریف النفس رویہ آزمائش کی اس گھڑی دیکھا جو سنیل دت پر اس وقت نازل ہوئی تھی جب مؤالذکر کا بیٹا سنجے جیل میں تھا..... اس نے سنیل دت کو صبر و تحمل اور سمجھ بوجھ کا مظاہرہ کرنے کی تلقین کی جو اس وقت ایک مثالی فعل تھا جب کہ تمام نام نہاد بہی خواہ سنیل سے دست برادر ہو چکے تھے.....

©جملہ حقوق بحق ادارہ اُردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

دوسری اننگ

(The Second Innings)

''بیراگ'' (1976ء) کی تکمیل کے بعد..... میں نے اپنے آپ کو ایک مرتبہ پھر چوراہے میں کھڑا پایا..... اس وقت..... میں نے مستحکم عہد کیا کہ میں کام کی خاطر کام کرنے نہیں جا رہا تھا جیسا کہ بہت سے اداکار زندگی میں دیگر مشاغل کے لئے کرتے ہیں..... زندگی کے اس مرحلے کے دوران منوج کمار ''کرانتی'' کے آئیڈیا کے ساتھ میرے پاس آیا..... 1981ء میں ''کرانتی'' کے نمائش کے لئے پیش ہونے کے وقت تک..... میں ایک مرتبہ پھر یہ ضرورت محسوس کر رہا تھا کہ میں اپنے اداکاری کے کیریئر پر پردہ ڈالوں اور چھٹیاں گزارنے کے لئے روانہ ہو جاؤں..... لیکن قسمت کو کچھ اور ہی منظور تھا..... سجاش غائی ''ودھاتا'' کی کہانی کے ساتھ میرے پاس آیا۔۔۔۔''

مجھ سے اکثر پوچھا جاتا ہے میں نے اسیت سن کی ''بیراگ'' (1976ء) کے بعد تقریباً پانچ برس تک کام سے آرام کا وقفہ کیوں لیا حتیٰ کہ میں نے منوج کمار کی ''کرانتی'' سائن کی (1981ء میں نمائش کے لئے پیش کی گئی)..... اس کے بعد سجاش غائی کی ''ودھاتا'' (1982ء)..... میری عمر اس وقت 54 برس تھی جب ''بیراگ'' نمائش کے لئے پیش کی گئی اور میں نے تین مختلف کرداروں میں کام کرنے کے لئے سخت محنت سے کام کیا..... میں نے محسوس کیا کہ میں نے طویل عرصے تک کام کیا تھا اور میں چھٹی کا حقدار تھا..... درحقیقت میں نے ''رام اور شیام'' (1967ء) کی نمائش کے بعد ہی سنجیدگی کے ساتھ فیصلہ کر لیا تھا جب کہ میری عمر 44 برس سے کچھ زائد تھی..... میرے فیصلے سے سائرہ کو دھچکا لگا جب میں نے اسے اپنے فیصلے سے آگاہ کیا..... وہ میری اس توجیہ کے ساتھ مصالحت نہ کر سکی کہ میں محسوس کرتا تھا کہ میں اپنا ایک نام پیدا کر چکا تھا اور میرا خیال تھا کہ مجھے اپنی اس مقبولیت کو داؤ پر نہیں لگانا چاہیے تھا جو میں حاصل کر چکا تھا..... میں نے سائرہ کو وضاحت پیش کرتے ہوئے کہا کہ میں اپنی ان تھک محنت کی بدولت جو کچھ حاصل کر چکا تھا میں اس سے خاطر خواہ حد تک مطمئن تھا اور میں اپنے آپ کو مزید تھکانے کا روادار نہ تھا..... ''رام اور شیام'' نے تب ریکارڈ کامیابی حاصل کی تھی اور میں اس حوالے سے خوش تھا لیکن میرے اندر پختہ کار اداکار طمانیت کے اس گہرے شعور اور کامیابی کو کھو رہا تھا جو ''دیوداس'' یا ''نیا دور'' یا ''کوہ نور'' یا ''آن'' نے بخشی تھی۔

سائرہ میرے ساتھ اختلاف رائے کر رہی تھی اور وہ اس معاملے میں سنجیدہ تھی اور مجھے اپنا فیصلہ تبدیل کرنے پر اکسا رہی تھی..... اس نے یہ تجویز پیش کی کہ ہم دونوں طویل چھٹیاں گزارنے کیلئے دور دراز کے علاقوں کی سیر کے لئے نکل جاتے ہیں..... لہٰذا میں نے اس کی تجویز کے ساتھ اتفاق کیا.....

''بیراگ'' (1976ء) کی تکمیل کے بعد..... میں نے اپنے آپ کو ایک مرتبہ پھر چوراہے میں کھڑا پایا..... اس وقت..... میں نے مستحکم عہد کیا کہ میں کام کی خاطر کام کرنے نہیں جا رہا تھا جیسا کہ زندگی میں بہت سے اداکار دیگر مشاغل کے لئے کرتے ہیں.....

میں قادر مطلق اللہ کا شکر گزار ہوں کہ میرے لئے کام کی کوئی کمی نہ تھی اور میں دیگر دلچسپیوں کا بھی حامل تھا مثلاً مطالعہ..... موسیقی..... تھیٹر..... زبانوں کا مطالعہ..... اور اپنے طور پر فلموں کے اسکرپٹ تحریر کرنا..... میں انڈین سینما کی صورت حال جانتا تھا جو ہالی وڈ اور مغربی سینما کی صورت حال

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

سے بالکل مختلف تھی ..... جہاں پر وہ اداکار جو اپنے پیشے میں پختہ کاری اور قد وقامت حاصل کر چکے ہوتے تھے..... انہیں ان کی پختہ کاری اور بڑھتی عمر کو مدنظر رکھتے ہوئے کردار دیے جاتے تھے..... میں نے محسوس کیا کہ میرے لئے اب وقت آن پہنچا تھا کہ میں اپنے اسکرپٹ تحریر کروں اور فلموں کی ہدایت کاری کروں.....

میں ایسے اجنبیوں کی آنکھ میں آنکھ ڈال کر نہیں دیکھ سکتا تھا جو انڈسٹری میں مشکوک طریقے سے پچھلے دروازے سے داخل ہو رہے تھے..... یہ وہ وقت تھا جب مجھ پر پروڈیوسر اے۔ آر کاردار نے قانونی مقدمہ دائر کر رکھا تھا اور اس کی سماعت ہو رہی تھی اور میں نے قانونی جنگ لڑنی تھی اور اپنے اوپر لگائے گئے الزامات کو غلط ثابت کرنا تھا..... مضحکہ خیز بات یہ تھی کہ محاذ آرائی میں اضافہ کرنے کے لئے جلتی پر تیل ڈالنے کا کام ایک ایسے شخص نے کیا جس کی خاطر میں نے وہ سب کچھ کیا جو میں بطور ایک اداکار کر سکتا تھا تاکہ وہ ذلت کی پستیوں میں ڈوبنے سے بچ جائے جبکہ اس کی بیوی اور بچے ناگفتہ بہ حالت میں کئی مرتبہ میرے گھر آئے اور مجھ سے درخواست کی کہ میں اس فلم میں کام کروں جو وہ پروڈیوس کرنا چاہتا تھا..... میں نے فلم ''دل دیا درد لیا'' (1966ء میں نمائش کے لئے پیش کی گئی) قبول کر لی ..... اس پر سنجیدگی کے ساتھ غور وخوض کیے بنا ہی..... ایسا غور وخوض جو میں ان فلموں کے حوالے سے کرنے کا عادی تھا جن کی پیش کش مجھے کی جاتی تھی..... میں نے اس فلم کو ایک سپرہٹ اور کامیاب فلم بنانے کے لئے ان تھک کام کیا تاکہ میں اس شخص کو ملک کے کامیاب فلمسازوں کی صف میں ایک نمایاں مقام دلا سکوں اور اس کی سختی اور مشکلات کے دور کا خاتمہ ہو سکے..... اس کے جواب میں اس نے مجھ پر جھوٹے الزامات عائد کیے.....

میں ان لوگوں میں سے ہوں جو ضرورت پڑنے پر انصاف کے حصول کے لئے لڑنے کے حوالے سے بے تحاشہ مصائب اور تکالیف برداشت کر سکتے ہیں..... مجھے اس ناشکرے شخص نے اس قدر اشتعال دلایا کہ میں نے تمام پیچیدہ قوانین کا مطالعہ کیا جو ٹیکس کے حوالے سے اس ملک میں رائج تھے اور اس معاملے میں میرے عزیز دوست نارینڈر کمار سالوو (جو عام طور پر این۔ کے۔ پی سالوو کہلاتا ہے) نے میری مدد کی..... وہ اس میدان میں پیشہ وارانہ طور پر ماہر ہے..... جو 1980ء کی دہائی کے آغاز میں یونین منسٹر بنا تھا.....

1970ء کی دہائی کے وسط میں اس صورت حال کے تخلیق ہونے تک..... سالوو صاحب اور میں انڈین کرکٹ کے شاندار مستقبل کے حوالے سے بات چیت کرنے سے لطف اندوز ہوتے تھے..... سالوو اپنے کالج کے زمانے میں کرکٹ کا ایک پرجوش کھلاڑی تھا اور میں بھی ایسا ہی تھا..... ہم نے اپنی شامیں دل آویز اور دلکش کرکٹ کلب آف انڈیا (سی سی آئی) اور بمبئی جیمخانہ میں کچھ عمدہ میچوں کی یاد تازہ کرتے ہوئے اور ان پر تبادلہ خیال کرتے ہوئے گزاریں جو ہم اپنی نوجوانی میں میدان میں شاندار کھلاڑیوں کے ساتھ دیکھ چکے تھے.....

1980ء تک سالوو انڈیا میں بورڈ آف کنٹرول فار کرکٹ (بی سی سی آئی) کا صدر بن چکا تھا اور وہ بطور ایک حقیقی محبِ وطن اور کھیلوں کا شیدائی انڈیا کا ایک روزہ عالمی کپ جیتنے کا خواب دیکھ رہا تھا ..... 1983ء میں اس کا خواب سچ ثابت ہوا.....

میں جانتا تھا کہ پیشے کے اعتبار سے سالوو ایک چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ تھا لیکن ہم دونوں میں سے کسی نے کبھی یہ سوچا تک نہ تھا کہ ہم دونوں ایک دن ایک قانونی لڑائی لڑنے کے لئے سر جوڑ کر بیٹھیں

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

گے..... بطور ایک دوست اور بہی خواہ..... سالووصاحب میرے ساتھ کھڑے تھے اور مجھے حوصلہ دے رہے تھے اور برابر میرا حوصلہ بڑھا بھی رہے تھے اور ٹیکس ٹربیونل کو قائل کرنے کے حوالے سے کامیابی کا یقین دلا رہے تھے کہ میں ٹیکس چور نہ تھا اور نہ ہی میں قانون توڑنے والا تھا.....

سالووصاحب کے اہل اور ممتاز بیٹے ہریش نے اس صدمے کا مفصل تذکرہ کیا ہے جس کے صدمے سے مجھے جبراً دوچار کیا گیا تھا اور جو صدمہ میں نے چھ برس کے طویل عرصے تک برداشت کیا تھا اور اس صدمے کے اثرات ہنوز میرے ذہن پر ثبت ہیں..... وہ لوگ جو اس کتاب کے دوسرے حصے میں ہریش کا تذکرہ پڑھیں گے وہ نہ صرف میرے ذہنی طور پر ہراساں ہونے کا بخوبی تصور کرسکیں گے بلکہ سالووصاحب..... پروہت جی..... اور جی این جوشی جیسے اچھے لوگوں کی اچھائی کو بھی بخوبی محسوس کرسکیں گے..... یہ لوگ خدا کے اچھے بندے ہیں جو اس نے میری مدد کے لئے بھیجے تھے تاکہ میں اپنی دیانت داری ثابت کرسکوں اور اپنا وقار بحال کرسکوں.....

میں چھ برس تک اپنے زخم کی مرہم پٹی میں مصروف رہا..... پانچ برس تک میں ملک بھر میں اسکرین سے غیر حاضر رہا جسے میرے پرستاروں نے بے حد محسوس کیا..... میں ان اسکرپٹ پر بھی خاطر خواہ توجہ نہ دے سکا جو میں نے اپنے اور سائرہ کے لئے لکھے تھے اور ہم ان فلموں میں نمایاں کردار ادا کرنا چاہتے تھے جو میں بنانا چاہتا تھا..... ان میں سے اہم ترین اسکرپٹ ''کشمیر ویلی'' تھا جسے میں نے سائرہ کے لئے تحریر کیا تھا کہ وہ ہماری شادی سے قبل اس میں بطور شریک اداکارہ میرے ساتھ اداکاری کرے گی..... میں نے اسے ''بیراگ'' کے بعد پروڈیوس کرنے کی بابت سوچا تھا..... دیگر اسکرپٹ میں ''کالی سارسن'' شامل تھا جسے بھی میں نے سائرہ کو اپنے ذہن میں رکھتے ہوئے تحریر کیا تھا..... اس کے علاوہ میں نے ''کالا آدمی'' اور ''بابا جان'' نامی اسکرپٹ بھی تحریر کئے تھے..... میں نے جبار پٹیل کے ساتھ بے شمار اجلاس کئے تھے جسے میری خواہش تھی کہ ''بابا جان'' کی ہدایت کاری کے فرائض سونپے جائیں، میرے پراجیکٹوں کے لئے سرمایہ کار سرمایہ کاری کرنے کے لئے تیار تھے.....

اس دوران منوج کمار میرے پاس ''کرانتی'' کے آئیڈیا کے ساتھ آیا..... میں ایک ابتدائی باب میں پہلے ہی یہ وضاحت پیش کرچکا ہوں کیوں اور کیسے میں پورا اسکرپٹ پڑھے بغیر ہی ''کرانتی'' میں کام کرنے کے لئے آمادہ ہوا تھا.....

1981ء میں ''کرانتی'' کے نمائش کیلئے پیش ہونے تک..... میرے اندر ایک مرتبہ پھر یہ خواہش بڑے زور وشور کیساتھ سر اٹھا رہی تھی کہ میں اپنے اداکاری کے کیریئر کو پردے کے پیچھے چھپا کر چھٹیاں گزارنے چلا جاؤں..... تاہم قسمت کو کچھ اور ہی منظور تھا..... سجاش غائی میرے پاس ''ودھاتا'' کی کہانی کیساتھ آئے..... انہوں نے چند مرتبہ میرے ساتھ ملاقاتیں کیں اور ان کے خلوص نے مجھے متاثر کیا..... وہ دیانتدار تھے..... اُنکی سابقہ فلم کامیابی سے ہمکنار نہ ہوسکی تھی اور انہوں نے کہا کہ انہیں امید تھی کہ انہیں جو دھچکا لگا تھا وہ اُنکی مستقبل کی کامیابی کیلئے ایک سنگ میل ثابت ہوگا..... مجھے اُنکا خوش امیدی پر بنیاد کرتا ہوا جوش وجذبہ پسند آیا..... موضوع دلچسپ تھا اور میرے اندر چھپے اداکار کو کچھ اچھا کام کرنے کا موقع فراہم کرتا تھا..... اس سے بڑھ کر جو کچھ تھا وہ یہ تھا کہ ''کرانتی'' میں میرے کردار کی مانند..... ''ودھاتا'' میں کردار ایک عام سا کردار تھا..... ریلوے کا ایک انجن ڈرائیور..... جو بطور ہیرو اسکرین پلے کا محور بن جاتا تھا.....

©جملہ حقوق بحق ادارہ اُردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

جس وقت ہم نے ''ودھاتا'' پر کام ختم کیا..... ہم اس کی تکمیل کے شیڈول سے بھی آگے جا رہے تھے اور سجاش خوشی اور مسرت سے اس طرح دیوانے ہو رہے تھے جیسے اسکول کا ایک لڑکا ایک اچھا رپورٹ کارڈ موصول کرنے پر خوشی اور مسرت سے دیوانہ ہوتا ہے..... اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ انڈسٹری میں ان کے کچھ دوستوں نے انہیں بتایا تھا کہ دلیپ کمار کے ساتھ فلم اس کی تمام نوجوانی اور توانائی سلب کرے گی اور جب فلم مکمل ہوگی تب وہ ایک بوڑھا شخص ہوگا..... لیکن جو کچھ رونما ہوا تھا وہ اس کے عین برعکس تھا..... اس کے نام نہاد خیر خواہوں نے مجھے ایک عفریت بنا کر پیش کیا تھا جو اسے تباہ و برباد کر دے گا..... اس نے مجھ پر اس کا انکشاف فلم کے لئے آخری شیڈول کے آخری دن کیا..... میں نے ہنستے ہوئے کہا کہ اس سے ایسے ہی سبق سیکھنا چاہئے کہ میرے بارے میں اسے جو کچھ کہا جائے اسے اس پر سوچے سمجھے بغیر یقین نہیں کر لینا چاہیے.....

اس وقت سجاش کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی جب فلم 1982ء کی ایک کامیاب اور کاروبار کے لحاظ سے چوٹی کی فلم ثابت ہوئی..... یہ ہمارے درمیان ایک دیرپا دوستی کا آغاز تھا اور میرے لئے یہ ممکن ہوا کہ میں دو مزید فلموں میں کام کر سکوں..... ''کرما'' (1986ء) اور ''سوداگر'' (1991ء)..... جن کی ہدایت کاری اس نے سرانجام دی.....

سجاش جب ''کرما'' کے لئے میرے پاس آئے..... وہ خائف تھے کہ میں زیادہ معاوضے کا مطالبہ کروں گا کیونکہ ''ودھاتا'' نے کامیابی کے جھنڈے گاڑے تھے..... کچھ دیر تک اِدھر اُدھر کی بات کرنے کے بعد..... وہ مطلب کی بات پر آئے.....

چونکہ ہمارے درمیان اس وقت تک دوستی کا رشتہ استوار ہو چکا تھا اور سجاش میری جانب بطور ایک بڑا بھائی دیکھ رہا تھا..... میں نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسے بتایا کہ اسے جنس کی منڈی کے ایک تاجر کی مانند بات نہیں کرنی چاہیے بلکہ اسے ایک ہدایت کار کی مانند بات کرنی چاہیے..... اس نے مجھے بتایا کہ یہ محض انڈسٹری کا رواج تھا جس کی وہ پیروی کر رہا تھا..... میں نے یقیناً اس کی اس بات سے اتفاق کیا لیکن اس کے ساتھ ساتھ میں نے اسے یہ بھی باور کروایا کہ میں اس رواج کا حصہ بننے پر خوش نہ تھا..... اس کے بعد ہم دونوں دل کھول کر ہنسے اور ہمارے بندھن کو مزید مضبوطی میسر آئی.....

جب سجاش ''سوداگر'' کے بارے میں میرے ساتھ بات کرنے میرے گھر آیا اور اس نے مجھے اس دلچسپ پلاٹ کے بارے میں مختصر طور پر بتایا جو دو گہرے دوستوں کے گرد گھومتا تھا جسے وہ فروغ دے رہا تھا..... میں نے محسوس کیا کہ اس کے ذہن میں کچھ نہ کچھ چل رہا تھا اور وہ اس لمحے کے انتظار میں تھا جس لمحے وہ اسے کہہ سکے جو کچھ اس کے ذہن میں موجود تھا..... وہ اس لمحے اس کی زبان پر آ گیا جب وہ رخصت ہونے کے قریب تھا..... اس نے کسی قدر پریشان ہوتے ہوئے مجھے بتایا کہ اس کے ذہن میں راج کمار تھا جسے وہ میرے دوست کا کردار دینا چاہتا تھا جو ایک ڈرامائی موڑ پر پلاٹ کے ایک انتہائی نازک مقام پر میرا دشمن بن جاتا تھا..... صاف ظاہر تھا..... وہ مجھ سے ناموافق ردعمل کی توقع کر رہا تھا..... میں نے اسے یہ بتاتے ہوئے اس کے ذہن کو سکون سے ہمکنار کیا کہ مجھے راج کے ساتھ کام کرتے ہوئے خوشی محسوس ہوگی اور میں نے اس کی محبت سے بے حد لطف اٹھایا تھا جب کبھی وہ ''پیغام'' (1959ء) کے سیٹوں (Sets) پر ہوتا تھا..... اس کے ساتھ ساتھ میں نے اسے یہ مشورہ بھی دیا کہ وہ راج سے پوچھ لے کہ کیا وہ میرے ساتھ کام کرنے کے عمل کو خوش آمدید کہے گا..... شرارت سے مسکراتے ہوئے..... سجاش نے کہا وہ پہلے ہی راج سے بات کر چکا تھا..... جو میرے ساتھ کام کرنے کا منتظر تھا.....

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

مجھے اس بات کی خوشی تھی..... سجاش بھی آؤٹ ڈور شوٹنگ کو اسی طرح پسند کرتا تھا جس طرح میں پسند کرتا تھا اور اس نے فلم کے لئے دل آویز اور دل کش لوکیشنوں کا انتخاب کیا تھا..... اس کا یہ انتخاب نہ صرف گانوں کے حوالے سے تھا بلکہ ڈرامیٹک کے تسلسل کے حوالے سے بھی تھا.....

''سوداگر'' کیلئے اس نے کولو وادی کا انتخاب کیا تھا جو ہماچل پردیش میں واقع تھی..... اس وادی کی لوکیشنوں نے فلم پر وہ مثبت اثرات کئے جو ایسی صورت میں فلم پر مرتب نہ ہو سکتے تھے اگر اس کی اِن ڈور شوٹنگ کی جاتی..... ہماچل میں طویل شیڈول کے بعد ہم مہابلیشور (مہاراشٹر میں ایک پہاڑی مقام) چلے آئے..... یہ ایک طویل پکنک کی مانند تھا اور اس کیلئے سجاش تعریف کا مستحق تھا کہ وہ اپنے اداکاروں کی ضروریات کو سمجھتا تھا اور ایسی میزبانی کا مظاہرہ کرتا تھا جو چند فلمساز ہی کرتے ہیں.....

''سوداگر'' کی تمام تر فلمسازی کے دوران ذرائع ابلاغ چوکنے اور ہوشیار رہے تھے..... وہ میرے اور راج کے درمیان کسی قسم کے اختلاف یا انتشار کی بو سونگھنا چاہتے تھے..... کیونکہ راج کے مزاج کے حوالے سے بہت سی احمقانہ کہانیاں گشت کر رہی تھیں..... کئی انداز سے..... راج اپنے دور کے ہم جیسے بہت سے اداکاروں سے مختلف واقع ہوا تھا.....

''سوداگر'' کی شوٹنگ کے دوران..... اس نے اصرار کیا کہ دو بھاری گاڑیاں آرٹ ڈائریکٹر اور کیمرہ مین شوٹنگ کیلئے نشاندہی کردہ مقامات تک اس کے پیچھے پیچھے چلیں..... راج اکیلا ایک گاڑی میں بیٹھا اور کوئی ملازم اس کے ہمراہ نہ تھا جب کہ اس کی گاڑی کے پیچھے چلنے والی گاڑیوں میں اس کیلئے اور تمام تر فلم کے لئے تخلیق کردہ ملبوسات تھے اور ان کے ہمراہ ایک ملازم تھا جو سوٹ کیسوں اور ٹرنکوں کا انچارج تھا جن میں اس قسم کی اشیاء تھیں جیسے ملبوسات..... جوتے اور وگیں وغیرہ..... اس وطیرے نے مجھے اور دیگران کو حیران کر دیا اور اس کی پیٹھ پیچھے مختلف قسم کی باتیں ہوتی رہیں..... سجاش نے اس کا برا نہ منایا اور اپنے معاونین کو ہدایات دیں کہ وہ یقین دہانی حاصل کریں کہ روزانہ گاڑیاں تیار رہیں اور ملبوسات اور لوازمات کی آمد و رفت عین اسی طرح جاری رہے جس طرح راج خواہش کرتا تھا.....

ایک شام مہابلیشور میں..... کیمرہ مین..... اس کے معاونین تمام نوجوان لڑکے بے حد پریشان تھے کیونکہ راج حقیقی لوکیشن سے لاپتہ تھا اور انہوں نے اسے ایک اونچی اور ڈھلوانی چٹان کے انتہائی سرے پر کرسی پر براجمان دیکھا تھا..... اگر وہ کرسی سے ایک قدم آگے بڑھاتا تب وہ نیچے تاریک اور گہری کھڈ میں گر سکتا تھا..... لڑکے بھاگتے ہوئے سجاش کے پاس آئے اور بقایا ہم سب شوٹنگ کے مقام پر آرام دہ انداز میں بیٹھے ہوئے تھے اور لڑکے جو کچھ دیکھ چکے تھے وہ انہوں نے ہمیں بتایا۔

سجان نے مجھ سے درخواست کی کہ میں اس کے ہمراہ اس مقام تک چلوں جہاں پر راج براجمان تھا..... ہم خاموشی کے ساتھ اس تک جا پہنچے اور اسے باتوں میں مشغول کر لیا..... خوش قسمتی سے وہ ہمیشہ میرے ساتھ دوستانہ انداز سے پیش آتا تھا..... لہٰذا میں زیادہ تردد کئے بنا ہی اسے شوٹنگ لوکیشن پر واپس لانے میں کامیاب ہو گیا.....

راج..... اس کے بارے میں مَیں محسوس کر سکتا تھا کہ وہ سوچ بچار کرنے والا ایک فرد تھا..... وہ اکثر اکیلا رہنے کو ترجیح دیتا تھا..... غالباً وہ اپنے ذہن میں ابھرنے والی سوچوں میں غرق رہنا چاہتا تھا..... وہ کتب کا مطالعہ بھی کرتا تھا اور ان کا مواد میرے ساتھ زیر بحث لاتا تھا..... لیکن وہ ایسا اس وقت کرتا تھا جب وہ موڈ میں ہوتا تھا..... وہ میرے ان دوستوں میں شامل تھا جو سائرہ کے ساتھ میرے نکاح والے دن جلد میرے گھر آن پہنچے تھے..... جب سائرہ اور میں نے اپنی شادی کی سالگرہ کی سلور جوبلی کی

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

تقریب میں اسے مدعو کیا..... وہ تقریب میں شرکت کرنے کے لئے اپنی بیوی کے ہمراہ آیا لیکن فلمی شخصیات کے بہت بڑے اجتماع کو دیکھتے ہوئے ہم سے ملاقات کئے بنا ہی بڑی خاموشی کے ساتھ واپس چلا گیا..... وہ غالباً دوسروں کے ساتھ گڈ مڈ ہونے میں کوئی دلچسپی نہ رکھتا تھا..... اس نے ہمارے لئے تحفہ چھوڑا تھا جو چاندی کی ایک پلیٹ تھی جس پر یہ پیغام کندہ تھا:.....

''لالہ اور لالہ کی جان کے لئے..... بہت خوشی ہوئی..... بہت بہت مبارکباد۔''

اس مرحلے پر میں نے جن فلموں کا انتخاب کیا..... خواہ وہ ''کرانٹی'' یا ''ودھاتا'' یا ''شکتی'' (1982ء) یا ''کرما'' یا ''سوداگر'' یا ''مشال'' (1984ء) تھی..... ان کا انتخاب محض اس لئے کیا گیا تھا کیونکہ انہوں نے مجھے اسکرپٹ میں طمانیت بخش مرکزی کردار پیش کیا تھا..... ''کرانٹی'' اس دور کی عکاسی کرتی تھی جو انڈیا کی آزادی کی جدوجہد کا دور تھا اور عام آدمی کے دل میں بھی حب الوطنی کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر موجود تھا جو اپنی زندگی میں کسی پھر چیز سے بڑھ کر اپنی آبائی سرزمین سے محبت کرتا تھا..... لیکن بقایا فلموں کا انتخاب میں نے اس لئے کیا تھا کیونکہ ان میں مخالفت کے خلاف ہمت اور جرأت کا مظاہرہ بنیادی تھیم تھا..... میں نے محسوس کیا کہ میں ان کرداروں کو متاثر کن اور ناقابل فراموش بنا سکتا تھا.....

''شکتی'' کی بنیادی تمہید نے میرے ذوق تجسس کو راغب کیا تھا..... جو عام افراد کی سوچوں کو دھرم کے اخلاقی اصولوں پر عمل کرنے پر ابھارتی تھی..... یہ سلیم خان تھا جس نے مجھے کہانی سنائی تھی.....

سلیم خان سے میری علم میں یہ بات آئی تھی کہ رمیش سپی ہدایت کاری کے فرائض سرانجام دے گا..... میرے رامیش کے باپ جی۔ پی۔ سپی کے ساتھ قریبی تعلقات تھے..... جو اس وقت میرا اتحادی تھا جب میں نے ان مسائل کو حل کرنے کے کی کوشش کی تھی جو میرے ساتھی پروڈیوسر کے ایسوسی ایشن کے ساتھ تھے..... انڈین موشن پکچر پروڈیوسرز ایسوسی ایشن (آئی ایم پی پی اے)..... جس کا وہ کئی برس تھا صدر رہا تھا..... تاہم بنیادی طور پر مجھے یقین نہ تھا کہ کیا میں رامیش کی ہدایت کاری کے تحت آرام دہ محسوس کروں گا کیونکہ میں اسے بمشکل ہی جانتا تھا ماسوائے اس مختصر سی علیک سلیک کے جس کا تبادلہ اس کے باپ کے گھر میں ہوا تھا..... میں نے اپنے تمام تر کیریئر کے دوران محض ان ہدایت کاروں کے ساتھ کام کیا تھا جن کے ساتھ میرے قریبی ذاتی تعلقات تھے.....

جب رامیش کے ساتھ میری ملاقات ہوئی اور اس کے ساتھ میری طویل گپ شپ ہوئی تب میرا شک فی الفور رفع ہو گیا اور فوری اعتماد میں ڈھل گیا..... اس گپ شپ کے دوران اس نے انکشاف کیا کہ وہ توازی ہیرو کے طور پر امیتابھ بچن کو کاسٹ کرنا چاہتا تھا..... میرے خیال میں اس کردار کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی اداکار موجود نہ تھا..... لہٰذا میں نے رامیش کو مبارکباد دی..... جب فلم کی کاسٹ کا اعلان کیا گیا تب ذرائع ابلاغ کی توجہ اور قیاس آرائیاں اپنے عروج پر تھیں.....

مہورت دیکھنے کے لئے ھوہو (بمبئی میں) کے مقام پر ساحل سمندر پر بے شمار پرستار بھی آن پہنچے تھے تاکہ جو کچھ ہونے جا رہا تھا اس کی ایک جھلک دیکھ سکیں..... میں اس وقت رامیش کے چہرے پر خوشی اور ولولہ دیکھ سکتا تھا جب وہ میرا اور امیتابھ بچن کا ایک سین فلما رہا تھا.....

©جملہ حقوق بحق ادارہ اُردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔

(C)-www.UrduPoint.com itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

''شکتی'' اور ''مشال'' کی جس میں میں نے ایک برس بعد کام کیا تھا کی قدر مشترک ان کرداروں کی دیانت داری اور جرأت تھی جو میں نے ادا کئے تھے..... دونوں فلمیں ایسے سلسلوں کی حامل تھیں جو لوگوں کی یادداشت پر ثبت ہو گئے تھے اور ہدایت کاروں اور اداکاروں کے لئے حوالہ جاتی نکات بن گئے تھے.....

''شکتی'' میں یہ وہ سلسلہ تھا جہاں افسر کی بیوی (ذہین راکھی نے یہ کردار ادا کیا تھا) مجرموں کے ہاتھوں قتل ہو جاتی ہے اور وہ اس کے بے جان جسم کے پاس کھڑا ہو کر بے تکی باتیں کرتا ہے اور نتیجے کے طور پر آنے والا سلسلہ جس میں وہ اس وقت ٹوٹ پھوٹ جاتا ہے جب اس کا جدا ہونے والا بیٹا اپنی اس ماں کا آخری درشن کرنے کے لئے گھر میں داخل ہوتا ہے جس سے وہ بے تحاشہ پیار کرتا تھا.....

''مشال'' میں ..... اس سلسلے کی فلمبندی رات کے وقت ویران اور سنسان سڑک پر بارش برسنے کے دوران کی گئی تھی..... جس میں ایماندار صحافی ونود کمار (یہ کردار میں نے ادا کیا تھا) گزرتی ہوئی گاڑیوں کو روکنے کی کوشش کرتا ہے تاکہ موت کے منہ میں جاتی ہوئی اپنی بیوی کو اسپتال لے جا سکے..... لیکن بے سود.....

دونوں سلسلے میرے جذبات کی عکاسی کرتے تھے..... جیسا کہ ابتدائی باب میں تذکرہ کیا گیا تھا..... میں نے اس وقت آغا جی کے چہرے پر دکھ اور درد کے گہرے سائے دیکھے تھے جب میرے بھائی ایوب صاحب نے آخری سانس لیا تھا اور آغا جی کی جانب سے فوری طبی امداد کے لئے اس وقت مجبور اور لاچار فریاد جب اماں کی سانس کی آمد و رفت متاثر ہونے کی وجہ سے ان کا جسم آغا جی کے بازوؤں میں جھول گیا تھا..... یہ وہ عکس تھے جو میرے تحت الشعور سے ابھرے تھے اور وہ سین فلمانے میں میرے معاون ثابت ہوئے تھے.....

میں ''مشال'' کی شوٹنگ میں مصروف تھا..... اس دوران میں بخار کے عارضے میں مبتلا ہو چکا تھا..... ہدایت کار یاش چوپڑا نے مجھ سے پوچھا کہ کیا میں شوٹنگ کے لئے تیار تھا..... میں نے اسے بتایا کہ میں تاج پیلس میں اپنے کمرے میں واپس جانا چاہوں گا جو میں نے اس لئے حاصل کر رکھا تھا کہ روزانہ باندرا سے لوکیشن پر آنے جانے کے وقت میں بچت ممکن ہو سکے..... مجھے آرام کی ضرورت تھی اور میں نے یاش کو بتایا تھا کہ میں تمام ترسین کی فلمبندی ایک ہی مرتبہ کروا دوں گا..... میں نے اپنا وعدہ پورا کیا اور تیسرے دن میں نے کسی رکاوٹ کے بغیر تمام ترسین کی فلمبندی مکمل کروا دی.....

جب ہم نے کام ختم کیا..... اس وقت رات کافی زیادہ بیت چکی تھی اور میں اپنے اردگرد کے لوگوں کی آنکھوں میں نمی دیکھ سکتا تھا اور پراسرار خاموشی چھائی ہوئی تھی ..... ایک یا دو سیکنڈ تک مجھے پریشانی لاحق رہی..... یاش میرے پاس آیا اور میں محسوس کر سکتا تھا کہ وہ جو کچھ کہنا چاہتا تھا کہہ نہیں پا رہا تھا کیونکہ وہ جذبات سے مغلوب تھا..... چند لمحوں کے بعد..... ہر کوئی پرسکون ہو چکا تھا اور تعریف کے ڈنکے بج رہے تھے..... ایک اداکار کے لئے اس کے ساتھیوں کی حقیقی تعریف سے بڑھ کر کوئی انعام نہیں ہوتا..... اب یاش بھی بات کرنے کے قابل ہو چکا تھا اور اس نے مجھ پر انکشاف کرتے ہوئے کہا کہ اسے ایک ایسے موضوع کے ساتھ مجھ تک رسائی حاصل کرنے میں تین عشرے لگے تھے جس کے بارے میں وہ محسوس کرتا تھا کہ میں انکار نہیں کروں گا.....

جیسا کہ پہلے تذکرہ کیا جا چکا ہے..... یاش کے ساتھ میری دوستی کا آغاز نیا دور (1957ء) کی پروڈکشن کے دوران ہوا..... وہ اپنے بھائی بی۔ آر۔ چوپڑا صاحب کی معاونت کر رہا تھا..... وہ

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

نوجوان تھا اور ہدایت کاری سیکھنے کا مشتاق بھی تھا اور چونکہ وہ سینئر چوپڑا سے کافی زیادہ چھوٹا تھا..... لہٰذا وہ اپنے بھائی کی ہدایات کو بغور سنتا تھا اور تابعداری کے ساتھ ان پر عمل بھی کرتا تھا..... اسے جو ہدایات دی گئی تھیں ان میں سے ایک ہدایت یہ بھی تھی کہ وہ میرا خیال رکھے اور میری دیکھ بھال کرے..... لہٰذا وہ پہلی مرتبہ میرے ساتھ ملاقات کرنے کے لئے میرے گھر آیا اور اسے یہ ہدایات کی گئی تھی کہ وہ مجھ سے دریافت کرے کہ مجھے پونا لے جانے کے لئے گاڑی کب بھیجی جائے جہاں اولین شیڈول کا آغاز ہونا تھا ..... اس نے مجھے بتایا کہ میری سواری کے لئے لیموزین فراہم کی جائے گی اور وہ ایک چھوٹی گاڑی میں میرے پیچھے پیچھے روانہ ہوگا تاکہ اگر مجھے کسی چیز کی ضرورت ہو تب وہ میرے اس قدر قریب ہوگا کہ میری ضرورت کی بخوبی تکمیل کر سکے..... میں نے اس سے استفسار کیا کہ کیا میں اس کے ساتھ اس کی گاڑی میں سفر کر سکتا تھا کیونکہ میں ایک دوسری گاڑی میں تنہا سفر نہیں کرنا چاہتا تھا..... اگرچہ یاش میری بات سن کر حیران رہ گیا لیکن وہ مان گیا.....

پونا تک کا سفر ایک حیران کن سفر تھا اور اس سفر سے ہمارے درمیان ایک طویل اور حقیقی دوستی کا آغاز ہوا..... ہمارے علم میں آیا کہ ہماری بہت سی دلچسپیاں مشترک تھیں..... خوراک بھی ان میں سے ایک تھی.....

1970ء کی دہائی کے آغاز میں..... جب یاش نے اپنا کام شروع کیا اور بطور ایک آزاد اور خودمختار پروڈیوسر اور ہدایت کار اپنے اثرات ثبت کرنے کا آغاز کیا..... میں اکثر بمبئی میں راج کمار اسٹوڈیوز میں اس سے ملاقات کیا کرتا تھا جہاں اس کا چھوٹا سا دفتر واقع تھا اور اس دفتر میں اس نے اپنی زیادہ تر فلموں کی منصوبہ بندی کی تھی..... یہ دفتر ایک اسٹور کا کام بھی کرتا تھا اور اس میں شوٹنگ وغیرہ میں استعمال ہونے والا ہر قسم کا ساز و سامان بھی موجود ہوتا تھا اور ٹین کے بڑے بڑے ڈبے بھی موجود ہوتے تھے جن میں فلمبندی کے لئے ریلیں موجود ہوتی تھیں..... وہ درمیان میں ایک چھوٹی میز کے پیچھے براجمان ہوتا تھا..... وہ ٹفن کیریئر کھولتا تھا اور اپنے گھر سے بھیجا گیا کھانا میز پر رکھتا تھا اور ٹفن کیریئر میں سے ہی جلدی جلدی کھانا شروع کر دیتا تھا.....

دیگر نوجوانوں کی مانند اس کے بھی کچھ خواب تھے..... لیکن یاش کی غیر معمولی خصوصیت یہ تھی کہ وہ اپنے خوابوں کی تعبیر پانے کے لئے قرار واقعی جستجو کرتا تھا..... یہ اس کا خواب تھا کہ وہ ایک ایسا اسٹوڈیو بنائے جیسے اسٹوڈیوز وہ ہالی وڈ اور برطانیہ میں دیکھ چکا تھا..... یہ اس کی خواہش کی تکمیل کا ایک عظیم لمحہ تھا جب یاش نے اپنے ذاتی یاش راج اسٹوڈیوز سے کام کرنے کا آغاز کیا تھا..... اس نے اسٹوڈیو کا افتتاح کرنے کے لئے مجھے مدعو کیا تھا اور یہ میرے اور سائرہ کے لئے بے حد خوشی کا موقع تھا اور اس کا جوش..... جذبہ اور ولولہ دیکھ کر ہماری خوشی میں بے پناہ اضافہ ہوا تھا.....

ہماری ملاقات اکثر ہوتی رہتی تھی اور جب کبھی وہ اپنی گہری ترین سوچیں میرے ساتھ شیئر کرنا چاہتا تھا ..... وہ کسی ہچکچاہٹ کے بغیر مجھے ایک دوست کی بجائے ایک بھائی کی حیثیت سے ٹیلی فون کرتا تھا.....

یہ میرے لئے ایک خوشگوار حیرانی تھی جب وہ ایک شام میرے گھر آیا اور مجھے ''مشال'' کا اسکرپٹ تھماتے ہوئے کہا کہ جاوید اختر نے یہ کردار آپ کو ذہن میں رکھتے ہوئے تخلیق کیا تھا..... وہ درست موضوع کے لئے برسوں انتظار کرتا رہا تھا کہ وہ کوئی ایسی چیز پا سکے جو وہ میرے پاس لا سکے..... رخصت ہونے سے پہلے اس نے بڑبڑاتے ہوئے کہا:.....

میں نے جب اسکرپٹ پڑھنے کا آغاز کیا کہ ونود کمار جو ایک صحافی تھا اس کا کردار میرے

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

مزاج کے عین مطابق تھا لہٰذا میں نے اسے اور کرنے کی حامی بھر لی۔

باب نمبر 25

فیملی معاملات

(Family Matters)

"۔۔۔۔۔میں نے جو پہلا مقصد وضع کیا تھا اس کی تکمیل اس وقت ہوئی جب میں اپنے آپ کو اپنے پیشے میں محفوظ بنانے کا ہدف حاصل کر چکا تھا اور اپنے کام کی بدولت شہرت کما چکا تھا ۔۔۔۔۔میرا دوسرا مقصد اپنے بہن بھائیوں کو ان کی من مرضی کے میدانوں میں بہترین تعلیم دلانا تھا .....خواہ وہ انڈیا میں ممکن ہو یا بیرون ملک ممکن ہو.....اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ ان میں سے ہر ایک اپنی انفرادی ذہانت اور کامیابی کے حصول کے لئے امکانی قوت کا مالک تھا، انہیں جس چیز کی ضرورت تھی .....اور میں نے اس ضرورت کو محسوس بھی کیا تھا.....وہ تحریک اور سہولیات تھیں۔"

مجھ سے ایک سوال اتنی زیادہ مرتبہ پوچھا گیا کہ میں شمار نہیں کر سکتا کہ یہ سوال مجھ سے کتنی مرتبہ پوچھا گیا تھا..... یہ سوال نہ صرف مجھ سے ذرائع ابلاغ کے لوگ پوچھتے تھے بلکہ وہ دوست بھی پوچھتے تھے جو زندگی کے سفر میں میرے قدم سے قدم ملا کر چلتے رہے تھے۔

سوال یہ ہے کہ کیا مجھے کسی ایسی چیز کے حوالے سے افسوس ہے جو میں زندگی سے کشید نہ کر سکا.....

میں اس سوال کا جواب دینے سے باز رہا اس کی جزوی وجہ یہ ہے کہ میں اس امر پر یقین رکھتا ہوں کہ بطور یوسف خان ..... مجھے اپنی پرائیویسی قائم رکھنے کا حق حاصل ہے اور اپنی زندگی کے کچھ واقعات لوگوں کی نظروں سے اوجھل رکھنے کا بھی حق حاصل ہے۔

وہ تمام لوگ جو مجھے جانتے ہیں وہ بھی اس امر کی گواہی دیں گے.....میں بات چیت کے دوران اپنی ذاتی زندگی کا انکشاف نہیں کرتا.....میں اکثر قریبی لوگوں کے مختصر سے سماجی اجتماعات میں موجود رہا ہوں جہاں پر لوگ اپنی "فتوحات" کی داستانوں کے ساتھ منظر عام پر آتے تھے اور وہ عورتیں جن کے ساتھ ان کے تعلقات رہے تھے ان کا تذکرہ بڑے فخر و ناز کے ساتھ کرتے تھے.....میں اس قسم کی گفتگو کرنے سے ہمیشہ باز رہا اور اس پر قدغن لگانے کی کوشش کی.....

یہ درست ہے میری زندگی کا ایک واقعہ جسے میں فراموش کر دینا چاہوں گا اور جسے ہم نے یعنی سائرہ اور میں نے درحقیقت فراموش کر دیا ہے اور وہ ایک سنگین غلطی ہے جو میں نے دباؤ کے تحت کی اور وہ ایک خاتون کے ساتھ ملوث ہونے کی غلطی تھی جس کا نام عاصمہ رحمان تھا جس کے ساتھ میری ملاقات حیدر آباد (آندرہ پردیش) میں ایک کرکٹ میچ کے دوران ہوئی تھی اس وقت وہ اپنے خاوند کے ہمراہ وہاں پر رہائش پذیر تھی.....وہ اس وقت تین بچوں کی ماں تھی جب وہ بطور ایک پرستار میرے ساتھ متعارف ہوئی تھی اور وہ دیگر سراہنے اور تعریف کرنے والوں کی مانند دکھائی دیتی تھی.....جن سے میری بہنوں فوزہ اور سعیدہ نے مجھے متعارف کروایا تھا.....وہ میری بہنوں کی دوست تھی.....

©جملہ حقوق بحق ادارہ اُردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

میری بہنوں کو اکثر خواتین سے یہ درخواستیں موصول ہوتی رہتی تھیں کہ وہ مجھ سے ملنا چاہتی تھیں..... میں ایسے تعارفوں کا عادی تھا اور میں ہمیشہ ایسے لوگوں کے ساتھ گرمجوشی سے پیش آتا تھا جنہیں میرے بھائی گھر میں مدعو کرتے تھے یا ان نوجوان خواتین کے ساتھ بھی گرمجوشی سے پیش آتا ہے جنہیں میری بہنیں گھر میں مدعو کرتی تھیں۔

تاہم اس صورت حال میں میں نا آشنا ہی رہا اور چشم پوشی ہی کرتا رہا کہ معاملہ کس جانب جا رہا تھا..... ایک مرتبہ نہیں بلکہ اکثر مرتبہ میں حیران رہ جاتا تھا کہ یہ خاتون اور اس کا خاوند اس وقت کہاں سے آن ٹپکا تھا جب میں بمبئی کے مختلف مقامات پر ہوتا تھا وہ نمودار ہو کر مجھ سے سلام دعا لیتے اور میرے ساتھ چمٹے رہتے ..... عجیب وغریب بات یہ تھی کہ وہ میرے سفری منصوبوں سے بخوبی آگاہ ہوتے تھے.....

1982ء میں جب یہ خبر پھیلی کہ میں نے عاصمہ سے شادی کر لی تھی اور سائرہ نے یہ سنسنی خیز اور ہیجان خیز خبر پڑھی..... اسے تسلی دینے میں مجھے کافی زیادہ وقت کا سامنا کرنا پڑا تھا کیونکہ وہ مجھ پر اعتماد کرتی تھی اور مجھ سے غیر مشروط محبت کرتی تھی.....

میں اس وقت گھر پر موجود نہ تھا جب سائرہ نے یہ خبر پڑھی تھی اور سچی بات یہ تھی کہ نہ ہی اس نے اور نہ ہی اس کی والدہ (نسیم آپا) نے اس خبر پر یقین کیا جب یہ خبر ان کی نظر سے گزری کیونکہ انہیں مجھ پر غیر متزلزل اعتماد تھا اور وہ جانتی تھیں کہ میری دوسری شادی کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا.....

میں کبھی فراموش نہیں کر سکتا یا اپنے آپ کو کبھی معاف نہیں کر سکتا کہ میں نے سائرہ کو کس قدر دکھ پہنچایا تھا اور اس غیر متزلزل اعتماد کو بھیر کر رکھ دیا تھا جو وہ مجھ پر کرتی تھی..... یہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ اس صورت حال میں جب کہ عزت نفس کی حامل ایک عورت ایسے شخص سے نفرت کرنے لگتی ہے جس نے اس کی تذلیل کی ہوتی ہے..... لیکن میری بیوی سائرہ اس وقت میرے شانہ بشانہ کھڑی ہوئی جب میں نے سنگین غلطی کا اعتراف کیا اور اس سے کہا کہ وہ مجھے کچھ وقت دے تا کہ میں مناسب قانونی طریقے سے اس غلطی کا مداوا کر سکوں اور اپنی سولہ سالہ پرانی شادی کا تقدس بحال کر سکوں..... میں نے اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے سائرہ سے کچھ وقت مانگا.....

سائرہ..... اگرچہ وہ دکھی ہوئی تھی اور اس کے فخر و ناز اور مجھ پر اس کے شدید اعتماد کو جھٹکا لگا تھا لیکن وہ نسیم آپا اور اپنے بھائی سلطان احمد کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے میرے ساتھ چٹان کی مانند کھڑی رہی..... میں نے فی الفور آپا جی اور سلطان کے اعتماد کو تقویت پہنچائی اور قانونی تقاضے پورے کرتے ہوئے عاصمہ کو طلاق دے دی..... میرے کچھ قریبی دوستوں نے بطور گواہ دستخط کئے اور اس بحران پر قابو پانے میں میری مدد کی اور مجھے قیمتی مشوروں اور رہنمائی سے نوازا تا کہ ہماری شادی کا استحکام بحال ہو سکے اور میری بیوی سائرہ کو وہ جذباتی اور اخلاقی معاونت فراہم کی جس کی اسے ضرورت تھی..... فلمی برادری سے..... یہ شکلا جی (پران کی بیوی) اور پراکش جی (بی۔آر۔ چوپڑا کی بیوی) تھی جنہوں نے دلیرانہ مؤقف اختیار کیا اور سائرہ کے ساتھ کھڑی ہوئیں کیونکہ وہ اس کے ساتھ حقیقی محبت کرتی تھیں اور اس کا تحفظ چاہتی تھیں..... انہوں نے اپنی ناخوشی کا اظہار کیا اور میری حقیقی بھابیاں بننے سے انکار کر دیا اور مجھے بتایا کہ مجھے صورت حال کی تصحیح کرنی چاہیے یا انہیں ہمیشہ کے لئے کھو دینا چاہیے..... وہ ایسے لوگ تھے جنہیں میں اپنا تصور کرتا تھا.....

میں اس بھولے بسرے واقعہ کو زیادہ طول نہیں دینا چاہتا تھا اور اسے یہ کہتے ہوئے کسی معمولی سی بھی ہچکچاہٹ کے بغیر تمام کرتا ہوں کہ بطور ایک بنی نوع انسان میں خطا سے بری نہ تھا اور میں ایک ایسی

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

صورت حال کا شکار بنا ہوا تھا جو سائرہ کے ساتھ میری شادی کیلئے ایک تجرانی صورت حال ثابت ہوئی ..... میں اس امر پر قوی یقین رکھتا ہوں کہ خدا کے ہر کام میں حکمت اور بہتری ہوتی ہے..... اس واقعہ نے ہماری قربت کو تقویت پہنچائی اور ایک دوسرے پر ہمارے جذباتی انحصار کو بھی تقویت پہنچائی.....

اس واقعہ کے دوران یہ چرچا بھی غلط طور پر عام کیا گیا کہ سائرہ بچے کی ماں نہیں بن سکتی تھی ..... حقیقت یہ ہے کہ سائرہ ایک بچے کی ماں بننے جا رہی تھی..... ایک لڑکے کی (جیسا کہ بعد میں ہمارے علم میں آیا)..... یہ واقعہ 1972ء میں پیش آیا تھا..... حمل کے آٹھویں ماہ ہم اپنے بچے کو اس وقت کھو بیٹھے جب سائرہ بلند فشار خون (ہائی بلڈ پریشر) کا شکار ہوئی اور بروقت سرجری نہ ہونے کی وجہ سے شکم مادر میں پلنے والے بچے کو بچایا نہ جا سکا..... ہم نے اپنے اس نقصان کو اللہ کی رضا جان کر برداشت کر لیا.....

وہ پر تجسس سوال جسے لوگ پوچھنے سے باز نہیں آتے وہ یہ ہے کہ کیا میں اپنے بچوں کا حامل نہ بننے پر ناخوش ہوں، ٹھیک ہے..... یہ بہت ہی عظیم ہوتا اگر ہم اپنے بچوں کے حامل ہوتے..... لیکن یہ ہمارے لئے کوئی مسئلہ نہیں ہے..... اللہ نے ہمیں ہماری فیملی میں کس قدر بچوں سے نوازا ہے..... ہمارے نوجوانی کے تمام ایام میرے بھائی بہنوں کے بچوں کے ساتھ گزرے ہیں جو ہم سے ملنے کے لئے آتے تھے اور اسکول اور کالج کی چھٹیوں کے دوران ہمارے ساتھ قیام کرتے تھے..... ہم گھر میں ان کی موجودگی پسند کرتے تھے..... گھر میں ان کے قہقہے گونجتے تھے..... وہ کھیل کود میں ہمیں بھی اپنے ساتھ شامل کرتے تھے..... وہ ہمیں والدین ہونے کا احساس دلانے کے لئے کافی تھے..... جب وہ شیر خوار بچے تھے تب انہیں میرے پاس لایا جاتا تھا اور وہ بچے میرے چوڑے چکلے سینے پر اس طرح گہری نیند سو جاتے تھے جیسے وہ فوم کے گدے پر سو رہے ہوتے تھے..... جیسے ہی وہ بڑے ہوئے..... وہ ''ماموں'' کے ساتھ دلچسپ گیمیں کھیلنے کے لئے آتے تھے..... وہ سب مجھے ''ماموں'' کہہ کر مخاطب کرتے تھے.....

برسوں قبل..... میرے بڑے بھائی نور صاحب کے بیٹے امجد اور جاوید ایک کارپوریٹ آفس میں ایک طویل تربیتی پروگرام کے لئے بمبئی میں تھے اور میں نے ان کے لئے یہ لازم قرار دیا تھا کہ وہ ہر حال میں رات 8 بجے روزانہ مجھ سے ملاقات کریں..... یہ نوجوان ناسک سے آئے تھے اور میں نے محسوس کیا تھا کہ مجھے انہیں ممکنہ بری صحبت سے دور رکھنا چاہیے تھا..... اس طرح میرے اور سائرہ کے لئے ایک معقول وجہ موجود تھی کہ دیگر تمام بھتیجوں اور بھتیجیوں کو گھر پر اکٹھا کی جائے جو گھر میں رونق لگائیں اور جس کا اختتام باغ میں بیڈمنٹن کھیلتے ہوئے ہوتا تھا.....

یہ سائرہ ہے جو ہمیشہ فیملی کو باہم اکٹھا کرنے کے جتن کرتی رہتی تھی اور اب بھی فیملی کے پوتے پوتیوں اور نواسے نواسیوں کو اکٹھا کرنے کے جتن کرتی رہتی ہے..... ان سے محبت کرنا اور ان کی محبت وصول کرنا بھی ایک حیران کن امر ہے اور ان کی ضرورت کے وقت ان کا ٹھوس ساتھ دینا اور ہماری ضرورت کے وقت ان کا ہمارا ٹھوس ساتھ دینا بھی ایک حیران کن امر ہے..... آج ہم دونوں اکثر اپنی زندگی سے ان کی عدم موجودگی شدت کے ساتھ محسوس کرتے ہیں کیونکہ عملی طور پر میرے تمام بھتیجے اور بھتیجیاں اپنی زندگیوں یا اپنی فیملیوں کے ساتھ مصروف ہیں..... اگرچہ کبھی کبھار ہماری ملاقات ہوتی رہتی ہے..... میری جب ان سے ملاقات ہوتی ہے تب میں ان کے ساتھ گزرنے والے ہر لمحے سے لطف اندوز ہوتا ہوں..... غالباً اگر ہمارے اپنے بیٹے اور بیٹیاں ہوتے..... وہ بھی دور دراز کے مقامات کا رخ کر چکے ہوتے۔

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

اپنے خوابوں کی جستجو میں اور ہماری ان کے ساتھ سال میں ایک یا دو مرتبہ ہی ملاقات ہوتی۔

حقیقت یہ ہے کہ میں اپنی نوجوانی کے دور میں اپنے بہن بھائیوں کا والدین بنا تھا..... یہ امر مجھے دکھ اور خوشی دونوں عطا کرتا ہے جب میں اپنے بہن بھائیوں کی بابت بیان کرتا ہوں ..... میں نے اس موضوع پر غور وخوص کیا ہے کہ کیا مجھے اپنی چھ بہنوں اور پانچ بھائیوں کی بابت سب کچھ تحریر کرنا چاہئے جو میرا سب کچھ ہیں کیونکہ میں ایک پٹھان ہوں جو اپنی فیملی کی حفاظت کرنا اپنے لئے باعث فخر سمجھتا ہے .....بالخصوص خواتین کی.....اور انہیں لوگوں کی نظروں سے بچا کر رکھتا ہے.....

میں اگر ان کی بابت بات کر رہا ہوں تو اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ میری زندگی کی داستان مکمل نہ ہوگی اگر میں ان کا تذکرہ نہیں کرتا جو میری دنیا ہیں اور ان کے حوالے سے میں ایسے خوابوں کا حامل تھا جن میں اپنے لئے بھی حامل نہ تھا.....

ہم بے تحاشہ محبت اور جذباتی تحفظ کے سایے میں پل کر جوان ہوئے تھے ..... ہم نے والدین سے جو محبت اور شفقت سمیٹی وہ کسی بھی انداز سے محرومی کا شکار نہ تھی ..... والدین نے ہمیں نظم ونسق کی تربیت بھی فراہم کی ..... یہ قسمت کا لکھا تھا کہ میں اس عمر میں اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کا ایک بھائی بننے کی بجائے ان کا والدین بنتا جب زیادہ تر نوجوان ایسے مقاصد وضع کر رہے ہوتے ہیں جو وہ حاصل کرنے کی خواہش رکھتے ہیں، حالات نے مجھے یونیورسٹی کی تعلیم اور او بی ای کے حصول سے محروم رکھا جس کے خواب میرا باپ میرے لئے دیکھتا تھا..... یہ سچ ہے کہ انہیں اس حوالے سے کوئی افسوس نہ ہوا کیونکہ وہ اس پیشے میں میری کامیابی دیکھنے کے لئے حیات رہے تھے جو اللہ نے میرے مقدر میں لکھا تھا.....اگرچہ میں ان سے کبھی دریافت نہ کر سکا لیکن میرا خیال ہے وہ خوش تھے اور اس سوچ میں محفوظ تھے کہ میں سماجی اور معاشی رتبہ حاصل کر چکا تھا جس نے مجھے اہلیت عطا فرمائی تھی کہ میں اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کو سہولیات فراہم کر سکوں کہ وہ اپنے منتخب کردہ میدانوں میں آگے بڑھ سکیں۔

جب میں اپنے آپ کو اپنے پیشے میں محفوظ بنانے کا ہدف حاصل کر چکا تھا اور اپنے کام کی بدولت شہرت کما چکا تھا..... میرا دوسرا مقصد اپنے بہن بھائیوں کو ان کی مرضی کے میدانوں میں بہترین تعلیم دلانا تھا.....خواہ وہ انڈیا یں ممکن ہو یا بیرون ملک ہو.....اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ ان میں سے ہر ایک اپنی انفرادی ذہانت اور کامیابی کے حصول کے لئے امکانی قوت کا حامل تھا.....انہیں جس چیز کی ضرورت تھی.....اور میں نے اس ضرورت کو محسوس بھی کیا تھا.....وہ تحریک اور سہولیات تھیں.....

میں نے انہیں کامیابی کی ان بلندیوں تک پہنچانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی جس کا میں نے ان کے لئے خواب دیکھا تھا..... میں چاہتا تھا کہ وہ خوش قسمتی اور شہرت میں مجھ سے بھی آگے نکل جائیں اور زندگی میں وہ رتبہ اور مرتبہ حاصل کریں جو بخوبی تعلیم یافتہ پیشہ وارانہ فراد حاصل کرتے ہیں..... مجھے امید تھی کہ ایک دن دلیپ کمار اپنے بھائیوں کے حوالے سے جانا پہچانا جائے گا اور کسی اور طریقے سے نہیں جانا پہچانا جائے گا.....اس سخت محنت کے باوجود بھی جو میں اپنے کام کے حوالے سے کر رہا تھا..... میں کچھ نہ کچھ وقت ضرور نکال لیتا تھا تا کہ ان کے ساتھ باہم روابط ہو سکوں اور ان سے ان کی خواہشات کے بارے میں دریافت کر سکوں.....

©جملہ حقوق بحق ادارہ اُردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔
(C)-www.UrduPoint.com itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

یہ سب کچھ بیان کرنے کی خوشی یہ ہے کہ اس امر نے مجھے بے تحاشہ مسرت اور راحت بخشی کہ میں ان کی خواہشات کی تکمیل کا اہل تھا اور انہیں ان مقامات پر بھیجنے کا بھی اہل تھا جہاں پر وہ اپنی دلچسپیوں کا تعاقب کرنا چاہتے تھے..... یہ سب کچھ تحریر کرنے کا دکھ وہم کے ازالے سے جنم لیتا ہے..... میرے خواب محض خواب ہی رہے..... آج میں حیران ہوتا ہوں کہ کیا غلط ہوا تھا اور کیا رخنہ پڑا تھا جب کہ ہم سب ایک ہی اسٹاک سے آئے تھے.....

کیا یہ مقدر تھا جس نے میرے لئے وہ سڑک بچھائی جس پر چلتے ہوئے میں نے محض کالج کی تعلیم حاصل کی اور محدود وسائل کی وجہ سے اور کوئی پیشہ وارانہ تربیت حاصل نہ کر سکا؟ ہاں یہ مقدر تھا اور اللہ کی رضا تھی..... لیکن یہ محنتی اور جفاکش کا بوجھ بھی تھا اور اپنے مقصد کے حصول کی بے تھکان جستجو بھی تھی ..... جس نے ہمیشہ ایسا کام پیش کرنا تھا جس سے میری فلموں کے پروڈیوسر فخر محسوس کرتے تھے اور کاروباری لحاظ سے عطیہ وصول کرتے تھے..... کیا میرے بہن بھائی سخت محنت کرنے کی خواہش اور رجحان سے محروم تھے جو ان امیدوں کی تکمیل کر سکتا جو میں نے ان سے وابستہ کی تھیں؟ کیا میں ان کے لئے اپنی محبت اور بھائی چارے کے فخر و ناز کی وجہ سے ان سے بہت زیادہ توقعات وابستہ کر بیٹھا تھا جو ان کی فطری ذہانت اور کاوشوں کے حوالے سے تھی؟ یہ وہ سوالات ہیں جو میں اپنے آپ سے بار بار پوچھتا ہوں.....

میں اپنی سب سے بڑی سکینہ آپا کے حالات بدلنے کے حوالے سے کچھ بھی نہ کر سکا اور نہ ہی میں اپنے بڑے بھائی نور صاحب کے حوالے سے کچھ کر سکا جس خواہش کے تحت وہ اپنی زندگی گزارنا چاہتے تھے..... لہٰذا میں نے خواب سجانے کا جو مشن اپنے ہاتھ میں لیا تھا وہ میرے ان چھوٹے بہن بھائیوں کے حوالے سے تھا جو میری آنکھوں کے سامنے پروان چڑھے تھے.....

میری بہن تاج ہمیشہ ایک گھر بنانے والی کے روپ میں سامنے آئی..... وہ ایک درجہ اول کی کھانے پکانے اور پکوان تیار کرنے والی تھی اور وہ ایک مختصر سے نوٹس پر شاندار پکوان تیار کر کے پیش کرنے کی ماہر تھی..... میرا خیال ہے کہ وہ اماں کی مانند ایک گھریلو خاتون تھی..... ٹھنڈے مزاج کی مالک اور ہمیشہ ہمیں اچھے اچھے پکوان پکا کر کھلانے کے لئے تیار..... اختر اپنے اسکول کے زمانے سے ہی پڑھائی میں بہترین تھی اور اسے زبان کے مطالعہ اور شاعری کا شوق تھا..... اس کے اس شوق نے اسے فیملی میں ذہانت کے اعتبار سے ایوب صاحب کے بعد دوسرے نمبر پر لا کھڑا کیا تھا..... وہ اس اہلیت کی حامل تھی کہ ایک لیکچرار یا پروفیسر بن سکتی تھی..... اس نے باہر جا کر اپنی تعلیم مکمل کرنے کی خواہش کا اظہار کیا اور میں اسے اس کی خواہش کی تکمیل کے لئے وقع فراہم کرتے ہوئے خوشی محسوس کر رہا تھا..... جب وہ اپنی تعلیم کی تکمیل کر کے امریکہ سے واپس آئی..... اس وقت میں مغل اعظم (1960ء میں نمائش کیلئے پیش کی گئی) کی شوٹنگ میں مصروف تھا اور کے۔ آصف (فلم کا ہدایت کار) بکثرت ہمارے گھر آیا کرتا تھا اختر اور آصف کے درمیان محبت پروان چڑھ رہی تھی اور انہوں نے مجھ سے مشورہ کئے ..... مجھے خبر نہ تھی کہ ا کرنے کا فیصلہ بھی کر لیا تھا کیونکہ وہ دونوں بخوبی جانتے تھے کہ میں اپنی اس قدر تعلیم بغیر آپس میں شادی ک یک ایسے شخص سے ہرگز نہ کروں گا جو پہلے ہی دو مرتبہ شادی شدہ شخص تھا اور جو عمر میں یافتہ بہن کی شادی ای ا اور متضاد نکتہ ہائے نظر اور سوچوں کا حامل ہونے کے علاوہ ایک بالکل مختلف طرز اس سے کہیں بڑا تھ ..اردو شاعری اختر کی کمزوری تھی اور اردو میں روانی اور علم کی بدولت آصف نے اسے زندگی کا حامل تھا..... لیا تھا..... اختر نے مجھے مایوس کیا اور کچھ برس تک میں نے اپنے آپ کو اس سے اور اپنی کشش میں مبتلا ک

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

آصف سے دور رکھا (جیسا کہ ابتدائی باب میں تذکرہ کیا گیا تھا).....

سعیدہ اماں سے مشابہ تھی اور وہ اماں کی مانند ہی گھر میں اِدھر اُدھر گھومتی پھرتی تھی اور اماں کی مانند ہی نرمی سے پیش آتی تھی.....اس نے نہ صرف اماں جیسے مٹھاس بھرے اور نازک نین نقش پائے تھے ..... بلکہ لوگوں کے ساتھ نرمی سے بات کرنے کا اماں کا انداز بھی ورثے میں پایا تھا.....اس نے بھی شادی کرنے کا انتخاب کیا اور ایک کیریئر بنانے کا انتخاب نہ کیا.....

فریدہ معاشی طور پر آزاد اور خود مختار بننے کی متمنی تھی اور اس نے صحافت کے میدان میں اپنا کیریئر بنایا.....میں اسے ''سن شائن'' کہتا تھا کیونکہ وہ ہمیشہ چمک سے بھرپور رہتی تھی اور شہد کی ایک مکھی کی مانند گھر میں چکر لگاتی رہتی تھی.....اس نے ٹائمز آف انڈیا گروپ کے ایک رسالے ''فیمینا'' میں بطور ایک صحافی ملازمت اختیار کر لی تھی..... مجھے یاد ہے کہ فریدہ کو ہمیشہ اپنی جائے ملازمت پر پہنچنے میں تاخیر ہوا کرتی تھی اور وہ مجھ سے گاڑی حاصل کرنے کی فرمائش کرتی رہتی تھی تاکہ اسے باندرہ سے بوری بندر (تقریباً 16 کلومیٹر) پہنچا سکے..... جہاں پر اس کا دفتر واقع تھا.....وہ بھی اپنے میدان میں نام پیدا کر سکتی تھی.....

فوزیہ نے ایک نوجوان شخص سے شادی کی.....وہ اس سے ملی اور اپنی گریجوایشن کی تکمیل کے بعد اپنا گھر بسا لیا.....اس کا خاوند.....دلیپ سروو مہندرا گروپ کے ایک محکمے میں ایک اچھی ملازمت پر فائز تھا.....

میرے چھوٹے بھائیوں احسان اور اسلم کو بمبئی اسکائش اسکول میں بھیجا گیا اور مابعد انہوں نے ایکسوئیر کالج بمبئی میں تعلیم حاصل کرنے کو ترجیح دی..... دونوں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے امریکہ جانا چاہتے تھے..... یہ میری عظیم توقعات تھیں کہ میں احسان اور اسلم کو اعلیٰ تعلیم دلانے کے لئے باہر بھیجتا.....لیکن میری مایوسی کی کوئی انتہا نہ رہی جب وہ میری امیدوں پر پورے نہ اترے.....زندگی کے نشیب و فراز سے جو سچائیاں میرے علم میں آئیں ان میں سے ایک سچائی یہ بھی ہے کہ یہ درست ہے کہ کامیابی کے لئے آرزوؤں.....امنگوں اور خواہشات کا حامل بنا جائے لیکن وہ کچھ حاصل کرنا ہر کسی کا مقدر نہیں ہوتا جو کچھ حاصل کرنے کا وہ خواہش مند ہوتا ہے.....

ناصر مجھ سے دو برس چھوٹا تھا..... وہ ہمیشہ خواتین کی نگاہوں کا مرکز بنا رہتا تھا کیونکہ وہ خوبصورت نین نقش کا حامل تھا اور خوش وضع طور طریقوں کا حامل تھا..... پالی مالا میں جہاں پر ہم رہائش پذیر تھے.....وہ نوجوان خواتین کے دلوں کی دھڑکن تھا جو چور نظروں سے اسے دیکھا کرتی تھیں جب وہ اعلیٰ لباس زیب تن کر کے گھر سے نکلتا تھا.....اس میں حیرانی کی کوئی بات نہ تھی کہ وہ ایک عام اداکار کے طور پر منظر عام پر آیا جب وہ اپنی پہلی فلم فلمستان کی ''مزدور'' میں 1945ء میں جلوہ گر ہوا.....اس نے کچھ دلچسپ فلموں میں ذہین اداکاراؤں مثلاً نرگس..... مینا کماری اور نوٹن (Nutan) کے ساتھ اپنی اداکاری کے جوہر دکھائے..... وہ بیگم پارہ کی کشش میں مبتلا تھا.....وہ بھی ایک اداکارہ تھی.....وہ عمدہ طور طریقوں اور مزاج کی حامل ایک خاتون تھی.....اس کا تعلق ایک ایسی فیملی سے تھا جو ایک اچھے پس منظر کی حامل تھی اور اس نے اس کے ساتھ ایسے وقت میں شادی کی جب کہ اس کے جسم میں ایک عجیب و غریب خامی کی وجہ سے اس کی سر اور جلد کے بال گر رہے تھے..... وہ تب ایک فلم بنانا اور اس میں اداکاری کرنا چاہتا تھا..... چونکہ سرمایہ کاری کرنے والے میری پشت پناہی پر آمادہ تھے لہٰذا میں نے اسے بتایا کہ میں ایک فلم بناؤں گا جو اسے واپسی کے لئے اور حصول شہرت کے لئے ایک پلیٹ فارم مہیا کرے

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

گی جس کا وہ ایک حساس اداکار ہونے کے حوالے سے حقدار تھا..... میں نے ''گنگا جمنا'' (1961ء میں نمائش کے لئے پیش کی گئی) بنائی اور اس نے اپنے کام کے حوالے سے بے تحاشہ تعریف سمیٹی جس سے مجھے بے حد خوشی بھی ہوئی اور فخر بھی محسوس ہوا..... تاہم..... اس کی بیماری ادویات اور اس طبی توجہ سے رک نہ سکی جو ہم نے اس کے لئے اس وقت حاصل کی..... لہٰذا اسے اپنی دوکان بند کرنا پڑی.....

مجھ سے اکثر پوچھا جاتا کہ میں نے اپنے بھائیوں ایوب صاحب..... نور صاحب..... اور ناصر اور اپنی بہنوں سکینہ آپا اور تاج کی موت کا صدمہ کیسے برداشت کیا..... میں محض یہ کہہ سکتا ہوں کہ ہر وقت ایک موت تکلیف دہ تھی اور میں نے اپنی زندگی میں ان کی عدم موجودگی کو برداشت کرنے کے لئے اپنا پورا حوصلہ اور جرأت استعمال کی.....

مجھے ہنوز ابرار علوی (ایک معروف ہدایت کار اور لکھاری) کی فون کال یاد ہے جو اس نے 1972ء میں صبح سویرے مجھے کی تھی..... جسے نقی احمد نے وصول کیا تھا..... وہ سائرہ کا ایک رشتے دار تھا جو ہمارے ہاں قیام پذیر تھا..... فون کال میرے لئے تھی اور اس فون کال کے ذریعے مجھے بری خبر موصول ہوئی کہ ناصر ڈلہوزی (اب ہماچل پردیش میں) میں وفات پا چکا تھا جہاں پر وہ ''ضد'' کی لوکیشن کی تلاش میں مصروف تھا..... یہ وہ فلم تھی جس کا وہ فلمساز تھا..... ''ضد'' میں سائرہ اور سنجے خان مرکزی کردار ادا کر رہے تھے اور اس کی شوٹنگ میں اس لئے کسی قدر تاخیر ہوئی تھی کیونکہ سائرہ کو ڈاکٹروں نے آرام کرنے کا مشورہ دیا تھا کیونکہ وہ جو ادویات استعمال کر رہی تھی ان کے لئے ضروری تھا کہ انہیں طبی نگرانی میں استعمال کیا جاتا..... اس دوران..... ناصر نے سوچا تھا کہ اسے جو وقت میسر آیا تھا وہ اسے اپنی فلم کے لئے پنجاب میں دلکش اور دل آویز لوکیشنوں کی تلاش میں صرف کرے.....

میں صدمے سے شل ہو کر رہ گیا تھا..... میں نے اس خبر کو سائرہ سے چھپانا تھا کیونکہ اس کے علاج معالجے میں مصروف ڈاکٹروں نے ہدایت کی تھی کہ کوئی بھی جذباتی سانحہ اس کے لئے خطرناک ہو سکتا تھا اور مہلک ثابت ہو سکتا تھا.....

میں اس خبر کو اس سے چھپانے کے لئے کیا کر سکتا تھا؟ سائرہ اور ناصر ایک دوسرے کا احترام کرتے تھے اور ایک دوسرے کی ستائش بھی سرانجام دیتے تھے..... وہ میری فیملی کا واحد رکن تھا جس نے سائرہ کو وہ عزت و احترام اور محبت دی تھی جس کی وہ حقدار تھی..... میری بہنیں اور احسان اس کے لئے اجنبی ہی بنے رہتے تھے اور اسے بھی اجنبی ہی تصور کرتے تھے..... ناصر بذات خود سکینہ آپا کے کھاتے میں ایک اچھا بھائی نہ تھا..... وہ اسے پسند نہ کرتی تھیں کیونکہ اس نے ایک اداکارہ سے شادی کی تھی..... جب ناصر ناخوشی کا شکار ہوتا تھا تب وہ سکون کے حصول کی خاطر سائرہ سے رجوع کرتا تھا.....

میرے لئے یہ ضروری تھا کہ سائرہ کے سامنے یہ ظاہر کرتا کہ کوئی سنگین واقعہ رونما نہ ہوا تھا اور مجھے اسے بتانا تھا کہ ناصر کو معمولی سا دل کا دورہ پڑا تھا اور وہ اسپتال میں داخل تھا..... نسیم آپا حقیقت سے آگاہ تھیں اور انہوں نے مجھے یقین دہانی کروائی تھی کہ وہ اس دوران سائرہ کی دیکھ بھال کریں گی جس دوران میں ناصر کی تجہیز و تکفین کی تکلیف دہ ذمہ داریاں پوری کرنے کے لئے گھر سے دور رہوں گا..... مجھے یہ اعتراف کرنے میں کوئی عار نہیں کہ میں نے سائرہ کے سامنے ایک نارمل رویے کا اظہار کرنے کے لئے اپنا تمام اہلیتیں صرف کر دی تھیں جب کہ میرا دل اور روح خون کے آنسو رو رہے تھے.....

©جملہ حقوق بحق ادارہ اُردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔

itsurdu.blogspot.com

جب میں قبرستان سے واپس آیا اس وقت شام گہری ہو چکی تھی..... میں نے دیکھا کہ سائرہ مجھ سے یہ دریافت کرنے کے انتظار میں تھی کہ اب ناصر کی طبیعت کیسی تھی..... وہ مجھ سے اصرار کر رہی تھی کہ میں اسے ناصر سے ملوانے کے لئے اسپتال لے چلوں..... اب میرے ضبط کا بندھن ٹوٹ چکا تھا اور میرے اعصاب جواب دے گئے تھے اور مجھ سے مزید ضبط نہ ہو سکا اور میں اس کے سامنے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا.....

اگر چہ ہم بالغان موت کی حقیقت کو بخوبی سمجھتے ہیں لیکن ناصر کے بچوں کو کوئی یہ کیسے بتاتا کہ اب ان کا باپ دوبارہ کبھی گھر واپس نہیں آئے گا؟

جیسے ہی میں اپنے بھائیوں نور صاحب..... ایوب صاحب..... ناصر اور اپنی بہنوں سکینہ آپا کی عدم موجودگی پر غور و فکر کرتا ہوں میں ان حیران کن لوگوں کو بھی فراموش نہیں کر سکتا جو میرے سفر میں میرے ساتھ تھے ان میں راج کپور..... اشوک کمار..... ایس مکھر جی صاحب..... محبوب صاحب..... نیتندا (نیتن بوس)..... بملدا (بیمل رائے)..... ٹاپانڈا (ٹاپان سنہا)..... بی آر چوپڑا صاحب..... دیو آنند..... پران..... یاش چوپڑا اور پروڈیوسر یاش جوہر شامل تھے..... میں انہیں بھی اس قدر یاد کرتا ہوں جس قدر میں اپنے ان بھائیوں کو یاد کرتا ہوں جو اب حیات نہیں ہیں.....

وہ لمحہ کب آیا جب میں نے فخر محسوس کیا اور جس لمحے میرے لئے اپنی سوچوں کا اظہار کرنا مشکل محسوس ہوا؟ وہ تقریب اور لمحہ اس وقت آیا جب لتا منگیشکر نے ری پبلک ڈے کو 1962ء کی انڈیا چین جنگ میں ہلاک ہونے والوں کو خراج تحسین پیش کیا..... یہ 26 جنوری 1963ء تھا اور یہ تقریب دہلی میں منعقد کی گئی تھی..... وزیر اعظم جوہر لعل نہرو..... جو وہاں موجود تھے..... وہ رو پڑے اور ہم سب بھی رو پڑے جو اس تقریب میں موجود تھے.....

اس تقریب سے ایک شب قبل..... اشوک ہوٹل جہاں لتا قیام پذیر تھی..... میں نے ان کے ساتھ ایک مختصر سی ملاقات کی..... دن بھر کے اجلاسوں میں شرکت کرنے کے بعد جب میں اپنے ہوٹل کے کمرے میں واپس آیا..... میں نے لتا کو فون کیا اور ان سے درخواست کی کہ کیا وہ میرا ایک دل پسند گیت میرے لئے گا سکتی تھیں (اللہ تیرو نام)..... میں ان کی سکون آور آواز سنتے سنتے اپنے تھکے ماندے ذہن کے ساتھ نیند کی وادی میں گم ہو گیا..... لتا نے اگلے دن اپنی روح کی گہرائیوں سے گایا ''اے میرے وطن کے لوگو۔۔۔''

مارچ 2014ء میں لتا مجھ سے ملاقات کرنے کے لئے میرے گھر آئی اور ہم نے اپنی ماضی کی ان یادوں کی یاد تازہ کی جب ہماری ملاقات بمبئی ٹاکیز کی کینٹین میں چائے پر ہوئی تھی اور محبوب اسٹوڈیوز میں ہوئی تھی جہاں انہوں نے اپنے گانے ریکارڈ کروائے تھے..... جب کمپوزر انیل بسواس نے 1947ء میں ان کے ساتھ میری ملاقات کروائی تھی اس وقت وہ ایک نٹ کھٹ لڑکی تھی..... وہ میرے ساتھ چہرے پر وہی مسکراہٹ سجا کر ملی اگر چہ بے تحاشہ وقت گزر چکا تھا..... اس کی آنکھیں خوشی کے آنسوؤں سے لبریز تھیں اور اس نے انہیں روکنے کی کوشش کی اور اپنا سر میرے سینے پر جھکا دیا اور مجھے یاد ہے جب میں نے 1974ء میں لندن کے رائل البرٹ ہال کی اسٹیج پر ناظرین سے ان کا تعارف اپنی ''چھوٹی بہن'' کہہ کر کروایا تھا.....

میرے گھر پر ان کی آمد نے مجھے حیران کر دیا تھا اور انہوں نے ایک تابعدار چھوٹی بہن کی مانند اس وقت تک قیام کیا جب تک میں نے انہیں رخصت ہونے کی اجازت نہ دی..... مجھے دیرینہ

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

ساتھیوں سے مل کر ہمیشہ خوشی محسوس ہوتی ہے..... بالخصوص ایسے ساتھی جو شاندار شہرت اور شان و شوکت کے حصول کے بعد بھی نہ بدلے ہوں.....

فلموگرافی اور ایوارڈز

(Filmography And Awards)

یہاں پر.....

''پی''..... برائے پروڈیوسر

''ڈی''..... برائے ڈائریکٹر

''ایم''..... برائے میوزک ڈائریکٹر

''سی''..... برائے کاسٹ

جوار بھاٹا (1944ء)

پی..... بمبئی ٹاکیز

ڈی..... امیا چکر بورتھی

ایم..... انیل بسواس

سی..... دلیپ کمار..... مریدولا..... شمیم..... آغا جان..... کے۔ این۔ سنگھ.....

پتھاوالا..... ارون کمار..... خلیل..... بکرم کپور اور ممتاز علی.....

پراتما (1945ء)

پی..... بمبئی ٹاکیز

ڈی..... پی۔ جے راج

ایم..... ارون کمار

سی..... دلیپ کمار..... سورنالاٹا..... جیوٹی..... ممتاز علی..... پتھاوالا..... مُرکی..... زیبو اور شاہ نواز

ملن (1946ء)

پی..... بمبئی ٹاکیز

ڈی..... نیتن بوس

ایم..... انیل بسواس

سی..... دلیپ کمار..... میرا مشرا..... رنجانا..... پہاڑی سنیال اور مونی چٹرجی.....

جگنو (1947ء)

پی..... شوکت علی پروڈکشنز

ڈی..... سید شوکت حسین رضوی

ایم..... فیروز نظامی

سی..... نور جہان..... دلیپ کمار..... غلام محمد..... سولوچنا..... سینئر (روبی مائرز)..... لانیکا..... ضیاء.....

چلو..... آغا..... ششی کالا اور محمد رفیع

انوکھا پیار (1948ء)

پی..... امبیکا فلمز

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

ڈی.....ایم۔آئی۔دھرم سے.....

ایم.....انیل بسواس

سی.....دلیپ کمار.....نرگس.....نالینی جے ونت.....سنکا تھا پرشاد.....مُکری.....وید.....کسر بائی.....

اُمّادت.....حبیب اور شیخ.....

گھر کی عزت (1948ء)

پی.....مُرلی مووی ٹون

ڈی.....رام دریانی

ایم.....گوبندرم

سی.....دلیپ کمار.....ممتاز شانتی.....جیون.....منوراما.....ڈکسٹ.....سلیمان.....گلاب اور گوپ

میلہ (1948ء)

پی.....وادیا فلمز لمیٹڈ

ڈی.....ایس۔یو۔سنی

ایم.....نوشاد

سی.....دلیپ کمار.....نرگس.....جیون.....امر.....روپ کمال.....علاؤالدین.....عباس.....نور جہان.....چندرا بائی.....رحمان.....خلیل اور بے بی زبیدہ.....

ندیا کے پار (1948ء)

پی.....فلمستان

ڈی.....کشور ساہو

www.UrduPoint.com

ایم.....سی.....رام چندر

سی.....دلیپ کمار.....کامنی کوشال.....مایا بنرجی.....داؤد.....ایس۔ایل۔پُری.....ہری شیوڈاسانی.....سامسن.....ٹی واری.....کانتا کماری اور رانی بالا.....

شہید (1948ء)

پی.....فلمستان

ڈی.....رمیش سہگل

ایم.....غلام حیدر

سی.....دلیپ کمار.....کامنی کوشال.....چندر موہن.....لیلا چٹنس.....وی ایچ ڈیسائی.....اور ششی کپور

انداز (1949ء)

پی.....محبوب پروڈکشنز

ڈی.....محبوب خان

ایم.....نوشاد

سی.....دلیپ کمار.....راج کپور.....نرگس.....وی۔ایچ۔ڈیسائی.....چکّو.....مراد.....انوری بائی.....امیر بانو.....عباس اور واسکر.....

©جملہ حقوق بحق ادارہ اُردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔

(C)-www.UrduPoint.com

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

شبنم (1949ء)

پی.....فلمستان

ڈی.....بھوئی مترا

ایم.....ایس۔ڈی۔برمن

سی.....دلیپ کمار.....کامنی کوشال.....جیون.....پارو.....مبارک.....ہارون.....راجندر سنگھ.....شیاما اور چکو.....

آرزو (1950ء)

پی.....انڈین نیشنل پکچرز

ڈی.....شاہد لطیف

ایم.....انیل بسواس

سی.....دلیپ کمار.....کامنی کوشال.....گوپ.....چکو.....عارف.....پریم دیوان.....ششی کالا.....ستیا بوس.....نیلم.....خان.....گنجو اور چندرا بائی.....

بابل (1950ء)

پی.....سنی آرٹ پروڈکشنز

ڈی.....ایس۔یو۔سنی

ایم.....نوشاد

سی.....دلیپ کمار.....نرگس.....منور سلطانہ.....شمی.....اے شاہ اور جانکی داس.....

جوگن (1950ء)

www.UrduPoint.com

پی.....رنجیت موویٹون

ڈی.....کیدار شرما

ایم.....بلوسی.....رانی

سی.....دلیپ کمار.....نرگس.....مانجو.....پراتما دیوی.....پسی پٹیل.....پورنیما.....بے بی تبسم.....انوری.....رمیش ٹھاکر.....درپن اور راجندر کمار.....

دیدار (1951ء)

پی.....فلمکار لمٹیڈ

ڈی.....نیتن بوس

ایم.....نوشاد

سی.....اشوک کمار.....نرگس.....دلیپ کمار.....نمی.....یعقوب اور بے بی تبسم.....

ہلچل (1951ء)

پی.....کے.....آصف پروڈکشنز

ڈی.....ایس۔کے۔اوجہا.....

ایم.....محمد شفیع اور سجاد حسین

سی.....دلیپ کمار.....نرگس.....بلراج شانی.....یعقوب.....جیون.....ستارہ دیوی.....کے۔این۔سنگھ.....گیتا نظامی فیضی اور چکو.....

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

(1951ء)

بی.....کرشن موویٹون

ڈی.....رام دریانی

ایم.....انیل بسواس

سی.....دلیپ کمار.....مدھوبالا.....شیاما.....کمار.....جیون.....گوپ.....گلاب.....دیواسکراور بکرم کپور

آن(1952ء)

پی.....محبوب پروڈکشنز

ڈی.....محبوب خان

ایم.....نوشاد

سی.....دلیپ کمار.....نمی.....پریم ناتھ.....مکری.....شیلا نائیک.....مراد.....چکو.....نیلم بائی.....امیر بانواور نیاچہرہ نادرہ

داغ(1952ء)

پی.....مارس اینڈ مویز/ امیا چکر بورتھی

ڈی.....امیا چکر بورتھی

ایم.....شانکر جے کشن

سی.....دلیپ کمار.....یوشا کیرون.....نمی.....لالیتا پاوار.....کنیا لعل.....جواہر کاؤل.....لیلا مشرا.....چندر شیکراور کرشنا کانت.....

www.itsurdu.com

سنگدل(1952ء)

پی.....تلوار فلمز لمیٹڈ

ڈی.....آر۔سی۔تلوار

ایم.....سجاد حسین

سی.....دلیپ کمار.....مدھوبالا.....لیلا چٹنس.....پراتما دیوی اورشمی.....

فٹ پاتھ(1953ء)

پی.....رنجیت موویٹون

ڈی.....ضیاء سرحدی

ایم.....خیام

سی.....دلیپ کمار.....مینا کماری.....کلدیپ کور.....انور حسین.....رامیش تھاپار.....ایکلا سچ دیو.....رامیش ٹھاکر.....اختر.....پی کیلاش.....جانکی داس.....ماروتی اورسوماتی لجمی.....

شکاست(Shikast)(1953ء)

پی.....آشا دیپ

ڈی.....رامیش سہگل

ایم.....شنکر جے کشن

سی.....دلیپ کمار.....نالینی جے ونت.....ماسٹر کپور.....اوم پرکاش.....درگا کھوٹی.....کے۔این۔

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

سنگھ.....لیلا مشرا.....شام لعل اور ہیماوتی.....

امر(1954ء)

پی.....محبوب پروڈکشنز

ڈی.....محبوب خان

ایم.....نوشاد

سی.....دلیپ کمار.....مدھوبالا.....نمی.....جیانٹ.....الہاس.....مکری.....امر.....حسن بانو.....مراد اور شکیل نومانی.....

آزاد(1955ء)

پی.....پاکشی راجا اسٹوڈیوز

ڈی.....ایس۔ایم۔ایس۔نیدو

ایم.....سی۔رام چندر

سی.....دلیپ کمار.....مینا کماری.....پران.....اوم پرکاش.....ایس نذر.....بدری پرشاد.....راج مہرا .....اندھیر.....اکلاسچ دیو.....مراد.....دیپا سائی.....سُبا لکشمی اور شمی.....

انسانیت(1955ء)

پی.....جمنی پکچرز

ڈی.....ایس۔ایس۔وسان

ایم.....سی.....رام چندر

سی.....دلیپ کمار.....دیوانند.....بینا رائے.....وجے لکشمی.....جیراج.....جیانٹ.....شوب ہانا.....

سمارتھ.....آغا.....کمار.....بدری پرشاد.....موہانا.....ایشور لعل اور زپی.....دی چیمپانزی.....

اڑن کھٹولا(1955ء)

بی.....سنی آرٹ پروڈکشنز

ڈی.....ایس۔یو۔سنی

ایم.....نوشاد

سی.....دلیپ کمار.....نمی.....ثریا کماری.....جیون.....آغا.....نواب.....روپ مالا.....امر اور ٹُن ٹُن .....

دیوداس(1955ء)

پی.....بمل رائے پروڈکشنز

ڈی.....بمل رائے

ایم.....ایس۔ڈی۔برمن

سی.....دلیپ کمار.....سچیترا سن.....وجنتی مالا.....موتی لعل.....جانی واکر.....نذیر حسین اور پران.....

©جملہ حقوق بحق ادارہ اُردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔

(C)-www.UrduPoint.com itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

نیا دور (1957ء)

پی.....بی۔آر۔فلمز

ڈی.....بی۔آر۔چوپڑا

ایم.....او۔پی۔نیر

سی.....دلیپ کمار.....وجنتی مالا.....اجیت.....چاند عثمانی.....جیون.....موہن کرشن.....نذیر حسین.....لیلا چٹنس.....رادھا کشن.....ایس۔نذیر.....پرا تما دیوی.....ڈیسی ایرانی.....ایس این بنرجی اور جانی واکر.....

مسافر (1957ء)

پی.....فلم گروپ

ڈی.....ہریش کیش مکھرجی

ایم.....سلیل چوہدری

سی.....دلیپ کمار.....یوشا کیرون.....کشور کمار.....سچیترا سن.....نیروپا رائے.....شیکھر.....درگا کھوٹی.....داؤد.....ڈیسی ایرانی.....پین گپٹا.....رشید خان.....نذیر حسین.....راج لکسمی.....موہن چھوٹی.....کیشٹو مکھرجی.....پال مہندر اور ہیرا سونت.....

مدھومتی (1958ء)

پی.....بمل رائے پروڈکشنز

ڈی.....بمل رائے

ایم.....سلیل چوہدری

سی.....دلیپ کمار.....وجنتی مالا.....پران.....جانی واکر.....جیانت.....تارون بوس.....ٹیواری.....مسرا.....بیاج شرما اور بوجھو دوایڈوانی.....

یہودی (1958ء)

پی.....بمبئی فلمز

ڈی.....بمل رائے

ایم.....شنکر جے کشن

سی.....دلیپ کمار.....سہراب مودی.....مینا کماری.....نگار سلطانہ.....نذر حسین.....مراد.....انور.....مینو ممتاز.....تواری.....بے بی ناز.....بکرم کپور.....رومی.....چکو.....کملا لکسمن اور ہیلن.....

پیغام (1959ء)

پی.....جمنی پکچرز

ڈی.....ایس۔ایس وسان

ایم.....سی۔رام چندر

سی.....دلیپ کمار.....وجنتی مالا.....راج کمار.....بی۔سروجا دیوی.....موتی لعل.....پاندری بائی.....جانی واکر.....مینو ممتاز.....وسندھرا.....داؤد.....پرا تما دیوی.....بنرجی.....شیوراج.....ایشور لعل اور عامر.....

کوہ نور (1960ء)

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

پی.....ری پبلک فلم کارپوریشن

ڈی.....ایس۔یو۔سنی

ایم.....نوشاد

سی.....دلیپ کمار.....مینا کماری.....جیون.....کُم کُم.....مُکری.....کمار.....لیلا چٹنس.....ایس نذر.....وصی خان.....عظیم.....ماسٹر نثار.....ٹُن ٹُن اور راجن کپور.....

مغل اعظم (1960ء)

پی.....اسٹرلنگ انوسٹمنٹ کارپوریشن

ڈی.....کے۔آصف

ایم.....نوشاد

سی.....پرتھوی راج.....دلیپ کمار.....مدھوبالا.....درگا کھوٹی.....نگار سلطانہ.....اجیت.....کمار.....مراد.....شیلا دالایا.....جلال آغا.....وجے لکسمی.....ایس نذر.....پال شرما.....سریندر.....جانی واکر اور تبسم.....

کالا بازار (1960ء)

پی.....نیو کیٹن

ڈی.....وجے انند

ایم.....ایس۔ڈی۔بُرمن

سی.....دیوانند.....وحیدہ رحمان.....ندا.....وجے انند.....چیتن انند.....لیلا چٹنیس.....راشد خان.....کشور ساہو اور دلیپ کمار (مہمان اداکار).....

www.UrduPoint.com

گنگا جمنا (1961ء)

پی.....سیٹیزن فلمز

ڈی.....نیتن بوس

ایم.....نوشاد

سی.....دلیپ کمار.....وجنتی مالا.....ناصر خان.....عذرا.....کنیا لعل.....انور.....نذر حسین.....ایس نذر.....لیلا چٹنس.....پروین پال.....ہیلن.....اکاش دیپ.....بے بی ارونا اور بے بی ناز.....

لیڈر (1964ء)

پی.....مکھرجی فلم سینڈیکیٹ

ڈی.....رام مکھرجی

ایم.....نوشاد

سی.....دلیپ کمار.....وجنتی مالا.....موتی لعل.....جیانٹ.....نذر حسین.....سپرو.....ہیرا لعل.....امر.....جانکی داس.....پی۔کیلاش.....جگدیش سیٹھی.....لیلا مشرا.....مرلین اور مدھومتی.....

دل دیا درد لیا (1966ء)

پی.....کے پروڈکشنز

ڈی.....اے۔آر۔کاردار

ایم.....نوشاد

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

سی.....دلیپ کمار.....وحیدہ رحمان.....پران.....رحمان.....شیام.....رانی.....سجن.....سپرو.....شاہ آغا.....مراد اور جانی واکر.....

رام اور شیام (پہلا ڈبل رول) (1967ء)

پی.....وجے انٹرنیشنل

ڈی.....ٹاپی چنا کیا

ایم.....نوشاد

سی.....دلیپ کمار.....وحیدہ رحمان.....ممتاز.....پران.....نیرو رائے.....کنیا لعل.....نذر حسین.....ساجن.....مکری.....عامر.....لیلا مشرا.....زیب النساء اور بے بی فریدہ.....

پاری (بنگالی) (1967ء)

پی.....پرونوٹی گوش

ڈی.....جگن ناتھ چاٹو پاڈھیایا

ایم.....سلیل چوہدری

سی.....دھرمندر.....دلیپ کمار.....ابھی بھٹا چاریہ.....دلیپ رائے.....کیشو مکھر جی اور پرونوٹی گوش

آدمی.....(1968ء)

پی.....پی ایس وی فلمز

ڈی.....اے۔بھیم سنگھ

ایم.....نوشاد

سی.....دلیپ کمار.....وحیدہ رحمان.....منوج کمار.....سمی گری وال.....پران.....سولو چانا.....الہاس.....پدما چاون.....موہن چھوٹی.....شیو راج اور آغا.....

www.UrduPoint.com

سنگ ہرش (1968ء)

پی.....راہول تھیٹرز

ڈی.....ایچ۔ایس۔راویل

ایم.....نوشاد

سی.....دلیپ کمار.....وجنتی مالا.....بلراج ساہنی.....سنجیو کمار.....جیانٹ.....دُرگا کھوٹی.....سونو چنا.....سندر.....الہاس.....افتخار.....سپرو.....ممتاز بیگم.....پدما.....لتا سنہا.....انجو مہندرو.....رانو اور دیون ورما.....

سادھو اور شیطان (1968ء)

پی.....بھیم سنگھ.....محمود پروڈکشنز

ڈی.....اے۔بھیم سنگھ

ایم.....لکشمی کانت پیارے لعل

سی.....محمود.....بھارتی.....کشور کمار.....اوم پرکاش.....پران.....بے بی فریدہ.....مکری.....مانجو.....راج کشور.....کشیو مکھر جی.....ٹن ٹن.....جانکی داس اور دلیپ کمار (مہمان اداکار).....

©جملہ حقوق بحق ادارہ اُردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔

(C)-www.UrduPoint.com

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

گوپی (1970ء)

پی..... پراس پیریٹی پکچرز/ ٹی۔ایس۔متھوسوامی اینڈ ایس۔ایس۔پالانی اپن

ڈی.....اے۔بھیم سنگھ

ایم.....کلیان جی انند جی

سی ..... دلیپ کمار..... سائرہ بانو..... اوم پرکاش ..... پران ..... جانی واکر..... لالیتا پاوار..... نیروپا رائے.....فریدہ جلال.....سدیش کمار.....درگا کھوٹی مکری.....تیواری.....شیام لعل اورارونا ایرانی.....

ساگینا مہاٹو (بنگالی) (1970ء)

پی.....ہیمین گنگولی اینڈ جے۔کے۔کپور

ڈی.....ٹاپان سنہا

ایم.....ٹاپان سنہا

سی.....دلیپ کمار.....سائرہ بانو اور اپارنا سن

انوکھا ملن (1972ء)

پی.....آر۔جے.....وزیرانی/ وزیرانی مویز

ڈی.....جگن ناتھ چٹوپاڈیا

ایم.....سلیل چوہدری

سی ..... دھرمندرا..... دلیپ کمار (مہمان اداکار) ..... پرونوٹی گھوش ..... ابھی بھٹاچاریہ..... دلیپ رائے اور کشو مکھرجی.....

داستان (دوسرا ڈبل رول) (1972ء)

www.UrduPoint.com

پی.....بی۔آر فلمز

ڈی.....بی۔آر۔چوپڑا

ایم.....لکشمی کانت پیارے لعل

سی.....دلیپ کمار.....شرمیلا ٹیگور..... پریم چوپڑا..... بندھو.....آئی ایس جوہر..... پدما کھنہ.....مدن پری.....جے شری ٹی.....ناناپالسیکار.....من موہن کرشن.....افتخار.....بدری پرشاد.....اور کشن ہاوورانا

پھر کب ملوگی (1974ء)

پی.....ہری مہرا/ شیوالی فلمز

ڈی.....ہریش کیش مکھرجی

ایم.....آر۔ڈی۔بُرمان

سی.....مالا سنہا.....بسواجیت.....دیون ورما.....بپن گپتا.....داؤد اور دلیپ کمار (مہمان اداکار)

ساگینا (ہندی) (1974ء)

پی.....جے۔کے۔کپور/ روپاسری انٹرنیشنل

ڈی.....ٹاپان سنہا

ایم.....ایس۔ڈی۔برمان

سی ..... دلیپ کمار۔سائرہ بانو۔اوم پرکاش۔ایارناسن.....انیل چترجی.....سواروپ دت.....راجنی گپتا.....کے۔این۔سنگھ اور قادر خان.....

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

بیراگ (پہلا ہزار کردار) (1976ء)

پی.....مشیر عالم اور محمد ریاض/ ایم۔آر۔ پروڈکشنز

ڈی.....اسیت سن

ایم.....کلیان جی انند جی

سی.....دلیپ کمار.....سائرہ بانو.....لینا چاندوارکر.....پریم چوپڑا.....ناصر خان.....ہیلن.....نذر حسین.....جے راج.....مدن پری.....بجیب کمار.....پورنیما.....اسیت سن.....لیلا مشرا.....مکری.....قادر خان.....وی گوپال.....ناز.....پین ٹال.....جانکی داس.....پروین پال.....موہن چھوٹی اور سچن

کرانتی (1981ء)

پی.....وی آئی پی فلمز

ڈی.....منوج کمار

ایم.....لکشمی کانت پیارے لعل

سی.....دلیپ کمار.....منوج کمار.....ہیما مالینی.....ششی کپور.....پروین بالی.....شتروگن سنہا.....نیروپا رائے.....ششی کالا.....ساریکا.....پریم چوپڑا.....پردیپ کمار.....مدن پری.....ماسٹر ادتیا اور ماسٹر کنال.....

شکتی (1982ء)

پی.....مشیر عالم اینڈ محمد ریاض/ ایم۔آر۔ پروڈکشنز

ڈی.....رمیش سپی

ایم.....آر۔ڈی۔برمان

سی.....دلیپ کمار.....امیتابھ بچن.....راکھی.....سمیتا پاٹیل.....کلبوشان خار بندا.....اور امریش پُری.....

ودھاتا (1982ء)

پی.....گلشن رائے/ ٹرائی مُرتی فلمز پرائیویٹ لمیٹڈ

ڈی.....سچاش غائی

ایم.....کلیان جی انند جی

سی.....دلیپ کمار.....سنجیو کمار.....شمی کپور.....سنجے دت.....پدمنی کول پری.....ساریکا.....امریش پُری.....ڈاکٹر شری رام لاگو.....شریش اور بیرو.....اور مدن پری.....

مزدور (1983ء)

پی.....بی۔آر۔چوپڑا/ بی۔آر۔فلمز

ڈی.....روی چوپڑا

ایم.....آر۔ڈی۔برمان

سی.....دلیپ کمار.....نندا.....راج ببر.....پمنی کول پُری.....رتی اگنی ہوتری.....راج کرن اور سریش اور بیروے.....

دنیا (1984ء)

پی.....یاش جوہر/ دھرم پروڈکشنز پرائیویٹ لمیٹڈ

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

ڈی.....رمیش تلوار

ایم.....آر۔ڈی۔برمان

سی .....اشوک کمار.....دلیپ کمار.....سائرہ بانو.....رشی کپور.....امریتا سنگھ.....پریم چوپڑا.....

امریش پُری اور پران.....

مشال(1984)

پی.....یاش چوپڑا/یاش راج فلمز

ڈی.....یاش چوپڑا

ایم۔ہری ڈے ناتھ منگیشکر

سی.....دلیپ کمار.....وحیدہ رحمان.....رتنی اگنی ہوتری.....انیل کپور.....نیلو پھولی.....مدن پُری.....

موہن اگاشی.....سعید جعفری.....امریش پُری اور افتخار۔

دھرم ادھیکاری(1986ء)

پی.....یو۔وی۔سریانہ ریان راؤ

ایم.....بپّی لاہیری

سی.....دلیپ کمار.....جیتندرہ.....سری دیوی.....انوراد ھاپٹیل.....پران.....قادرخان.....شکتی کپور

.....اسرانی.....رخیش بیدی.....سجیت کمار.....مایور.....روحینی ہٹن گادی.....پرتیی سپرو اور گیتا

سدھارتھ.....

کرما(1986ء)

پی.....سجاش غائی/مکٹا آرٹ پرائیویٹ لمیٹڈ

ڈی.....سجاش غائی

ایم.....لکشمی کانت پیارے لعل

سی.....دلیپ کمار.....نوتن.....جیکی شروف.....انیل کپور.....نصیرالدین شاہ.....سری دیوی.....پونم

دھلن.....انوپام خیر.....شکتی کپور.....دارا سنگھ.....ستیانارائن اور بندو.....

قانون اپنا اپنا(1989ء)

پی.....اے۔ایس۔آر۔انجانی یولو/مدھاوی پروڈکشنز

ڈی.....بی۔گوپال

ایم.....بپی لاہیری

سی.....دلیپ کمار.....نوتن.....سنجے دت.....مادھوری ڈکسٹ.....قادرخان.....انوپام خیر.....فکشن

گرووَر.....تج سپرو.....ستین کپو.....مایور.....جیاشری۔گادکر.....میتھی.....پنکی.....ابھی لاشا.....

وجے لکشمی اور ڈسکو شانتی.....

عزت دار(1990ء)

پی.....سودھا کر بوکیڈ

ڈی.....کے.....باپایا

ایم.....لکشمی کانت پیارے لعل

سی.....دلیپ کمار.....بھارتی.....گوندا.....مادھوری ڈکسٹ.....اسرانی.....ٹینا غائی.....راحیش بیدی

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

.....دلیپ دھاون اور شفیع انمدار

سوداگر (1991ء)

پی.....سجاش غائی/مکتا آرٹس پرائیویٹ لمٹیڈ

ڈی.....سجاش غائی

ایم.....لکشمی کانت پیارے لعل

سی.....دلیپ کمار.....راج کمار.....جیکی شروف.....منیشا کورالا.....وویک مشران.....دپتی ناوال

.....انوپام خیر.....امریش پری.....گلشن گروور.....دلیپ ٹاہل.....مکیش کھنہ.....دینا پتھاک.....انند

بلراج.....اکاش خورانا.....ابھی نیو وچاتر ویدی.....ارچنا پورن سنگھ.....مال ویکا ٹواری.....سچیتا واجپائی

اور شبھا گھوٹی.....

www.UrduPoint.com

قلعہ (1998ء)

پی.....ایگل فلمز

ڈی.....اُمیش مہرا

ایم.....انند راج انند

سی.....دلیپ کمار.....ریکھا.....مکول دیو اور ممتا کلکرنی.....

©جملہ حقوق بحق ادارہ اُردو پوائنٹ محفوظ ہیں۔

(C)-www.UrduPoint.com itsurdu.blogspot.com